

ابنِ صفحی

# جاسوسی دنیا

53۔ سرخ دائرہ

54۔ خونخوار لڑکیاں

55۔ سائے کی لاش



## پیشہ

”سرخ دائرہ“ کی کہانی موجودہ سوسائٹی کے ایک گھناؤ نے رخ کو بے نقاب کرتی ہے۔ ابن صفائی نے اس سے قبل بھی مختلف صورتوں میں ان تین حقیقوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو ہمارے معاشرے میں اپنی غلطاتوں کے ساتھ گھس آئی ہیں اور جنہوں نے زندگی کا چہرہ سخ کر کے رکھ دیا ہے۔ چوری، ڈیکیتی، اغوا اور اسی طرح کے جرام پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن آج کی زندگی نے تیش پندی اور سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے کچھ ایسی چیزوں بھی شامل کر دی ہیں جو بہت ہی انوکھے اور بے رحمانہ جرام کا سبب بن جاتی ہیں۔ آج کا مجرم زیادہ چالاک ہے۔ اسی لئے وہ پردے کا شکاری بن کر شکار کھلتا ہے۔

”سرخ دائرہ“ ایسی ہی حقیقوں کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ بینکوں کے ڈاکو، تجویزوں کے نقاب زن اور اسی قماش کے مجرم آپ کو ملیں گے اور ان کا ماحول ہے ہوٹلوں کی زندگی، ریس کے میدان اور اوپنی سوسائٹیوں کی عیاشی! ان میں کچھ ایسے بھی ”شریف آدمی“ ہیں جنہوں نے فلاسفوں کے نام پر اپنے نام رکھ چھوڑے تھے؟ کیوں؟ اسکا جواب کوئی بھی نہ دے سکا۔ یہ ایک بھی انک طفر تھا۔

اس میں اپنے پرانے، جملائے ہوئے نکست خورده آصف سے ملے۔ اس کی جملہ ہے دوسروں کے قہقہوں کا سبب بن جاتی ہے۔ اس میں ایک سراغ رسانی ”عورت“ بھی ہے اور آپ سوچ سکتے ہیں کہ اگر ”عورت“ کے ساتھ حمید کو تفتیش کا موقع مل جائے تو اس کا کیا عالم ہوگا۔

اس کہانی میں کھوج، واقعات کی تفتیش، چھان بین کے طریقے اور سراغ رسانی کے جدید انداز کا بہت دلچسپ تذکرہ ہے اور ابن صفائی کا یہی آرٹ ہے کہ وہ ہمیشہ ہر بار، ہر کہانی میں اپنے قارئین کے سامنے ایک نئی دنیا پیش کرتے رہتے ہیں۔ پبلشر

## دھمکی

یہ مینگ ملکہ سراغ رسانی کے پرشنڈنٹ کی صدارت میں ہو رہی تھی۔ ملکے کے بہترین اور بدترین دماغ دہان موجود تھے۔ ان میں کرنل فریدی بھی تھا لیکن ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے اس مینگ سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ اس کی نظر تو تقریر کرتے ہوئے پرشنڈنٹ کے چہرے پر تھی مگر ذہن کہیں اور تھا۔ ویسے اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار ضرور تھے۔

”یکپیٹن حمید..... ایکپیٹن آصف اور لیفٹینٹن سنگھ کے درمیان بیٹھا ہوا نئی لیڈی ایکپیٹن مس ریکھالاہن کو گھوڑا رہا تھا۔ یہ ایک عسائی لڑکی تھی۔ پہلے زندہ پولیس فورس میں تھی۔ پھر ابھی حال ہی میں ملکہ سراغ رسانی میں منتقل کر دی گئی تھی اور فریدی نے اس کے متعلق پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ذہانت کے معاملے میں کئی سینٹر ایکپیٹنوں پر بھی سبقت لے جائے گی۔ حمید کو اس کے ہونتوں کی تراش بہت پسند تھی۔ عورتوں کی ذہانت سے اسے آج کل کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ قوف سے یہ قوف عورت ہیں اگر حسین ہو تو ہزاروں افالاطنوں پر حکومت کر سکتی ہے۔ لہذا ذہانت کی وجہ سے کسی عورت کو کریڈٹ دینا ہمیں بے مائیگی کا سب سے بڑا

سپرنندٹ نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ فریدی کی عادت ہی کچھ اسی قسم کی تھی کہ وہ اپنے دخنوں کو بھی خوش ہونے کا موقع نہیں دیتا تھا۔

”دیکھا آپ نے۔“ انپکٹر مکرم جی نے فریدی کی طرف جھک کر کہا۔

”میرے اکثر ساتھیوں کو شکایت ہے کہ انہیں کام کرنے کے لئے بہت کم موقع نصیب ہوتے ہیں۔“

اس نے خاموش ہو کر خاص طور سے فریدی کی طرف دیکھا۔ لیکن اب فریدی جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے اس نے سپرنندٹ کا یہ جملہ سنائی تھا۔

سپرنندٹ پھر بولا۔ ”میری خواہش ہے کہ یہ کام کسی ایک کی بجائے کئی افراد کی ایک پارٹی کے پر کروں۔“

”جس کا سربراہ کسی لکھن پاز کو بنایا جائے۔“ حمید آہستہ سے بولا اور انپکٹر آصف اسے خونخوار آنکھوں سے گھوکر رہ گیا۔ البتہ دوسری طرف بیٹھا ہوا لیفٹینٹ سنگھے بے اختیار سکرا پڑا۔ ”یہ پارٹی.... انپکٹر آصف کی قیادت میں کام کرے گی۔“ سپرنندٹ نے کہا۔

”آہم....!“ حمید نے لیفٹینٹ کو آنکھ ماری۔ ”پارٹی کے دوسرے ممبروں کے نام ہیں۔“ سپرنندٹ نے کہا اور پاپ کا ایک طویل کش لے کر دھوکا نکالتا ہوا بولا۔ ”انپکٹر جاوید، لیفٹینٹ سنگھ، مس لارسن اور سب انپکٹر توری۔“ پھر کمرے میں نشانا طاری ہو گیا۔

ریکھا لارسن نکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فریدی کے چہرے پر بڑی بثاشت تھی۔

ایک بار انپکٹر آصف نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ فریدی کی عادت ہی کچھ اسی قسم کی تھی کہ وہ اپنے دخنوں کو بھی خوش ہونے کا موقع نہیں دیتا تھا۔

ثبوت ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوتی ہے تو ذہانت سے کام لینا ہرگز نہیں جانتی۔

مگر اس میٹنگ کا مقصد ریکھا کے حسن کے متعلق اظہار خیال کرنا نہیں تھا۔ یہ لوگ ایک اہم مسئلے پر غور کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ شہر میں پچھلے چند ماہ سے کچھ اس قسم کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ جزویت کے اعتبار سے قصہ کہانیوں والے جرائم سے کسی طرح کم نہیں تھیں۔ ان وارداتوں میں قتل بھی تھے اور ڈاکے بھی۔ چوریاں اور اغوا کے کیس بھی۔ خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایک عی گروہ کی حرکت ہے اور اس خیال کا محرك تھا سرخ دائرہ!

”سرخ دائرہ“ سپرنندٹ حاضرین کو خاطر کر کے کہہ رہا تھا۔ ”آپ جانتے ہیں کہ اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی ہیں ان میں ہمیں سرخ سے دائرے سے ضرور دوچار ہوتا ہے۔

ہے۔ سرخ دائرہ! آپ اس کی نوعیت سے واقف ہیں۔ اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ یہ لوگ پرانے اور عادی قسم کے مجرم نہیں ہیں! بلکہ یہ نوشتوں مگر پڑھے لکھے لوگوں کا گروہ ہے۔ جس

نے پولیس اور پلیک کو خوفزدہ کرنے کے لئے سرخ دائرے کا ڈھونگ رچایا ہے۔ ورنہ ایسی چیزیں صرف جاسوسی ناولوں اور کہانیوں ہی تک محدود ہیں۔ ابھی تک یہ لوگ پکڑے نہیں جائے۔ بلکہ ان کا نشان نکل نہیں مل سکا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم ان کے معیار سے بلند ہو کر سوچنے کی

کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں یہ سرخ دائرہ درغلاتا ہے۔ ہمارے ذہن میں کسی بہت عی منظم قسم کی دہشت پسند پارٹی کا تصور ابھرتا ہے۔ لہذا ہم اسی کی مناسبت سے اپنا طریق کا متعین کرتے ہیں۔ ہمیں دراصل خرگوشوں کا شکار کرنا ہے لیکن ہم ہاتھیوں کے شکار کا سامان لے کر نکلتے ہیں۔

دراصل خرگوش کے شکار کا ہمیں خیال نکل نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ جب ہم ہاتھیوں کے لئے نکلیں گے تو خرگوشوں پر ہماری نظریں ہی نہ پڑیں گی۔ غالباً آپ لوگ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ بہرحال میں یہ چاہتا ہوں کہ اب یہ قضیہ ختم ہو جائے تو بہتر ہے۔ معاملہ اب سول پولیس کے ہاتھوں سے نکل کر ہم نکل آ گیا ہے۔“

سپرنندٹ اپنا پاپ سلاگانے کے لئے خاموش ہو گیا۔ حمید نے مرکر فریدی کی طرف دیکھا جس کے ہونتوں پر ایک لمحہ می مسکراہٹ پھیل رہا تھا اور وہ اب بھی سپرنندٹ عی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

عمارت میں مقتول کے علاوہ آٹھ افراد اور بھی تھے۔ لیکن وہ سب رات بھر بے خبر سوتے رہے تھے۔ لاش صبح آٹھ بجے دیکھی گئی۔

خواب گاہ میں چاروں طرف اپتری نظر آری تھی۔ شائد ہی کوئی چیز اپنی پچھلی حالت میں رہی ہے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں خاصی ہڑ بونگ ہوئی ہو گئی لیکن اس کے باوجود بھی برابر کے کمرے میں سونے والی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ وہ مقتول کی لڑکی تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ بہیشہ بھی نیند سوتی ہے۔ اگر کوئی بچوں کے مل چلتا ہوا بھی اس کی قریب سے گذر جائے تو اس کا جاگ پڑنا لازمی ہو گا۔

انسپکٹر آصف کی پارٹی بڑے انہاک سے لاش اور کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ لیکن خود انسپکٹر آصف دور کھڑا انہیں اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے سکول ماشر نے اپنے کچھ شاگروں کو حل کرنے کے لئے کوئی سوال دیا ہو اور اب ان کے جوابات کا منتظر ہوں۔ ریکھا کے علاوہ سب لوگ لاش کے پاس سے ہٹ کر دوسرا چیزوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ریکھا لاش کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ خصوصیت سے مرنے والے کا بیان ہاتھ اس کی توجہ کا مرکز تھا۔

آصف پہلے ہی لاش کا جائزہ لے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد ریکھا لاش کے پاس سے ہٹ کر آصف کے قریب آگئی۔

”آپ کا کیا خیال ہے؟“ اس نے آصف سے پوچھا۔

”نہیں میں ریکھا۔“ آصف سر ہلا کر مسکرا یا۔ ”پہلے آپ سب لوگ کسی ایک رائے پر تفق ہو جائیے، پھر میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔“

ریکھا نے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی۔

تحوڑی دیر بعد وہ سب ایک بات پر تفق ہو گئے۔ یعنی حملہ آور کی تھے۔ انہوں نے مقتول کو سوتے سے اٹھایا اور پھر کافی جدوجہ دے کے بعد وہ اس پر قابو پا سکے۔ پھر اسے فرش پر گرا کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ تفہونے والوں میں ریکھا بھی تھی۔ لیکن اس نے ایک چیز کی طرف سب کی توجہ مبذول کرائی جیسے شائد وہ سب نظر اندازتی کر گئے تھے۔

”ہاں آں....!“ مجھے خرگوش کے شکار سے کوئی دیکھی نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں ان حضرت کا شکر گزار ہوں۔“

پھر پرشنڈنٹ نے طریقہ کار کے متعلق بحث چھیندی۔ اس میں زیادہ تر وہ لوگ حصے لے رہے تھے جن کے ناموں کا اعلان کیا گیا تھا۔

اچانک پرشنڈنٹ نے فریدی کو خاطب کر کہا۔

”کتنی فریدی! کیا آپ گفتگو میں بھی حصہ نہ لیں گے۔“

”اوہ....!“ فریدی ایک بلکل سی مسکراہست کے ساتھ بولا۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے خرگوشوں کے شکار کا تجربہ نہیں۔“

”ہم.... خیر....!“ پرشنڈنٹ دوسری طرف خاطب ہو گیا۔ اگر اس کا میں چلتا تو اس جواب پر فریدی کی بوٹیاں اڑا دیتا۔

یہاں کئی لوگوں کے چیزوں سے کبیدہ خاطری ظاہر ہو رہی تھی لیکن وہ خاموش تھے۔ البتہ فریدی کے اس جواب نے انہیں کسی حد تک خوش ضرور کر دیا تھا۔

”اب یہاں ہمارے بیٹھنے کی ضرورت نہیں کیا ہے۔“ کمرجی نے فریدی سے کہا۔

”وہاں... مسٹر مکرجی۔“ فریدی بولا۔

کمرجی نے اسامنہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔



دوسری یعنی صبح ان پانچ افراد کو ایک نئے کیس سے روچا رہنا پڑا۔ یہ کنگس لین کے ایک متمول آدمی کی لاش تھی جس کی آنٹی بیٹ سے نکل کر فرش تک لٹک آئی تھیں اور اس کے قریب ہی فرش پر سرخ دائرہ موجود تھا جسے بنانے کے لئے سرخ رنگ کی چاک استعمال کی گئی تھی۔ قل زور و اسکوارز میں ہوا تھا اور لاش خواب گاہ میں پائی گئی تھی۔

”مقتول کے بائیں ہاتھ کی اٹلیاں۔“ اس نے کہا۔ ”ان کے سروں پر سرفی نظر آری ہے۔ صرف چھوٹی انگلی پر سرفی نہیں ہے۔ اب بتائیے آپ حضرات کیا کہیں گے۔ کیا واضح طور پر یہ اس کا اشارہ نہیں ہے کہ ہمارے فیصلہ میں پکھ گز بڑ ہے۔“

لیفینٹ گھنے جھک کر اس کی انگلیوں کو چھوا اور سرفی اس کی انگلیوں میں چھوٹ آئی۔ پھر اس کا موازنہ دائرے کی سرفی سے کرنے کے بعد اس نے کہا۔ ”بے شک مس ریکھاٹھیک کہہ رہی ہیں۔“

”پھر....!“ آصف نے سوال کیا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو دیہ دا زمیر محسوس نے کسی خاص مقصد کے تحت اسکی انگلیوں میں رنگین چاک کے نشان ڈالے ہیں، یا پھر وہ پاک مقتول کے ہاتھ میں بھی رہی ہے۔“

ریکھا خاموش ہو کر پھر لاش کی طرف دیکھنے لگی۔

”ہو گا.... دونوں ہاتھیں ہو سکتی ہیں۔“ آصف نے لاپرواں سے کہا۔

”لیکن ہمیں اس چیز کو سرسری نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔“ ریکھا بولی۔

”مس ریکھا، کیا آپ اسے کلیو کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہیں۔“

”جی ہاں.... میں تبی محسوس کر رہی ہوں۔“

”اچھا تو آپ محسوس کیجئے۔ بقیہ لوگ کام کریں گے۔“ آصف نے لنج سے لبھ میں کہا۔

”ویسے اگر آپ فریدی کے ساتھ کام کرتیں تو اسے بڑی خوشی ہوتی۔ کیونکہ وہ بھی عالم محسوسات کا بادشاہ ہے۔“

آصف کے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کا یہ جملہ بہت گراں گز را اور تو سب خاموش ہی رہے لیکن لیفینٹ نگہ اکھڑ گیا۔

”آصف صاحب! آپ جھک مارتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کی بھی رائے کا آپ مٹھکہ نہیں اڑ سکتے۔“

”اپنا لجھ ٹھیک کرو۔“ آصف غرامیہ میں پاری کے لیڈر کی حیثیت رکھتا ہوں۔“

”یا رآصف! تمہیں تو سیاہی پارٹی کا پلڈر ہوتا چاہئے تھا۔“ انپکٹر جاوید نے کہا۔ انہوں

ذہانت سے زیادہ رشک وحدت کے داؤ بیچ کام آتے ہیں۔“

بات آگے نہیں بڑھ سکی کیونکہ سراغِ رسانی کے فوٹو گرافر اپنے سازو سامان سمیت وہاں پہنچ گئے تھے۔

بہر حال ریکھا بے تعاقانہ انداز میں ان سب کی کاروائیاں دیکھتی رہی۔ آصف کی بات اسے ٹاگو اگر زری تھی اور اس نے تمہیر کریا تھا کہ آصف کو نیچا دکھائے بغیر نہ رہے گی۔ آصف اس وقت ایک کھڑکی سے نیک لگائے کھڑا فوٹو گرافروں کو دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور دوسری طرف بارجہ تھی۔ یہ کرہ دراصل دوسری منزل پر تھا اور بارجہ دوسرے کمروں کے سامنے تک پھیلا ہوا تھا۔

اچاک آصف اچھل کر آگے کی طرف رہت گیا۔ پھر کھڑکی کی طرف مڑ کر اپنی پیٹھ تھپٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی پیٹھ پر ریکٹے ہوئے کسی مکوڑے کو جھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں ریکھا کی آنکھیں حیرت سے بچھل گئیں کیونکہ شارک اسکن کے سفید کوٹ پر سرخ رنگ کا دائرة بہت نمایاں تھا اور کچھ دری پہلے وہ دائرة آصف کی پشت پر ہرگز نہیں تھا۔ ورنہ وہ پہلے ہی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔

رنگ رفتہ سب نے اسے دیکھ لیا لیکن آصف کو اس کی خوبی نہیں تھی۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے دوسروں کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”سرخ دائرة۔“ انپکٹر جاوید نے کہا۔

”کیوں بکواس کرتے ہو۔ یا راپنا کام کرو۔“ آصف جھنجلہ گیا۔ انپکٹر جاوید اس کے پرانے ساتھیوں میں سے تھا اور قریب قریب ہم عمر بھی۔

”تمہاری پشت پر سرخ دائرة موجود ہے۔“ جاوید نے سنجیدگی سے کہا۔ پہلے تو آصف کچھ سمجھا تھا نہیں پھر اچاک اسے اس مکوڑے کا خیال آگیا جو اسے اپنی پشت پر ریکٹا محسوس ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے کوٹ اتار ڈالا۔ دائرة اسی رنگ کی چاک سے بنایا گیا تھا جس رنگ کی چاک اس کمرے کے فرش والے دائے میں استعمال کی گئی تھی یا جس کے دھبے مقتول کی

انگلیوں پر ملے تھے۔

آصف کوٹ کو دہیں چھوڑ کر بارجے پر دوڑنے لگا۔ پھر دوسرے لوگ بھی بارجے پر آگئے۔ آصف کی پشت پر دائرہ کس نے بنایا تھا۔ یا انہی کوششوں کے باوجود بھی نہ معلوم ہو سکا۔ اب آصف نے لاش کو تو چھوڑ دیا تھا اور ایک ایک کی جامہ تلاشی لیتا پھر رہا تھا کہ شاید کسی کے پاس سے سرخ چاک برآمد ہی ہو جائے۔ ساری عمارت الو پلٹ ڈالی گئی لیکن رلنگن چاک کا نکلا بھی کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا۔

ریکھا آصف کی بدھواییوں پر غصتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ خلی منزل کے کمرے میں دوبارہ اکٹھے ہوئے۔ آصف غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

”فریدی کو یہ حادثہ کہی پیش نہ آتا۔۔۔ ناتم نے۔“ جاوید اس کے چہرے کے قریب انگلی پخاکر بولا۔

”جاوید! تم جد سے بڑھ رہے ہو۔“ آصف غرایا۔ ”میں اس قسم کی جاہلانہ بے تکلفی قطعی پسند نہیں کرتا۔“

”فریدی کی بات آپ کہاں سے لے بیٹھے جاوید صاحب۔“ لیفٹینٹ سگھنے کہا۔ ”شہر کا بڑے سے بڑا معاش اس کے نام سے تھرا تھا۔“

”ہم یہاں غبیں ہاٹکے کے لئے نہیں آئے سمجھے آپ لوگ۔“ آصف جھلا گیا۔

”ٹلاشیوں میں وقت برپا کرنے آئے ہیں۔“ جاوید نے کہا۔ ”اچھی بات ہے۔“ آصف غرایا۔ ”میں خود سے انچارج نہیں ہوں بلکہ ایک اعلیٰ آفیسر نے یہ خدمت میرے پردازی ہے۔“

”ہمیں اس سے انکار کب ہے مسٹر آصف۔“ لیفٹینٹ سگھنے میںے پہاڑ رکھ کر کہا۔ ”ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے مستعد ہیں۔ کچھ کہنے بھی تو....!“

”میرا خیال ہے کہ....!“ ریکھا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔

”نہیں کچھ نہیں....!“ ریکھا سر ہلا کر بولی۔ ”میں اپنا خیال نہیں ظاہر کرنا چاہتی۔“

”اس کے لئے میں شکر گزار ہوں۔“ آصف اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

اس بار اس کا لہجہ قابل اعتراض تھا۔ لیکن ریکھا چپ چاپ اسے بھی برداشت کر گئی۔

البتہ دوسرے پھر آصف پر برس پڑے۔

اور سراغِ رسانی کی یہ نیم مل مکوں کے طباء کی کوئی جماعت معلوم ہونے لگی۔ جب آصف کا غصہ بہت بڑھ گیا تو اس نے بالکل خاموشی اختیار کر لی۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح انہوں نے واردات کے متعلق ایک چھوٹی سی رپورٹ مرتب کی اور لاش کوہاں سے اٹھوادیئے کے بعد عمارت سے نکل آئے۔

لیکن آصف کے لئے ایک دوسرا جھٹکا باہر بھی موجود تھا۔ جب وہ اٹھنے ویگن میں بیٹھ رہے تھے انہیں اس کے فرش پر دوسرا سرخ دائرہ دکھائی دیا جس کے درمیان میں کاغذ کی ایک چٹ چپا تھی اور چٹ پر ناپ کے حروف میں تحریر تھا۔

”آصف! تم زندہ رہو گے، لیکن زندگی سے بیزار..... یہ ہمارا فیصلہ ہے!“

## پانچ شریف آدمی

محمد بڑی دیر سے فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

”آپ کی سخت توہین ہوئی ہے جتاب.... آپ نامیں یاد نہیں۔“

”چلو... ختم بھی کرو۔“ فریدی بیزاری سے بولا۔

”میں تو کبھی ختم نہیں کر سکتا۔ خواہ خود ہی ختم ہو جاؤں.... آہا.... مگر وہ ریکھا۔ مجھے اس کی بہت فکر ہے۔“

”کیوں؟...؟“

”ان بور قسم کے آدمیوں میں رہ کر اسے تپ دق ہو جائے گا۔“

”ھکھکو یہاں سے۔ کیا تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے۔“ فریدی بڑا بڑا۔ وہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ حمید کسی طرح مل جائے۔ مگر حمید پر ریکھا سوار تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ فریدی سے بڑی عقیدت رکھتی ہے۔ لہذا فریدی کو چاہئے کہ اسے ضرور لافت دے۔ حمید پتوں کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔ کس طرح فریدی کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ریکھا سے خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم کسی کا وزینگ کارڈ لایا اور فریدی نے کارڈ اسے واپس کرتے ہوئے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”بٹھاؤ۔“

”کون ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”ریکھا...!“ فریدی نے اکتا کہ کتاب بند کرتے ہوئے کہا اور کرسی سے اٹھ گیا۔

”واہ.... کیا بات ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی خاص بات لے کر آئی ہوگی۔ لہذا استدعا ہے کر...!“

فریدی کمرے سے نکل گیا۔ حمید جملہ پورانہ کر سکا لیکن وہ یہاں خبر تو نہیں سکتا تھا۔ شاید پندرہ یا بیس دن سے اس نے کسی لڑکی سے گفتگو نہیں کی تھی اور اس نے یہ پندرہ یا بیس دن اس طرح گذارے تھے جیسے کسی لاق و دق ریگستان میں تھا چھوڑ دیا گیا ہو۔

ڈرائیکٹر دم میں فریدی اور ریکھا موجود تھے۔ ریکھا فریدی سے کہہ رہی تھی۔ ”انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ اگر آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں تو میں بہت مشکل ہوں گی۔“

حمد خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور یہ صوفہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر تھا۔

”یقیناً شوق سے... کہئے۔“ فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔

ریکھا نکس لین والی واردات اور آصف کی پارٹی کی تحقیقات کے متعلق بتانے لگی۔ فریدی غور سے اسے ستارا ہا، بھی بھی وہ اسے روک کر ایک آدھ سوال بھی کر لیتا تھا۔

پھر ریکھا داستان کے اس حصہ پر پہنچی جہاں سے رنگیں چاک بھری انگلیوں کا واقعہ شروع ہوتا تھا۔ یک بیک فریدی سنبھل کر بیٹھ گیا اور ریکھا نے بھی اس میں یہ تبدیلی محسوس کر لی۔ وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیان کر رہی تھی اور حمید اس کے ہونٹوں کے زاویے ناپ رہا تھا۔

تو سوں پر قربان ہو رہا تھا۔

”داہنا ہا تھ صاف تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں...!“

”اچھا! کیا ساری انگلیوں میں چاک بھری ہوئی تھی۔“

”جی نہیں، چھوٹی انگلی بے داغ تھی۔“

”خوب.... اچھا پھر۔“

پھر آصف کے کوٹ پر بستے ہوئے دائرے کا تذکرہ چھپر گیا۔

”واہ.... یہ بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی بڑا بڑا۔ ”جی تھے یہ لوگ بہرام اور آرسن پن دغیرہ کے کارنے سے دہرا رہے ہیں۔“

”جی نہیں.... بلکہ ایک دائرة اسٹیشن ویکن میں بھی ملا جس کے درمیان میں ایک سلپ چپا تھی اور اس پر تحریر تھا۔“ آصف تم زندہ رہو گے لیکن زندگی سے بیزار، ہمارا فیصلہ ہے۔

”واہ...!“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”اس بات پر تو ان لوگوں کی عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔“ ریکھا حمید کی طرف دیکھ کر بڑی اور حمید کا دل چاہا کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنی گردن ادھیز ڈالے۔

”یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ پھر بلند آواز میں پوچھا۔

”کیا تحریر باتھ کی تھی؟“

”جی نہیں ٹاپ۔“

”چالاک ہیں، اچھا پھر.... آصف کا کیا خیال ہے۔“

”خیال سے تو آصف کو دشمنی ہے۔“ ریکھا مسکرا کر بولی۔ ”نہ تو وہ کوئی ذاتی خیال رکھتے ہیں اور وہ کسی دوسرے کے خیال کو خاطر میں لا تے ہیں، میں انھیں سمجھنے نہیں سکی۔“

ریکھا نے اتنا ہی کہا، اپنی اور آصف کی گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا۔

”یعنی، انھیں نکل آپ لوگ اس کیس کے متعلق کوئی رائے نہیں قائم کر سکے۔“

”جی نہیں.... اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ سرخ دائرة....!“

ریکھا بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔  
 ”انگلوں کے نشانات کی تلاش تو ضرور ہوئی ہو گی۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔  
 ”لیفٹینٹ نگر نے اس سلسلے میں کچھ کام کیا ہے۔ لیکن وہاں متول کی انگلوں کے علاوہ  
 اور کسی دوسرا ناپ کے نشانات نہیں ملتے۔“  
 ”کیا متول شب خوابی کے لباس میں تھا۔“  
 ”جی ہاں....!“  
 ”بتر کی کیا حالات تھی۔“  
 ”بن یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کو سوتے سے زبردستی اٹھایا گیا ہو۔“  
 ”ہوں....!“ فریدی سرہلا کر بولا۔ ”اچھا متول کے بارے میں آپ لوگوں کی معلومات  
 کیا ہیں۔“  
 ”وہ ایک دولت مند آدمی تھا۔ ماضی قریب، میں اس کا کسی سے کوئی بھگڑا نہیں ہوا تھا۔  
 اس نے اپنے بعد تین لاکیاں چھوڑی ہیں۔ یوں پہلے ہی مر چکی تھی۔“  
 ”اس کا اٹھنا بیٹھنا کن لوگوں میں تھا۔“  
 ”اوہ، ابھی شاید اس کا علم پارٹی کے کسی فرد کو نہ ہو!“  
 ”بھروسوں کے داٹھے اور فرار کے راستوں کا پتہ تو چل ہی گیا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔  
 ”محظے علم نہیں ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں کیا کیا؟“ ریکھابوی۔  
 ”آخری بارے کس نے زندہ دیکھا تھا۔“  
 ”اس نو کرنے جورات کو اس کی واپسی کا انتظار کیا کرتا تھا۔“  
 ”گویا وہ بچھل رات گھر سے باہر بھی رہا تھا۔“  
 ”جی ہاں.... تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس کی واپسی ہوئی تھی۔“  
 ”ڈاکٹر کی لاش کے متعلق کیا رائے ہے۔“  
 ”وقتیں ایک اور دو کے درمیان ہوا تھا، تین ڈاکٹر اس بات پر تلقن ہیں۔ صرف ایک کی  
 رائے ہے کہ قتل بارہ بجے سے پہلے ہوا ہو گا۔“

”نہیں....!“ فریدی بات کاٹ کر بولا۔ ”یہ ضروری نہیں ہے کہ اس واردات میں انہی  
 لوگوں کا ہاتھ ہو، کوئی دوسرا بھی سرخ دائرے کی وباء سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“  
 ”جی ہاں.... یہ بھی ممکن ہے۔“  
 ”اچھا تو آپ چاہتی کیا ہیں۔“  
 ”میں اپنے طور پر اس کی تیقش کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ کبھی  
 کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ میں تو آپ کے طریق کار پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں نے  
 جو کچھ بھی سیکھا ہے، آپ ہی سے سیکھا ہے۔“  
 ”ہاں میں....!“ حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”اور میں اب تک اس سے ناقص رہا۔“  
 ”اوہ.... آپ غلط سمجھے۔ ریکھانے بلدی سے کہا۔“ میں کائل صاحب کے کیسوں کی  
 روپرٹیں بہت غور سے پڑھتی رہی ہوں۔“  
 ”تو پھر اب باقاعدہ شاگرد ہو جائیے تا۔“ حمید گلستانیا۔  
 ”فضول باتمیں نہ کرو۔“ فریدی جھلا کر اس کی طرف مڑا۔  
 ”یہ میرا نیک مشورہ تھا۔“ حمید نے سعیدگی سے کہا اور دیوار سے گلی ہوئی ایک پینٹنگ کی  
 طرف دیکھنے لگا۔  
 ”بہر حال میں ریکھا، سب سے پہلے آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ قتل ہوا کیسے۔ اسی پر غور  
 کرنے سے ممکن ہے، کوئی کلیوبھی ہاتھ آجائے۔“  
 ”قتل بڑے عجیب حالات میں ہوا ہے۔ کمرے میں ساری چیزیں اٹھ پڑی تھیں اور لاش  
 فرش پر تھی۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ متول پر کافی جدوجہد کے بعد قابو پایا جا سکا ہو گا۔  
 مگر ایسی کش کش خاموشی سے نہیں ہو سکتی۔ الماریوں کا گرنا، سنگار میز کا الٹنا، مگر اس کی لڑکی جو  
 برابر ہی کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی اٹھیتیاں سے رات بھروسی رہی۔ وہ کمرہ دوسرا منزل پر  
 تھا۔ ٹھیک اس کمرے کے نیچے والے کمرے میں بھی اسی خاندان کے کئی افراد موجود تھے۔ لیکن  
 چھت پر وزنی الماریوں کے گرنے سے انکی نیند میں خلل نہیں پڑا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔“  
 ”ہاں.... آس.... آپ ٹھیک راستے پر جا رہی ہیں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”بہر حال دون مختلف رائے میں ہیں، خیر.... اچھا مس ریکھا۔ میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ ویسے میں آپ کی ذہانت کا مترف ہوں۔“

”یہاں آپ غلطی پر ہیں۔“ حمید بول پڑا۔ آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے آپ سے بھی پہلے ان کی ذہانت کا اعتراف کیا تھا۔“

”آپ حضرت کی ذرہ نوازی کا شکریہ۔ میں تو بہر حال طفل مکتب ہوں۔“ ریکھانے کہا۔ ”اور مس ریکھا۔“ فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے وہ کسی ایک عی بات پر عرصہ سے بولتا رہا ہو۔ انگلیوں پر چاک کے دھبے۔ یہ بہت اہم ہیں۔ یقیناً ایک کلیو آپ کے ہاتھ آ گیا ہے۔ ”لیکن اسی طرح جیسے کوئی کار آمد چیز ہاتھ آ جائے.... لیکن میں اس کے استعمال سے واقف نہ ہوں۔“

”فلکرنے کیجئے۔ بعض اوقات چیزوں کا غلط استعمال ہی طریقہ استعمال سمجھا دیتا ہے۔ کل میں آپ کو اس کلیو کے متعلق کچھ بتا سکوں گا۔“



مشیش محل کے پانچ بیس فلیٹ میں پانچ شریف آدمی ایک گول میز کے گرد بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ خوش پوش اور شاستہ صورت آدمی شریف ہی کھلا تے ہیں۔ لہذا جب تک انہوں نے گفتگو نہیں شروع کی اس وقت تک شریف ہی معلوم ہوتے رہے، لیکن اس گفتگو کے باوجود بھی اس کی ذات سے لفظ ”شریف“ علیحدہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کی حقیقت یہ تھی کہ پانچ آدمیوں کی اس نوئی کا نام ”جھنڈ فائیو“ یعنی پانچ شریف تھا۔ اور ان سے جرام کے علاوہ اور کسی قسم کی شرافت آج تک نہیں سرزد ہوئی تھی۔ ان کے چہرے فلاںزوں اور پروفیسرزوں میں تھے۔ ان کی آنکھیں ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہتیں۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے یہ اس ظیم کائنات کا کوئی عظیم ترین عقدہ حل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

”ہم میں سے وہ مسخرہ کون ہے۔“ دھنٹا ان خاموش آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر اپنا سوال دہرایا اور ایک آدمی بولا۔

”ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔“

”پھر کیا فرشتے سرخ دارہ باتے ہیں۔“

”کوئی بھی بتاتا ہو..... لیکن ہم میں سے کسی کو کیا پڑی ہے۔“ دوسرے آدمی نے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا اور وہ صرف سر ہلا کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں اس وقت بھی سوچ میں ڈوبی ہوئی ہی معلوم ہو رہی تھیں۔

”پھر مجھے بتاؤ تاکہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہم نے آج تک جتنی بھی تجویزیاں توڑی ہیں ان پر صحن کو پولیس نے سرخ دارے ضرور دریافت کئے ہیں۔ لیکن کیا ہم نے کبھی کوئی قتل بھی کیا ہے۔“

”کبھی نہیں۔“ چاروں آدمی یک زبان بولے۔

”لیکن بعض لاشوں کے قریب بھی یہ دائرے پائے گئے ہیں۔“

”آخر یہ ہے کون، ہم میں سے کوئی اس قسم کی حرکت کرنے ہی کیوں لگدی یہ تو کوئی ایسا آدمی معلوم ہوتا ہے جو ہمیں چھانی کے تنخے پر دیکھنا چاہتا ہے۔“

”مگر کون....؟ ہمیں کون جانتا ہے۔ جبکہ ہم خود بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ ہم ایک دوسرے کے نام تک سے ناداوقف ہیں۔ ایک دوسرے کی قیام گاہیں ہمیں نہیں معلوم۔“

”آہا.... کتنی عجیب بات ہے۔ کتنی عجیب۔“

”اور ہم نے کبھی اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ ہم ایک دوسرے سے مل کر طرح تھے۔“

”مگر ہمیں کم از کم اس پر غور تو کرنا چاہئے۔“

”سب سے پہلے ہم دونوں ملے تھے۔“ ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”دوسرے نے سر ہلا کر اس کی تقدیم کی۔“

”کیفے جبراں کی میزنبُر تیرہ ہمارے لئے یاد گارحیثیت رکھتی ہے۔ آج بھی اس پر ہمارا بخت ہے۔ وہ ہمیشہ مخصوص رہتی ہی۔“

خود سے کسی کو نمبر بتانا... میں نے اس دن اپنی ساری پونچھی تیرہ نمبر پر جھوک دی اور جب میں وہاں سے واپس ہوا تو پچاس ہزار کامالک تھا۔ اگلی ریس پر اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ لہذا میں نے اس دن ریس کو رس میں قدم بھی نہیں رکھا۔ اس کے بعد والی ریس کے موقع پر وہ پھر ملا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جواب میں اس نے مسکرا کر کہا کہ اب تم ہمیشہ مجھے پریشان کرتے رہو گے۔ میں نے کہا آپ کی عنایت ہو گئی۔ بولا..... کوواس ہے۔ ویسے تمہاری تقدیر "ک ج" کی تیرھویں میز پر چک سکتی ہے۔ لیکن وہاں بیٹھ کر تم سب اپنی اصلاحیت چھپا دے گے۔ اگر کوئی تمہارے پاس بیٹھنا چاہے تو اعتراض نہ کرنا۔ اس سے تمہارے خواہ کتنے ہی ابھی تعلقات کیوں نہ ہو جائیں، تم اسے اپنا پتہ نشان نہیں بتاؤ گے۔ میں نے پوچھا یہ "ک ج" کیا چیز ہے۔ کہنے لگا تمہارے ستاروں کے حروف..... ان حروف سے جو جگہ بھی بن جائے، تیرہ نمبری میز بھی نہ بھولتا۔ تم تیرہ ہی نمبر کا گھوڑا بھی جیت چکے ہو۔ لیں اب کچھ نہ پوچھنا۔ ورنہ بر باد ہو جاؤ گے۔ فتح ہو جاؤ۔ لیں تو پھر دستوں میں وہاں سے چلا آیا "ک ج" کیا تلاش شروع ہوئی۔ شہر میں کیفے جران کے علاوہ اور کسی جگہ کا نام "ک ج" سے مرکب نہیں تھا اور وہاں تیرہ نمبر کی میز بھی موجود تھی۔ میں نے اسے اپنے لئے مستقل طور پر مخصوص کرالیا۔ پھر ایک ایک کر کے آپ لوگ آئے.... کیا آپ کو بھی اسی فقیر نے بھیجا تھا۔

وہ چاروں اسے تھر آلو نظروں سے گھور رہے تھے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"تم نے اپنی قسم توڑ دی۔ ہمیں اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ دوبارہ تمہاری ٹھیک نہ دکھائی دے ورنہ نتیجے کے تم خود مدد دار ہو گے اور اب کیفے جران میں بھی تمہارا قدم رکھنا موت کو دعوت دینے کے متراوف ہو گا۔ چپ چاپ انٹو اور چلے جاؤ۔"

"کچھ بھی ہو..... میں آج اپنی قسم توڑ دوں گا۔" ایک نے کہا۔ اس کے چھرے پر الجھن کے آثار تھے۔ ان پانچوں میں سب سے زیادہ پریشان یہی نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "چھلی رات گلکسن لین میں بھی ایک قتل ہوا ہے، اور وہاں بھی ایسا ہی سرخ دائرہ پایا گیا ہے، حالانکہ ہم نے گلکسن لین میں قدم بھی نہیں رکھا۔"

"ہم اس چور کو پکڑ سکتے ہیں۔" ایک آدمی نے کہا۔ "جو شروع سے اب تک کچھ بولا نہیں تھا۔"

"اس کے متعلق پھر باتیں کریں گے۔ میں فی الحال اپنی قسم توڑ نے جا رہا ہوں۔"

"قسم... تو کیا... یعنی...!" ایک آدمی ہکلا کر بولا۔ بقیہ تین بھی اسے حیرت سے دیکھنے لگے تھے۔

"میں آپ لوگوں کو اپنے متعلق سب کچھ بتاؤں گا۔"

"لیکن ہم اپنی قسمیں توڑ نے پر تیار نہیں۔" چاروں بیک وقت بولے۔ پھر انہوں نے بھی ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنا شروع کر دیا۔ جیسے غیر متوقع طور پر اپنی زبانوں سے ایک ہی جملہ نکلنے پر انہیں تعجب ہو۔

"آہا... تب تو یہ معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا۔" قسم توڑ نے والا بولا۔

ان چاروں نے اس پر کسی قسم کا سوال نہیں کیا۔ اگلی آنکھیں پھر سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

"مجھے ایک فقیر نے کیفے جران کی تیرھویں میز پر بھیجا تھا۔" قسم توڑ نے والے نے کہا۔ "مجھے ریس کا چسکا ہے۔ میں ریس کھیلے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم جواری لوگ ضعیف الاعقاد بھی ہوتے ہیں۔ ریس کو رس کے باہر ایک تباہ حال فقیر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ بہت عرصے کی بات ہے۔ اب آج کل وہ نظر نہیں آتا۔ وہ اکثر لوگوں کو کامیاب ہونے والے گھوڑوں کے نمبر بتا دیا کرتا تھا۔ ایک دن جبکہ میں ریس کو رس میں داخل ہونے جا رہا تھا، اس نے خود میرا شانہ پکڑ مجھے روک لیا اور اپنی سرخ آنکھیں میری آنکھوں میں گزوتا ہوا بولا..... "تیرہ نمبر.... صرف تیرہ۔" اور پھر مجھے دا خلے کے گیٹ میں دھکیل کر دوسری طرف چلا گیا۔ لوگ اکثر اس کی منتیں کیا کرتے تھے لیکن وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا تھا، اس دن اس سے یہی حرکت سرزد ہوئی تھی۔ یعنی

اس لئے معمولی تربیت یافت پولیس اب تک ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکی تھی۔ یہ سب ایک دوسرے کے لئے بھی انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتے تھے کیونکہ ایک دوسرے سے الگ ہو جانے کے بعد ہر شریف آدمی دوسرے کے متعلق کچھ بھی نہیں جان سکتا تھا کیونکہ کسی کو بھی دوسروں کی قیام گاہوں تک کا علم نہیں تھا۔

جنتل فرست نے ایک بار پھر شیش محل کی طرف تفرماً میز نظر وں سے دیکھا جس کے پانچویں فلٹ میں وہ اپنے چاروں ساتھیوں کو چھوڑ آیا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ اپنی کار کے قریب پہنچ گیا، وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ وہ چاروں یقینی طور پر اس کا تعاقب کریں گے۔

اور پھر جب وہ کار ڈرائیور کر رہا تھا تو اس کے زانوں پر ایک چھوٹی سی رانفل رکھی ہوئی تھی اور عقب نما کا زاویہ کچھ بدل دیا گیا تھا۔ تا کہ تعاقب کرنے والوں کو نظر میں رکھا جائے۔ گمراہات کا وقت ہونے کی بناء پر اس قسم کی اختیاری تدبیر فضول ہی ثابت ہوئی کیونکہ عقب نما آئینے میں وہ صرف اپنے پیچھے آنے والی کاروں کی ہیئت لائیش ہی دیکھ سکتا تھا۔ پھر شہر کی بھری پہری سڑکوں کا کیا کہنا۔ کاروں کا تارکب ٹوٹتا ہے۔ لیکن اسے بہر حال اپنا اطمینان کرنا تھا۔ اب اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اپنی کار کو سنسان اور تاریک گلیوں میں موڑنے لگا اور تھوڑی ہی در بعد اسے یقین آ گیا کہ کوئی اس کے تعاقب میں نہیں ہے۔ اس نے گود سے رانفل اٹھا کر پیچے ڈال دی۔

جنتل فرست ایک دراز مدت آدمی تھا۔ عمر پنچتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن سر کے بال قبل از وقت صاف ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بہت جاندار تھیں اور اس سے اس کی جسمانی قوت کا اندازہ کر لیتا بہت آسان تھا۔ ایسی چیزیں آنکھیں بہت کم آدمیوں کو نصیب ہوتی ہیں۔

اس نے اپنی کار کیفے جران کے سامنے روک دی اور اتر کر سیدھا اندر چلا گیا۔ تیرہ نمبر کی میز خالی تھی اور اس پر یزو روشن کی تختی رکھی ہوئی تھی۔

وہیوں نے ہاتھ انداختا کر اسے سلام کیا۔ وہ اسے مسٹر ڈیکارٹس کے نام سے جانتے

## پہلا شریف آدمی

”جنتل فائیو“ کے پانچویں آدمی کو دھکے دے کر فلٹ سے باہر نکال دیا گیا اور اس نے سڑک پر پہنچ کر عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے پھر ایک بہت بڑی قسم کی کھانی۔ مگر اس قسم کا عقل ان چار آدمیوں کی زندگیوں سے تھا جنہوں نے دھکے دے کر اسے فائیٹ سے نکلا تھا۔

یہ پانچواں رکن جنتل فائیو کا سب سے زیادہ کار آدم آدمی تھا۔ بلند گلیوں پر چڑھنے، وہاں سے بے دریغ پیچے چھلاگ لگادینے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ مضبوط سے مضبوط تجویزیاں اس طرح اس کے ہاتھ کے ایک اشارے پر کھل جاتی تھیں جیسے وہ اسی کے انتظار میں بند پڑی رہی ہوں۔

حقیقتاً یہ جنتل فائیو کا پانچواں نہیں بلکہ پہلا آدمی تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے کیفے جران کی تیرھویں میز پر مستقل طور پر کسی کا قبضہ نہیں تھا۔ دوسرے چار آدمی ایک ایک کر کے اس کے بعد ہی اس میز پر آئے تھے اور اسی مناسبت سے وہ ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے نمبر شمار استعمال کرتے تھے۔ مثلاً یہ نکلا ہوا آدمی جنتل فرست کہلاتا تھا۔ اس طرح دوسرے جنتل یکنش، تھڑڈ، فور تکہ اور فتحہ کہلاتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ ایک دوسرے کی عادات و نصائل سے واقف ہوئے اور انہوں نے محسوں کیا کہ وہ پانچوں ایک ہی قسم کے آدمی ہیں۔

لیکن مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے۔ بس پھر پانچ آدمیوں کی ایک ٹوٹی بن گئی اور یہ بھی حقیقت تھی کہ اس طرح ان کی تقدیریں بھی جاگ اٹھی تھیں۔ یہ پانچوں تعلیم یافتہ اور اوپری سو سائیلوں میں اٹھنے بیٹھنے والے لوگ تھے اور شہر کے مختلف حصوں میں ان کی شاندار قسم کی قیام گاہیں تھیں۔ سواری کے لئے کاریں بھی کہیں ہاتھ صاف کرتے انہیں اتنا مل جاتا کہ مبیتوں عیش سے گذرتی۔ چوریوں اور ڈکیتوں کا طریقہ سانحیٹک ہوا کرتا تھا۔

”اب میرے علاوہ اور کوئی نہیں... سمجھ گئے تا آپ۔“

”آپ کے چاروں دوست بھی نہیں۔“ فیجر نے حیرت سے کہا۔

”بھی ہاں.... وہ بھی نہیں۔ آپ انہیں منع کرتے وقت میرا حوالہ دے سکتے ہیں۔“

”بہت بہتر مشرڈیکارٹس۔“

وہ پھر اس کمرے سے فیجر کے آفس میں آگئے۔ ایگلو اٹین اب بھی موجود تھی اور اب جنل فرست کو بڑی نشانی آنکھیں بنا کر دیکھ رہی تھی۔ لیکن جنل فرست کو عورتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

وہ فیجر کے کمرے سے نکل کر ہال میں آیا اور ہاں رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔

باہر اس کی کار کھڑی تھی۔ اس نے اگلی نشت پر بیٹھ کر اسٹارٹ کیا، لیکن وہ کار کو آگے نہیں بڑھاسکا۔ کیونکہ ایک ٹھنڈی سی چیز اس کی گردن سے آگی تھی۔

اس جگہ بہت سی کاریں کھڑی تھیں اور اس حصے میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ جنل فرست کو سرگھانے تک کاموں نہیں ملا۔

اس کے گلے سے خراہٹ کی آواز نکلے گئی اور وہ پشت گاہ پر گردن ڈالے ہوئے اس طرح ترپنے لگا جیسے کوئی ذبح کیا ہوا مرغ۔

چاروں طرف نائٹ کی حکمرانی تھی۔ یہ دراصل ایک گلی تھی اور یہاں اس وقت آمد و رفت نہیں تھی۔ چونکہ سڑک پر کاریں کھڑی کرنے کا حکم نہیں تھا، اس لئے یہ گلی عام طور پر کاروں سے مجری رہا کرتی تھی۔ قریب ہی ایک سینما ہاؤز بھی ہونے کی وجہ سے پارک کی جانے والی کاروں کی زیادتی ہی رہتی تھی۔

جنل فرست ترپا رہا۔ رانکل اب اس کی گود سے نیچے گر گئی تھی۔ آہستہ آہستہ خراہٹ کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں اور پھر یک بیک وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

گلی کی نائٹ کا دعی عالم رہا۔

تھے۔ حالانکہ اس کا یہ نام نہیں تھا۔ ان پانچوں نے دنیا کے پانچ مشہور فلسفیوں کے نام اختیار کر رکھے تھے۔ ڈیکارٹس، لاہیزر، اپنوزا، ہیوم، برکلے۔ پہنچنیں اس طرح وہ ان فلسفیوں کی نبی اڑانا چاہتے تھے یا کچھ اور مقصد تھا۔

جنل فرست سید حافظہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ بند دروازے پر دستک دی۔ اندر کچھ کھڑکڑا ہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کریاں اور میزیں کھسکائی جا رہی ہوں۔ پھر آواز آئی۔

”آ جاؤ....!“

جنل فرست نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ فیجر میز پر دونوں کھیاں لیکے بیجا دروازے کی طرف گھور رہا تھا۔ آنے والے کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

”آہا.... مشرڈیکی۔ آئیے آئیے۔“ اس نے کہا۔ وہ اسے ڈیکارٹس کی بجائے ڈیکی کہا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے دوست اسے ڈیکی ہی کہتے ہوں گے۔

جنل فرست کری ٹھنچ کر بیٹھ گیا اور اب اس نے دیکھا کہ کمرے میں ایک ایگلو اٹین لاکی بھی موجود ہے۔

”میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔“ جنل فرست نے لاکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ضرور ضرور.... آئیے.... میرے ساتھ۔“ فیجر نے اٹھ کر اپنی کری کھسکائی اور درسرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

دونوں کمرے میں چلے گئے۔

”تیرہ نمبر کی میز کا ریزرویشن کس کے نام سے ہے۔“ جنل فرست نے اس سے پوچھا۔

”آپ کے نام سے مشرڈیکی۔ آپ جیسا لاپواہ اور فراخ دل ریس آج تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ آپ صرف اس میز کے لئے ہیں پانچ سورپے ماہوار دیتے ہیں۔“

”اچھا تو اب اس میز کو میری عدم موجودگی میں بھی کوئی استعمال نہ کرنے پائے۔“

”ہرگز نہیں جتاب۔ وہ تو ہمیشہ خالی پڑی رہتی ہے۔“ فیجر نے کہا۔ ”اس کو صرف آپ با آپ کے احباب استعمال کرتے ہیں۔“

بے کہنے میں آیا تھا۔

”اوہ.... اچھا۔ تو میں مجھ سے گفتگو کروں گا۔“ فریدی بولا۔

جگدیش انہیں کینے جران میں لایا۔ اس نے پہلے ہی مجھ کو پابند کر دیا تھا کہ وہ اسے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہ جائے۔ جگدیش کو دیکھتے ہی وہ دلبی زبان سے اس کی نادر شاہی کے خلاف احتیاج کرنے لگا۔

”اوہ.... دیکھتے۔“ فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔ ”بات ہی ایسی ہے... صرف آپ ہی یہاں ایسے ہیں جس سے ہمیں متوال کے متعلق کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ کیا آپ اس کا نام بتا سکیں گے۔“

”نام.... جی ہاں.... مسٹر ڈیکارٹس....“

”ڈیکارٹس!“ فریدی نے حیرت سے دہرا دیا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا یہ مستقل گاہک تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ایک عجیب و غریب گاہک جاتا۔ انہوں نے تقریباً ایک سال سے تیرہ نمبر کی میز مخصوص کر رکھی تھی اور اس کے لئے وہ ہر ماہ ملنخ پانچ سورو پے ادا کرتے تھے۔“

”شاید آپ کو نیندا آرہی ہے۔“ حمید برجستہ بولا۔

”نہیں جاتا۔“ مجھ نے پھیل کی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میں جاگ رہا ہوں.... مجھے یقین ہے کہ اس پر مشکل ہی سے کسی کو یقین آئے گا۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ ہمارے کئی ویژے اسے ایک سال سے یہاں دیکھ رہے ہیں۔“

”خوب....!“ فریدی کی پیشانی پر ٹکنیں ابھر آئیں اور اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا وہ یہاں تھا بیٹھا کرتا تھا۔“

”میں نہیں، چار آدمی اور بھی ہیں اور ہاں دیکھتے۔ شاید اس سے کچھ کام پڑیں۔ گیارہ بجے مسٹر ڈیکارٹس اسی لئے یہاں آئے تھے کہ آئندہ ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔“

”کیا مطلب....؟“

”انہوں نے کہا تھا کہ کل سے ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔ جی ہاں اتنی



دوسرا شوخت ہونے پر جب تماشائی اپنی کاروں کے لئے لگی میں داخل ہوئے تو انہیں لاش کا علم ہو گیا.... اور پھر.... وہی ہوا جو ایسے موقع پر عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ اچھی خاصی سر اسی مگی پھیل گئی۔ زیادہ تر لوگ اپنی کاریں لگی سے نکال کر ہوا ہو گئے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح پولیس کو اطلاع ہوئی۔ چونکہ یہ علاقہ کو تو الی ہی کے طبق میں تھا اس لئے یہاں اسکٹر جگدیش کی موجودگی ضروری تھی۔ اس نے موقع واردات کا معائنہ کیا اور ذرا ہمیں سی دیر میں اس کی عحق جکرا گئی۔ اگر کار کا انجن چل نہ رہا ہوتا تو شائد وہ اسے عام قسم کی وارداتوں سے زیادہ اہمیت نہ دیتا۔ لیکن ایسی صورت میں وہ سمجھے بوجھے بغیر کوئی قدمنیں اٹھانا چاہتا تھا۔

حالانکہ فریدی نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی وہ کسی پیچیدہ کس سے دوچار ہو، اسے اپنی مد کے لئے بلا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی اسے فون کرتے وقت جگدیش ہچکا رہا تھا۔ کیونکہ اب دو بجنتے والے تھے، بہر حال اس نے ایک پیلک کاں بوقتہ سے فریدی کو فون کر دیا۔ فریدی گھر سے پر موجود تھا، اور انہیں تک سویا نہیں تھا۔

ٹھیک تین بجے وہ حمید سمیت موقع واردات پر بیٹھ گیا۔ حمید کو شائد وہ جگا کر لایا تھا۔ اس لئے کہ جگدیش کا سامنا ہوتے ہی حمید نے منہ پھیر لیا۔

فریدی نے بہت خاموشی سے لاش کا جائزہ لیا۔ لاش کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی را لفظ خاص طور پر اس کی توجہ کا مرکز تھی۔ جگدیش کو توقع تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کوئی نا اکشاف کرے گا، لیکن اس نے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔

”کیا تمہیں کوئی ایسا آدمی بھی ملا جو لاش کو شاخت کر سکے۔“ اس نے جگدیش سے پوچھا۔ ”جی ہاں.... کہنے کیے جران والے۔ وہ ان کا مستقل گاہک تھا۔ مجھ سے بیٹھنے دیا جائے۔“

”آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔“ فیجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”یہ میرا اندازہ ہے کہ وہ ایک عی جیسے عادات و خواص رکھتے ہوں گے۔ آدمی کی صورت ہی دیکھ کر اس کے متعلق بہتری رائیں قائم کی جا سکتی ہیں اور میرا دعویٰ ہے کہ ان میں سبھی غلط نہیں ہوتیں۔“

”خیر....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”کیا اس کے یہاں سے جانے کے بعد ان چاروں میں سے کوئی نظر آیا تھا۔“

”جی نہیں۔“

”اچھا..... بہت شکریہ۔ آپ غالباً اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتے۔“

”جاننا ہوتا تو آپ کو سوال کرنے کی زحمت ہی نہ کرنی پڑتی۔“

”اچھا جناب۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ آپ کو پھر زحمت دی جائے۔“

”اوہ.... ضرور! میں ہر وقت حاضر ہوں۔“

وہ کیفیت سے باہر آگئے۔ جگدیش نے فیجر کو کیفیت بند کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ حمید بڑی بڑا رہا تھا۔ اب کسی دن ہمیں سکندر اعظم اور چنگیز خاں کی لاشوں سے بھی دوچار ہونا پڑیگا۔“

”وقتی یہ بڑی مسکھہ خیز بات ہے کہ انہوں نے پانچ مشہور فلیفوں کے نام اختیار کر رکھتے تھے۔“ فریدی نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پھر اس نے جگدیش سے کہا۔ ”اچھا بھی میں تو چل دیا۔ اب کل شام تک تم مجھ سے مل سکتے ہو۔ مرنے والے کی الگیوں کے نشانات لے لیما اور وہ رانقل۔ اسے بہت احتیاط سے پیک کر کے ننگر پنٹ ڈیپارٹمنٹ میں بھجوادیتا۔ کار کی جو کھڑکی کھلی ہوئی تھی..... گرفتار نہیں۔ پوری کار یہ الگیوں کے نشانات کی تلاش ضروری ہے۔ اچھا بھی تو کل ضرور ملتا۔ فی الحال ایک معمولی ہی رپورٹ مرتب کرو۔ یہ کیس ہڑا دچپ ہے۔“

”حید اور فریدی کا میں پیش کرو ہاں سے روانہ ہو گئے۔“

”میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔“ حمید منتایا۔

”بس شیش محل تک۔ اس کے بعد تم گھر واپس جائیں گے۔“

”اچھا جناب!“ حمید انگرائی لے کر بولا۔ ”مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ سرخ دارہ اینڈ کمپنی

بات کے علاوہ انہوں نے اور کچھ نہیں کہا تھا۔“

”کیا آپ ان چاروں کو پیچاں سکتیں گے؟“

”جی ہاں.... ضرور۔ میں آپ کو ان کے نام بھی بتا سکتا ہوں۔ ایک صاحب اپنے نوزاں ہے، دوسرے لائنز، تیسرا ہے ہیوم اور چوتھے برکلے۔“

”اور آپ....!“ حمید غرایا۔ ”آپ غالباً شلاٹر مافریا فوئر بان ہوں گے۔ یہ کیفیت ہے جو فلیفوں کا بھنگ خانہ۔“

”آپ مقتول کے گھر کا پتہ تو ضرور جانتے ہوں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”دیکھنے جواب نہیں ملے جائے گا۔ ایسے پراسارا گاہک کے متعلق آپ نے پوری چھان میں کی ہوگی۔“

”مجھے اس سے انکار نہیں ہے جناب۔“ فیجر مسکرا کر بولا۔ ”میں نے کتنی بار ان پانچوں کا چھپ کر تعاقب کیا تھا۔ لیکن کامیاب صرف ایک عی بار ہوا تھا۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان پانچوں میں سے کس کی قیام گاہ ہے۔“

”پتے....!“ فریدی نے جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔

”شیش محل کا پانچواں فلیٹ۔“

فریدی نے نوٹ بک میں جلدی جلدی کچھ لکھ کر اسے بند کرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا یہ روزانہ یہاں بیٹھتے تھے۔“

”جی نہیں.... اکثر کمی کئی دن تک نہیں آتے تھے۔“

”کیا کبھی کوئی عورت بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔“

”جی نہیں۔ میں نے اس ایک سال کے عرصے میں ان کیسا تھکبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔“

”کیا پہلے بھی کبھی اس نے یہ کہا تھا کہ اسکے چاروں دوستوں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔“

”کبھی نہیں جناب۔ اس پر تو مجھے حیرت تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ پانچوں نہ صرف ہم خیال تھے بلکہ ان کے عادات و اطوار بھی ایک سے تھے۔“

”عادات و اطوار سے آپ کو واقفیت تھی۔“ فریدی نے اسے تیز نظر دن سے دیکھنے ہوئے کہا۔ ”پھر تو آپ ان کی متعلق بہت کچھ جانتے ہوں گے۔“

کی حرکت نہیں ہے۔“

فریدی کچھ نہیں بولا۔ کار فائٹ بھرتی رہی۔ اس وقت ساری سڑکیں سنان پڑی تھیں۔  
اس لئے کار طوفان کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔

”سرخ دائرہ۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بربادیا ”آج آفس میں آصف کی میز  
پر بھی ایک سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔“

## جمید اور ریکھا

و شیش محل پہنچ گے۔ عمارت سنان پڑی تھی۔ کہیں کہیں کھڑکیوں میں روشنی نظر آ رہی  
تھی۔ ورنہ پوری عمارت تاریکی سے ہم آغوش تھی۔

سازھے چارنگ رہے تھے۔ پانچویں فلیٹ کے سامنے وہ رک گئے۔  
جمید نے بڑھ کر دروازہ پینٹا شروع کر دیا۔ لیکن شاید وہ اندر سے بند ہی نہیں تھا کیونکہ  
دوسرے یا تیسرے جھکلے پر دونوں پٹھ کھل گئے۔

اندر اندر ہمراہ۔ قریدی نے جیب سے تارچ ٹکال کروشن کر لی۔ یہ کرہ بالکل خالی تھا۔  
یہاں کسی قسم کا فرنچ بھی نہیں تھا۔ دیواریں نگلی پڑی تھیں۔

وہ آگے بڑھے۔ اس کے بعد ہی ایک چھوٹا سا کمرہ اور تھا۔ یہاں انہیں صرف ایک گول  
میز دکھائی دی جس کے گرد پانچ کریں پڑی تھیں۔

یہ فلیٹ ان ہی دونوں کروں پر مشتمل تھا اور یہاں ایک میز اور پانچ کریں کے علاوہ  
اور کچھ بھی نہیں تھا۔

فریدی نے سوچ دبا کر کرے میں روشنی کر دی اور تارچ کو جیب میں ڈال کر تحرانہ انداز  
میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔ اس میز پر بھی ۱۳ کا ہندسہ موجود ہے۔“ فریدی آہستہ سے

بولا۔ ”اور پانچ کریں.... اوہو.... کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ یہ تو ہون نہیں سکتا کہ ہمیں یہاں  
الگیوں کے نشانات نہیں۔“

وہ تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک انہی کروں میں ٹلتے رہے۔ پھر فریدی نے کہا۔ ”اب  
ہمیں آس پاس کے آدمیوں سے ملتا چاہئے۔“

جمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ ابھی فریدی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ اس لئے وہ کسی بات  
میں غل نہیں دے رہا تھا اور ویسے بھی چونکہ اسے سوتے سے اٹھ کر آنا پڑا تھا اس لئے اس کا  
موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔

انہیں پڑوسیوں کو جگانا پڑا۔ لیکن جا گئے والے یہ معلوم کر کے خوش نظر آنے لگے تھے کہ  
فلیٹ نمبر پانچ کے متعلق معلومات بہم پہنچانے والے پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ورنہ پہلے تو  
ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار ضرور نظر آئے تھے۔

انہوں نے بتایا کہ یہ فلیٹ زیادہ تر مقفل ہی رہتا ہے۔ اکثر پانچ آدمی وہاں آیا کرتے  
تھے۔ کچھ دیر بیٹھتے اور چلے جاتے اور فلیٹ مقفل کر دیا جاتا۔ پڑوی ان کی طرف سے مطمئن  
نہیں تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ بُرے آدمی ہیں اور کسی بُرے ہی مقصد کی تحت انہوں نے یہ  
فلیٹ حاصل کیا ہے۔ انہوں نے ان پانچوں کے خلے بھی بتائے لیکن یہاں بیانات میں اختلاف تھا۔  
بہر حال پڑوسیوں سے انہیں کوئی مدد نہ مل سکی۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ وہ بے نسل و  
مرام واپسی نہیں جا رہا ہے۔ قریبی تھانے سے دو کاشیبل طلب کر کے اس نے وہاں ان کی ڈیٹی  
لگادی تھی اور اب وہ نگر پنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافروں کو وہاں بلا نے کیلئے فون کرنے  
جا رہا تھا۔

”اس سے کیا فائدہ ہوگا۔“ جمید نے پوچھا۔

”ہو سکتا ہے کہ یہاں ہمیں مقتول کی الگیوں کے نشانات بھی مل جائیں۔“

”کیا آپ کو کیفے جران کے مجرم کے بیان پر یقین نہیں تھا۔“

”تا تکیکہ مجھے کمل ثبوت نہ مل جائے میں کسی بات پر بھی یقین نہیں کرتا۔“

نگر پنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافروں کے لئے فون کرنے کے بعد وہ گھر کی طرف

واپس ہوئے۔ فریدی کا رڈ رائیو کر رہا تھا اور حمید اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پلکش نیز کے دباؤ سے جھکی جا رہی تھیں۔ اچانک فریدی بڑھا نے لگا۔

”بہت دنوں کے بعد اب کیس ہاتھ آیا ہے... حمید صاحب... آپ کا کیا خیال ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ میں اس نمبر میں شریک ہو جاؤں جو آئندہ سال چاند میں جا رہی ہے۔“

”چاند میں چاندی لا کیاں نہیں ہوتی حمید صاحب! وہاں بھی تو تمہیں پھر اور ریت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔“

”آپ تو نہ ہوں گے وہاں۔“

”انتا اکتا گے، ہو مجھ سے۔“

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ حمید نے کھڑکی سے لگ کر خزانے شروع کر دیئے تھے۔

ای دن تین بجے فریدی نے حمید سے بتایا کہ شیش محل کی فلیٹ نمبر پانچ کی میز اور کرسیوں پر پائے جانے والے نشانات میں مقتول کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں۔

”اور حمید صاحب۔“ اس نے کہا۔ ”اگر آپ ہوائی قلعے نہ بنانے کا وعدہ کریں تو ایک بات اور بھی بتاؤ۔“

”بیشتر طیکہ اس میں کسی لڑکی کا تذکرہ شامل نہ ہو۔“

”ہو سکتا ہے کہ آصف سے تمہارا انکراو ہو سکے جائے۔“

”آہا... خدا کی قسم مزہ آ جائے گا۔“

”اس فلیٹ میں مجھے سرخ رنگ کی چاک کے دو نکلوے بھی ملے تھے۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔



لیڈی انپکٹر مس ریکھا لین کی عمارت زور دا سکواڑ کے آس پاس منڈلا رہی تھی۔ وہ ابھی تک اس عمارت میں ہونے والے قلعے کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی۔ ویسے زیادا۔

تھا۔ اس کا وقت اس کلکو پر غور کرنے میں گزرا تھا جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ مخول کے گمراہوں نے تو کوئی ایک بات نہیں بتائی تھی جس سے اسباب قتل پر روشنی پر لکھی۔ وہندی ایصال وہ کلکو اس کے لئے بیکاری تھی۔

اس نے مقتول کے طلاق احباب میں بھی پوچھ چکھ کا سلسہ چاری رکھا تھا۔ لیکن وہ آصف کو اپنی کاروائی کی روپورٹ نہیں دیتی تھی اور آصف نے بھی اسے ناکارہ تصور کر کے نظر انداز کر رکھا تھا۔ وہ بھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ عورتیں بھی اس کے دوش بدوش کام کرنے کی اہل ہو سکتی ہیں۔

ریکھاڑا و دا سکواڑ کے سامنے سے گذرتی ہوئی چھٹم روڈ پر نکل آئی اور یہاں اچانک اس کی ملاقات کیپن حمید سے ہو گئی جو ایک تمباکو فروش کے یہاں پاس پاس کا تمباکو خرید رہا تھا۔

”اوہ! مس ریکھا۔ آپ کون سا تمباکو چھیتی ہیں۔“

”میں تمباکو خریدنے نہیں آئی۔“ ریکھا مسکرا کر بولی۔

”اوہ، ہو... معاف کیجئے گا... ہم...!“

”میں آپا تھوڑا سا وقت بر باد کرنا چاہتی ہوں۔“ ریکھا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

”وقت کبھی برا بانیں ہوا کرتا مس ریکھا فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”لکھ لین وا لے کیس...!“

حمد کافانے لگا اور ریکھا جملہ پورا نہ کر سکی۔

”دیکھئے ہم یہاں سرڑک پر اطمینان سے گھنگوئے کر سکیں گے۔“ اس نے کہا۔ ”یہاں سے آرچو قریب ہے اور ہاں کی چائے بھی بڑی اچھی ہوتی ہے۔“

پھر اس نے کار کی طرف اشارہ کیا اور ریکھا کچھلی نشست پر جا بیٹھی۔ آرچو نکل پہنچنے میں پاچھوچھی منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں لگا۔

روز کی طرح آج بھی آرچو میں کافی رونق تھی۔ وہ ایک خالی کیپن میں چلے گئے۔

”آج میں کسی تمیم خرگوش کی طرح ادا ہوں۔“ حمید بیٹھنے لی بولا۔

”نہیں جتاب۔ اس سے کام نہیں چلے گا۔“ ریکھا نے پس کر کہا۔ ”محکمے کی تاپت

لوگوں سے میں آپ کی تعریف سن سکتی ہوں۔“

”تو پھر...!“ حید نے حیرت سے کہا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”سمجھنیں! ہاں تو میں کہنا چاہتی ہوں کہ کنگس لینے والے کیس...!“

”ٹھہریے۔ پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کی پارٹی کی معلومات کیا ہیں۔“

”میں نہیں جانتی۔ سب الگ الگ کام کر رہے ہیں اور میں نے تو ابھی تک آصف کو کوئی سے پہلے بھی شہر میں تین قتل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی وہی سرخ دائرہ سامنے آیا تھا۔ قتل کے روپورٹ نہیں دی۔“

”اور نہ آئندہ دیں گی۔“

”خیال تو یہی ہے۔“

”خبر.... اچھا تو آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

”وہ کیوں... مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ مقتول کے باہمیں ہاتھ کی لگنیوں پر نگین“  
”اچھا تو بتائیے کہ وہ مشترک چیز کیا ہے۔“  
”ریکھا سونپنے لگی۔ حید خاموشی سے کہیں کے باہر دیکھتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ گذر گئے۔“  
چاک کے نشانات۔“

”میں آپ کے لئے تھوا بہت کام کرتا ہی رہا ہوں۔“ حید نے سنجیدگی سے کہا اور پھر لیکن ریکھانے کوئی جواب نہ دیا۔  
کہیں میں داخل ہونے والے ویٹر کو آڑر کی تفصیل سمجھانے لگا۔

”اوہ.... آپ خواہ مخواہ تکلیف کر رہے ہیں۔“ ریکھا بڑا بڑا۔ ویٹر جا چکا تھا۔

”ہاں تو میں کہہ رہا تھا... مقتول کے متعلق میں نے معلوم کیا ہے کہ وہ باہمیں ہاتھ سے لکھنے کا عادی تھا۔“

”اوہ....!“ ریکھا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”ایکی صورت میں دو ہی باتیں سوچی جاسکتی ہیں۔“ حید نے کہا۔ ”یا تو وہ دائرہ خود مقتول ہی نے بنایا تھا یا پھر قاتل دوسروں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ دائرہ مقتول کے علاوہ اور کسی نے نہیں بنایا۔ دونوں ہی صورتیں چیجیدگیوں سے خالی نہیں ہیں۔ پہلی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقتول نے دائرہ کیوں بنایا اور دوسری صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قاتل اس دائرے کو مقتول سے کیوں منسوب کرنا چاہتے ہیں۔“

”جی ہاں.... یقیناً....!“ ریکھا بولی۔

”اچھا یہ تو ہوئی کلیوں کی بات.... اب مقتول کی شخصیت کی طرف آئے۔ وہ بہاں کا ایک سرمایہ دار تھا۔ اسے چند نامعلوم آدمیوں نے قتل کر دیا۔ چند آدمی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مقتول کے کمرے کی اتری اسی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ صرف دو آدمیوں کی لاٹائی پورا کرہ نہیں اک سکتی۔ خیر ہاں تو اس کے قتل کے سلسلے میں سرخ دائرے کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ اس نہیں جانتی۔ سب الگ الگ کام کر رہے ہیں اور میں نے تو ابھی تک آصف کو کوئی سے پہلے بھی شہر میں تین قتل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی وہی سرخ دائرہ سامنے آیا تھا۔ قتل کے علاوہ بھی متعدد داردا توں میں سرخ دائرہ نظر آتا رہا ہے۔ مگر فی الحال ہم صرف مختلف آدمیوں کے قتل ہی کے سلسلے میں اس کا جائزہ لیں گے۔ سارے مقتولین میں صرف ایک چیز مشترک نظر آتی ہے آپ نے پچھلے ریکارڈ تو دیکھے ہیں۔“

”جی ہاں.... دیکھے ہیں۔“

”اچھا تو آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

”وہ کیوں... مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ مقتول کے باہمیں ہاتھ کی لگنیوں پر نگین“  
چاک کے نشانات۔“

”میں آپ کے لئے تھوا بہت کام کرتا ہی رہا ہوں۔“ حید نے سنجیدگی سے کہا اور پھر لیکن ریکھانے کوئی جواب نہ دیا۔

”آپ نے پچھلی رپورٹیں غور سے نہیں پڑھیں۔“ حید نے مایوسانہ انداز میں سرہلا کر کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“

”نہیں کھلے ہوئے الفاظ میں اعتراض کیجئے۔“

”چلنے کر لیا۔“ ریکھا خاش کر بولی۔

”اُن میں مشترک چیز گھوڑ دوڑ ہے۔“ حید نے کہا۔

”کیا...؟ میں نہیں سمجھی۔“

”آہا....!“ حید زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”گھوڑ دوڑ.... اس دوڑ کو کہتے ہیں جس میں

گدھے دوڑائے جاتے ہیں۔“

”یہ نہیں.... آپ میرا می افسوس نہیں سمجھے۔ گھوڑ دوڑ ان میں مشترک ہے۔ یہ بات سمجھ

میں نہیں آئی۔“

”وہ سب کی نہ کسی طرح گھوڑ دوڑ سے ضرور متعلق تھے۔ پچھلے تین قتل، اگر آپ کو یاد

جنل تھرڈ کے پیغامات اسی ہوٹل کے فون پر آیا کرتے تھے۔ جنل تھرڈ نے جلدی جلدی چلن

ہوتا۔۔۔ مگر نہیں آپ کو کیا یاد ہو گا۔ مقتولوں میں سے دو تو جاکی تھے اور ایک گھوڑے کا ماں  
کنکس لین والا مقتول بھی ریس میں دوڑنے والے دو گھوڑوں کا ماں تھا۔ غالباً اب آپ، چھائی اور نائی کے بغیری کوٹ پین کر کرے سے نکل آیا۔  
ہوٹل کے بغیر کے ادعاز استقبال سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی نظر وہ میں انتہائی  
گئی ہوں گی۔“

قابل احترام خصیت ہے۔ جنل تھرڈ نے رسیور اخالیا۔

”بھی ہاں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ ریکھانے کہا۔ وہ کچھ بے چین سی نظر آنے لگی تھی۔

”بیلو۔۔۔ کون ہے؟“

”بر کلے!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں اپنے زواں ہوں۔“ جنل تھرڈ نے کہا۔

”کسی نے پچھلی رات جنل فرست کو قتل کر دیا۔ کیفے جران والی گلی میں۔“

”اوہ....!“ جنل تھرڈ کے ہاتھ سے رسیور چھوٹتے چھوٹتے پچا۔

”شیش محل والے قلیٹ پر پولیس کا قبضہ ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہاں ممکن....!“ جنل تھرڈ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”ہاں ممکن تو مجھے بھی معلوم ہوتا ہے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ مگر یہ حقیقت ہے، مجھے

ملی ہوئی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔۔۔ بہر حال بہت محاط رہنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ

جنل تھرڈ نے جلدی کھڑکیوں کے شرپ چھا دیے۔ پتے نہیں یہ اس کا وہ نہ پولیس ہمارے وجود سے واقف ہو گئی ہے۔

”مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر سے کس طرح علم ہوا۔“

”اوہوا ذرا سوچنے کی عادت ڈالو۔ کیا کیفے جران کے بغیر اور دوسرے ملازمین نے

جنل فرست کی لاش شاخت نہ کی ہوگی اور کیا پولیس کو ہمارے متعلق نہ بتایا ہو گا۔“

”مگر اس ٹھکانے کا علم ان لوگوں کو کیسے ہو سکتا ہے۔“ جنل تھرڈ نے کہا۔

”یہی بات میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”بہر حال بہت

زیادہ محاط رہنے کی ضرورت ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے کیا کرنا ہو گا۔“

”تو کیا تم بہت زیادہ خوفزدہ ہو۔“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”میں قطعی نہیں!“

”جی ہاں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ ریکھانے کہا۔ وہ کچھ بے چین سی نظر آنے لگی تھی۔

”لہذا میرا مشورہ ہے کہ آپ اسی لائن پر کام کیجئے۔ کوئی دشواری پیش آئے تو

حاضر ہوں۔“

ریکھانے جواب میں پکھنیں کہا۔ چائے اور اس کے لوازمات میز پر لگائے جائے۔

تھے۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔



جنل تھرڈ نے جلدی کھڑکیوں کے شرپ چھا دیے۔ پتے نہیں یہ اس کا وہ نہ پولیس ہمارے وجود سے واقف ہو گئی ہے۔

حقیقت تھی۔ اسے کھڑکیوں کے شیشوں سے ایک سایہ دکھائی دیا تھا اور پھر وہ پل بھر میں نظر

سے غائب بھی ہو گیا تھا۔

وہ کھڑکیاں اور دروازے بند کر کے کمرے میں بیٹھ گیا۔ پھر اچانک اسے ایسا محسوس

چیز کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہو۔

”کون ہے؟“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”میں ہوں جتاب ویٹر... آپ کافون ہے۔“

”میری کال ہے۔“

”جی ہاں جتاب۔“

”اچھا... ویٹر خکریہ۔ میں ابھی آتا ہوں۔۔۔ ہو لڑ آن رکو۔“

جنل تھرڈ ایک ایسی عمارت میں مقیم تھا جس کے نچلے حصے میں ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔

”جمید صاحب کو سمجھ دو۔“ فریدی کا گذات پر نظر جائے ہوئے بولا۔ پھر شاید پانچ یا چھ منٹ بعد جمید کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی نے سرکی جنگس سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن گذات سے اس کی نظر نہیں ہٹی تھی۔ جمید کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہیں تھے۔ ریکھا کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو اس سے اتنی مستعدی کی توقع خواب و خیال ہی کی بات ہوتی۔ آج کل وہ صحیح معنوں میں کام کرنے کے موڈ میں تھا۔

”کیوں؟ کیا رہا؟“ فریدی نے تھوڑی دری بعد سر اٹھا کر کہا۔

”مقتول کی تصویر اشاعت کے لئے پریس کو دے دی گئی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہو گیا ہے۔“

”وہ کیسے...؟“

”ڈیلی میل کے نیجر نے وہ تصویر شاخت کر لی ہے۔ وہ بھی اس کا نام ڈیکارٹس بتاتا ہے۔ وہ دونوں ایک ہی عمارت کے دو مختلف حصوں میں رہتے تھے۔“

”ہوں.... مگر اب تصویر کی اشاعت کو تم غیر ضروری کیوں سمجھتے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”مقدمہ ہی تھا کہ ہمیں اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہو سکے۔“

”قلعی نہیں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہو بولا۔ ”محض قیام گاہ کا پتہ معلوم ہونے سے کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ڈیکارٹس فرضی نام تھا۔ ہو سکتا ہے کہ تصویر کی اشاعت کے بعد ہمیں اس کے متعلق کچھ اور بھی معلوم ہو سکے۔ ہاں کیا تم اس کی قیام گاہ پر گئے تھے۔“

”میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔“ جمید نے کہا۔ ”مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس کے یہاں کوئی تو نہیں تھا۔“

”مکان کی علاشی لی تھی۔“

”ابھی نہیں.... جگد لش علاشی کا وارث حاصل کرنے لگا ہے۔“

”ہاں.... اچھا.... وہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ لیکن اب دوسرا بات سنو۔ وہ رائق جو مقتول کی کار پر مل تھی اس پر مقتول ہی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔“

”اچھا تو پھر آج رات کو ہم کہاں ملیں گے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”اگر حالات یہیں ہیں تو ہمیں فی الحال ملانا ترک کر دینا چاہئے۔“ جملہ ہرڑ نے کہ ”ہمیں آج تو ہمیں یعنی طور پر کہیں نہ کہیں ملتا ہے۔ حالات خطرناک صورت اپنے کرتے جا رہے ہیں۔ ہمیں اس نامدار سرخ دائرے کے لئے کچھ نہ سمجھ کر ناہی پڑے گا۔“ ”تم کہاں سے بول رہے ہو؟“

”ایک پلک کاں بتوھ سے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اچھا تو ہم آج ملیں گے... مگر کہاں؟“

”کیفے جران ہی میں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”حالانکہ یہ چیز خطرناک ہی ہے۔“ مگر ہم تھوڑا سا میک اپ کر لیں گے۔ پچان کے لئے ہماری ٹائیاں سیاہ رنگ کی ہوں گی۔ اسے یاد رکھنا۔ اوہو.... اچھا بس۔“

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا ہے اچاک کوئی خطرہ سر پر دیکھ کر بولے والا خاموش ہو گیا ہو۔

## کیفے میں بھوت

فریدی نے اس آدمی کی طرف غور سے دیکھا جو کچھ گذات اس کے سامنے رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔

”سب کچھ مکمل ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں.... سب مکمل ہے۔“

”شکر یہ.... اب تم جا سکتے ہو۔“

وہ آدمی چلا گیا اور فریدی اس کے لائے ہوئے گذات کو اتنے پلٹنے لگا۔ پھر کچھ دیر لے۔ اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپ اسی اندر آیا۔



بھی رہ چکا ہے۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر لا سپری میں سلا چلا گیا۔ پھر حمید اس وقت اس کے کمر میں پہنچا جب وہ فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

"ہیلو.... کیفے جران.... اوہ اچھا کیا نہیں ہیں۔ دیکھنے میں فریدی بول رہا ہوں۔ کرتل۔ کرتل فریدی.... ذرا ذیکارٹس کے متعلق کچھ پوچھتا ہے۔ کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ تیرہ نو کی میز کب اور کس تاریخ کو مخصوص کرائی گئی تھی۔ دیکھنے بھی.... رجسٹر بھی دیکھنے میں ہو لڑا کے ہوں۔۔۔ شکر یہ۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ ریسیور اب بھی اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ اسی حالت میں تم منٹ گزر گے۔ پھر اس نے کہا۔ "اوہ.... اچھا بہت بہت شکر یہ۔ جی نہیں بھی سمجھ سکیں اس کا صحیح نام بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

وہ ریسیور کھر حمید کی طرف مڑا اور ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "یہ ساری معلومات عجیب ضرور ہیں۔ لیکن اس قتل سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے۔۔۔ نہیں کہا جاسکتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پچھلے سال ۱۸ فروری کو تیرہ نمبر کے گھوڑے پر پچاس ہزار جیتا تھا، اور ۲۱ فروری کو اس نے کیفے جران میں تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرائی تھی۔ یعنی صرف تین دن بعد۔"

"لیکن آپ کو یہ کیسے یاد آ گیا کہ اس کی تصویر اسپورٹ میں چھپی تھی۔ حالانکہ اس کا قتل تین دن پہلے کی بات ہے۔"

"وہ دراصل جوئے اور سئے پر یاد آیا تھا۔ تیرہ کا عدد، پھر تیرہ نمبر کا گھوڑا، رپورٹ کے نوٹ میں لکھ تھیں کا حوالہ، یہ سب ذہن میں محفوظ رہنے والی چیزیں ہیں۔ اگر تمہیں کہیں اس قسم کا اتفاق پیش آئے تو تم بھی یاد رکھو گے۔ مثلاً تیرہ کے عدد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سدھے ہے۔ لہذا اگر اسی نمبر پر تمہارے علم میں کوئی دوسرا ایک بڑی رقم جیت لے تو تم اسے ہمیشہ بال رکھو گے۔"

حمد خاموشی سے اسپورٹ کے صفات التارہا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

"عجیب معاملہ ہے۔" اس نے کچھ در بعد سار لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر مقتول کا تعلق سرخ دائرہ والوں کی پارٹی سے تھا تو۔۔۔ مگر نہیں۔" وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"سوچنے کو ساری زندگی پڑی ہوئی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ مجھے کام بتائیے۔" "اوہ! آج کل بہت تیز ہو رہے ہو۔" فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا یا۔ "میں کام چور تو نہیں ہوں۔"

"کب سے حید صاحب۔"

"جب سے ریکھا مجھے میں آئی ہے۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلطے میں تم سے کچھ کہنا وفت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ویسے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم نے مفت میں خود کو بدنام کر لیا ہے۔"

"آپ معرفت کی اس منزل سے واقع نہیں ہیں۔ پھر آپ اس کی لذت کیا جائیں۔" میں اسے بدنام نہیں بلکہ شہد کا مرتبان سمجھتا ہوں۔"

"خیراب بیہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔ کام یہی ہے کہ کیفے جران پر نظر رکھو۔ کیونکہ مقتول نے اپنی موت سے کچھ ہی در پیلے نہیں کہا تھا کہ وہ اس کے چاروں ساتھیوں کو تیرھو یں میز پر نہ بیٹھنے دیں۔"

"اس سے کیا غرض۔"

"کاش تھا رے حصے میں بھیں ہی کی عقل آئی ہوتی۔"

"اس صورت میں بھی آپ کو میں بجائے کام موقع ضرور دیتا۔"

"بکواس مت کرو۔۔۔ جو کچھ میں کہوں اسے انعام دو۔۔۔ بس اب جاؤ۔"

"صرف ایک بات اور۔۔۔ کیا ان پانچوں کا تعلق سرخ دائرے سے بھی ہو سکتا ہے۔" "ابھی اس کا تفصیل نہیں کر سکا۔ تم اس پچر میں نہ پڑو۔ ہمیشہ زینہ بزینہ آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرو۔ اس طرح چلانگ لگانے سے بھی اپنی عمار پڑھ کی بڑی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔"

"کیوں نہ میں آج رات ریکھا کیفے جران لے جاؤ۔"

”جو تمہارا دل چاہے کرو۔ بس اب دفع ہو جاؤ۔“ فریدی نے کہا اور انھوں کو پھر لا بھری میں چلا آیا

حمد جہاں تھا وہیں رہا۔ لیکن اس کے چہرے پر بھی گھرے تھکرے آثار تھے۔

45  
”نہیں جتاب.... یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔“ بارشنا نے لاپرواں سے کہا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔  
جنتل فور تھے بیر کا گھوٹ لے کر ہوتون کو دمال سے نٹک کرتا ہوا کاؤنٹر سے گھک گیا۔  
وہ اپنے تین ساتھیوں کو ہاں میں تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچاک اس کی نظر ایک دراز قد آدمی پر پڑی جو ہاں میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے اور کوٹ اور ٹوپیت کے پتلون میں تھا۔ اور کوٹ کے کارکانوں تک اٹھے ہوئے تھے اور سر پر سفید رنگ کی فلت ہیٹھ تھی، جس کا اگلا گوشہ ناک پر جھکا ہوا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا تیرہ نمبر کی میز کی طرف آیا۔ ریز روشن کی جختی اخھا کر میز کے نیچے ڈال دی اور کری سکھن کر بیٹھے گیا۔ اس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا لیکن وہ جس انداز میں وہاں داخل ہوا تھا اس نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

جنتل فور تھے نے بارشنا کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر برافروختگی کے آثار تھے لیکن اچاک اس کے ہاتھ سے بیر کا جک چھوٹ کر فرش پر آ رہا۔ جنتل فور تھے بوکھلا کر پھر میز کی طرف مڑا کیونکہ اس نے بارشنا کے چہرے کی بلتی ہوئی حالت بغور دیکھی تھی۔ اس بار دوسرا جک فرش پر گرا اور یہ خود جنتل فور تھے کا جک تھا۔ تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھے ہوئے آدمی کا چہرہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ ستا ہوا زرد چہرہ، ویران آنکھیں اور ایک دوسرے پر جتے ہوئے ہوت۔ لیکن یہ چہرہ جنتل فرش کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر بارشنا کی جیخ ہاں میں گونج کر رہ گئی۔ کچھ اور لوگوں کی نظریں بھی تیرہ نمبر میز پر بیٹھے ہوئے آدمی پر پڑ چکی تھیں۔ ان میں سے جو روز کے گاہک تھے نبی طرح کانپ رہے تھے۔ کئی کمزور دل کے آدمی تو اپنی کرسیوں سے لاٹک کر فرش پر آگئے۔ کیونکہ انہوں نے چند دن قبل اسی آدمی کی لاش دیکھی تھی۔

پھر وہاں گویا زلزلہ سا آگیا۔ میزیں الٹ گئیں۔ کریاں اللٹ لگیں۔ وہ لوگ جوان واقعات سے واقف نہیں تھے وہ بھی انھوں کر بھاگے۔ وہ اس نے بھاگے کہ انہوں نے دوسروں کو بھاگتے دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہاں کا مجمع سڑک پر پہنچ گیا۔ ان میں ”چاروں شریف آدمی“ ریز روشن کا کارڈ موجود ہے۔ لیکن اگر اس دوران میں کوئی آگیا تو میں انھوں جاؤں گا۔“

چاروں شریف آدمی ایک ایک کر کے کیفے جران میں داخل ہوئے۔ ان میں سے تین مختلف میزوں پر بیٹھے گئے۔ ایک کوہن جگہ نہ ملی۔ پورے ہاں میں صرف ایک میز خالی تھی اور یہ تھی نمبر ۱۲۔ اس پر اب بھی ریز روشن کی جختی رکھی ہوئی تھی۔

وہ سید حاشراب کے کاؤنٹر کی طرف گیا۔ کیفے جران میں بار بھی تھی۔ ان چاروں نے اتنے جیسے اگریز طور پر اپنی شکلیں تبدیل کی تھیں کہ پہلے سے نشایاں قائم کئے بغیر شاید ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے۔

بارشنا نے اسے روز کا گاہک نہ سمجھ کر اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔ وہ دوسرے خریداروں کے جک بیر سے بھر رہا تھا۔

کیفے جران اپنی بیر کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ یہ دراصل کئی قسم کی بیزوں کا مرکب ہوا کرتا تھا۔

جنتل فور تھے نے کاؤنٹر پر باٹھ مار کر بھاری آواز میں بیر طلب کی۔ بارشنا نے اس کی طرف دیکھ کر سرہلایا اور دوسروں کے جک بھرتا رہا۔

بڑی دیر بعد اس کے آرڈر کی تکمیل کی گئی۔ جنتل فور تھے جملایا ہوا تھا۔ مگر اس نے اپنی ظاہری حالت میں فرق نہ آنے دیا تھا۔

”وہ میز خالی ہے۔“ اس نے تیرہ نمبر کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ ”حالانکہ اس کی ریز روشن کا کارڈ موجود ہے۔ لیکن اگر اس دوران میں کوئی آگیا تو میں انھوں جاؤں گا۔“

بھی تھے۔

کیفے سے برآمد ہونے والا آخری آدمی فیجر تھا۔ وہ ان چاروں کے قریب آ کر کھرا ہو گیا۔ مگر اس کے چہرے پر خوف کے بجائے حیرت کے آثار تھے۔

”یہ کیا ہوا۔“ دفتار کا شانہ چھوڑ کر کہا۔ جو اسکے پاس سے گذر رہا تھا۔

”اوہ.... جناب.... لک... کیا آپ نے نہیں دیکھا۔“ وہ کامپتا ہوا بولا۔

”کیا نہیں دیکھا۔“ فیجر کے لجھے میں جلا ہٹ تھی۔

”بھوت....!“

”کیا مطلب....!“

”ڈیکارٹس صاحب کا بھوت۔“

”کیا بکتے ہو.... کہاں ہے بھوت.... کدھر ہے بھوت۔“

”اچھا صاحب میں جھوٹا ہوں.... مگر یہ اتنے سارے لوگ۔“ اس نے جنل فور تھکی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”یہ صاحب تو وہیں میرے پاس کھڑے ہوئے تھے۔“

فیجر نے مستقر ان نظروں سے جنل فور تھکی طرف دیکھا۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔“ جنل فور تھکی نے برا اسمانہ پتا کر کہا۔ ”میں نے دوسروں کو بھاگتے دیکھا، خود بھی بھاگ کھڑا ہوا۔“

فیجر چند مستقل گاہوں کی بھیڑ میں بکھنی گیا۔ انہوں نے بارشدر کے بیان کی تصدیق کر دی اور فیجر نے انہیں بتایا کہ اسے کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اچانک اس نے ہنگامے کی آواز سنی اور جس وقت وہاں میں پہنچا تو وہاں ایک تنفس بھی نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ وہ پھر ہال کی طرف آنے لگے۔ حقیقتاً اب یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ تیرہ نمبر کی میز خالی تھی اور اب ریزویشن کی تخت بھی رکھی نظر آرہی تھی۔ ویسے ہال کی ابتری کا یہ عالم تھا جیسے وہاں تین چار سرکش قسم کے سانچہ آپس میں لالاپڑے ہوں۔

ان آدمیوں کی بھیڑ میں کیچن حید بھی تھا۔ اس نے بھی تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھنے والے آدمی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ بس دوسروں کو بھاگتے دیکھ کر خود بھی کو دتا چھلانگا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

اور پھر جب اسے بھوت والی بات معلوم ہوئی تو وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔

## پُر اسرار لڑکی

دوسرے دن جنل فرست کے بھوت کا واقعہ شہر کے سارے اخبارات میں آگیا۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر سمجھی یقین کر لیتے۔ زیادہ تر لوگ اسے افواہ ہی سمجھتے تھے۔ بہر حال کسی پر کچھ بھی رد عمل ہوا ہو، چاروں شریف آدمی سب سے زیادہ پر بیشان تھے۔ وہ دوسری صبح ایک چھوٹے سے چائے خانے میں ملے اور کچھلی رات والے واقعے پر گنتگو شروع ہو گئی۔

”کیا بھیں اپنی قسمیں توڑیں دینی چاہئیں۔“ جنل فتح نے کہا۔

”یقینی طور پر....!“ سب بیک زبان بولے۔

”لیکن اس کے بعد ہم پل بھر کے لئے بھی جدانہ ہوں گے۔“ جنل فتح نے کہا۔

”کیوں....؟“ جنل فتح نے پوچھا۔ بقیہ بھی کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی اس کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔

جنل فتح تھوڑی دیر بیک کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔ ”اگر ہم جنل فرست کو اپنی ٹولی سے الگ نہ کر دیتے تو وہ بھی نہ مارا جاتا۔ قاتل کو خدشہ لاحق ہوا ہوگا کہ کہیں اب وہ سیدھا پویس اسٹیشن نہ چلا جائے اور یہ بات تو ثابت ہی ہو چکی ہے کہ کوئی ہمیں قتل کے الزام میں پھنسنا چاہتا ہے۔ ورنہ ہماری توڑی ہوئی تجوہ یوں پر سرخ دائرے کیوں ملتے؟“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ جنل فور تھک سر ہلا کر بولا۔ ”مگر فی الحال ہمیں اس بات کو بھیں ختم کر دیتا چاہئے۔ سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی رو داد نہیں۔ آخر ہم کس طرح کیفے جران کی تیریوں میز پر پہنچے تھے۔ سب سے پہلے میں جنل سینکڑ سے درخواست کرو گنا۔“ ”میں....!“ جنل سینکڑ بھرا کی ہوئی آواز میں بولا۔ ”جل میں تھا۔۔۔ ایک لمبی سزا کاٹنے کے بعد رہا ہوا۔ جمل کے دروازے ہی پر میری ایک فقرے سے ملاقات ہوئی۔ وہ خود ہی سر ہو گیا۔

تحا۔ ورنہ ملاقات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں سمجھا کوئی دیوانہ ہوا لیکن اس نے میراٹھے کہا کہ تمہیں وہاں کم از کم چار آدمی ضرور ملیں گے۔ وہ تمہیں سب سے پہلے یہاں اس شہر جنجموڑ کر کہا تھا کہ تمہاری تقدیر کیجئے جران کی تیرھویں میز پر ہی۔ لیکن جو کوئی بھی تمہیں اس میں چوری کرنے کے گرتبا میں گے اور تم چند ہی مہینوں میں اتنا کمالو گے کہ ساری زندگی بیٹھ کر پڑتے اسے نہ تو تم اپے متعلق کچھ بتانا اور نہ اس سے اس کے متعلق کچھ پوچھتا۔ اس سلسلے کا کام کسکو قتم اس نے مجھے بھی دی تھی کہ نہ میں ان لوگوں سے پوچھوں اور نہ اپے متعلق انہیں اس نے مجھے ایک بہت بڑی قسم دی تھی۔ البتہ اس کی ابیات تھی کہ میں اس میز پر بیٹھنے والا کچھ بتاؤں۔ فقیروں وغیرہ پر میرا اعتماد کبھی نہیں رہا۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید وہ نامعلوم کے ساتھ مل کر کوئی کام کر سکتا ہوں، اس میں سراسر فائدہ ہی ہوگا۔ بہر حال میں وہاں گیا۔ جن آدمی پانچوں کو بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہماری ذہنیتوں کے فرشت سے ملاقات ہوئی اور میں نے تمہوڑے ہی دنوں میں اندازہ کر لیا کہ وہ بھی میری؛ مطابق ہمیں اس چکر میں چانسے کے طریقے اختیار کئے۔

طرح ایک شاطر چور ہے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی قلمی کھلتی گئی۔ پھر جنل تھرڈ بھی آگئے کی وجہ سے پھنس گئے تھے۔ تمہیں کیا ہوا تھا۔

ہم تینوں نے لمبے لمبے ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔

جنل سینٹ خاموش ہو گیا۔ پھر جنل تھرڈ کی باری آئی اور اس نے اپنی رو داد شردا کا سراغہ سمجھا تھا۔ وہ بڑا شاندار آدمی تھا۔ میں نے سوچا اس کے گروہ میں شامل ہو جانے کی بعد تمی اور وہ بھی اسی فقیر کے کہنے پر کیجئے جران کی تیرھویں میز پر آگئی تھا۔

”آہا! دوست میں جانتا تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ میں دراصل اس آدمی کو کسی گروہ کر دی۔ اسے شے کا شوق تھا۔ اسے بھی ایک فقیر کے ذریعے دوچار بارے میں کامیابی ہوا۔ فائدے ہی میں رہوں گا.... مگر....!“

وہ تینوں اس طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے جیسے انہیں اس کے بیان میں شبہ ہو۔

جنل فو تھج جواری تھا۔ اسے بھی کئی بار ایک فقیر کی وجہ سے لمبی رقبیں جیتنے کا اتفاق ہوا۔

”فختا جنل فتح کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک لہرائی اور وہ ایک طویل قیچے کے بعد بولا۔ ”میں سمجھتا ہوں تم لوگوں کا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ دوستو! اگر میں جنل فورتھ نے فقیر کا طیبہ بتا کر اپنے ساتھیوں سے اس کی تصدیق چاہی جنل سینٹ“ جھوٹا ہوں تو نہ تو میں جنل فرشت کا قاتل ہو سکتا ہوں اور نہ جنل فرشت کا بھوت۔ کیونکہ ان دونوں ہی اس سے متعلق تھے۔

اب جنل فتح کی باری آئی اور وہ منجل کر بیٹھ گیا۔

”مجھے کبھی کوئی فقیر نہیں ملا۔ جس نے مجھے کیجئے جران لکھ پہنچایا تھا اسے کسی طرح قائم اب اسے ختم کرو۔ ہم سب دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ نہ نکلتے ہیں اور نہ غرق ہوتے ہیں۔ اب لباس میں تھا ہوا یہ کہ ایک رات میں نے ایک بڑی جگہ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ واپسی پر اٹا پولیس نے دوڑا لیا۔ اگر وہ لمبی سی سیاہ کار والا میری مدد نہ کرتا تو میرا پکڑ لیا جانا لازمی تھا اور یہ سے واقف ہونا چاہئے۔ کیا وہ حق مجھ بھوت تھا۔“

”بھوت!...!“ جنل فتح نے حقارت آمیز لمحے میں کہا۔ ”میرے نزدیک بھوتوں کی کوئی اصلاح نہیں ہے۔ اس واقعے کو بھی اگر عقل کی کسوٹی پر کھنے کی کوشش کرو تو حقیقت ہونے ہی چاہئیں۔ اس کے بعد ہی اس نے مجھے کیجئے جران کی تیرھویں میز کے متعلق بتا۔ اس

ظاہر ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نامعلوم آدمی اب ہمیں کیفے جران میں نہیں۔ حید بڑی دری سے اس بات پر غور کر رہا تھا کہ آج وہ اسے کس طرح نیا گراہوں میں لے چاہتا۔ یہ بات تو اخبارات میں بھی آچکی ہے کہ تیرھویں میز پر پانچ آدمی بیٹھا کرتے تو جائے۔ جہاں آج رقص کا پروگرام تھا۔ آخر اسے ایک تدیر سو جھوٹی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا قتل سے کچھ دیر قبل جنہل فرشت نے اپنائی غصیلہ مودہ میں کیفے جران کے شجر سے کہا تھا آجکل اپنا زیادہ تر وقت لکھ لین زور داسکواز کے آس پاس گزارتی ہے۔ زور داسکواز وہی عمارت آئندہ ہم چاروں کو تیرھویں میز پر نہ بیٹھنے دے۔ ظاہر ہے کہ پولیس کو اسی بناء پر ہم چاروں طاش ہو گی اور وہ نامعلوم آدمی فی الحال یہ نہیں چاہتا کہ ہم پولیس کے ہمچھیں! صمد کے متعلق حید نے بہت سی معلومات فراہم کر لی تھیں۔ حاضر اس لئے کہ ریکھا کی مدد فرشت کو بھی اس نے شاکر اسی لئے قتل کر دیا کہ کہیں وہ پولیس تک نہ جائ پنجھ۔

”یعنی ان کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نامعلوم آدمی ہمیں ہر حال میں پہچان سکتا ہے۔“

جنہل فور تھا بولا۔ ”ورنہ وہ بھوت کی بھروسہ میں ہمارے سامنے کیوں آیا۔ ہم نے باتحصہ سے لکھنے کا عادی تھا اور اس کے باعث میں باتحصہ ہی کی انگلیوں پر رنگین چاک کے دھبے ملے شکلوں میں کافی حد تک تبدیلیاں کر لی تھیں۔ اتنی تبدیلیاں کہ اگر سیاہ ٹائی کو اپنی پہچان قرار دیتے تو شاید ایک دوسرے کو پہچانا بھی مشکل ہو جاتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ جنہل فضھ نے کہا۔ ”میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ ہمیں ہر حال ہے۔ لہذا وہ سر شام ہی لکھ لین کی طرف نکل گیا۔ وہ اپنی موڑ سائیکل پر تھا۔ پہچان سکتا ہے۔“

گھر سے تو وہ اچھے خاصے حلے میں چلا تھا، لیکن ایک جگہ موڑ سائیکل روک کر وہ ایک پیک بیٹاب خانے میں گیا اور جب وہاں سے واپس آیا تو حلیہ ہی کچھ اور تھا۔ اس کی ناک کا چلا حصہ اور پر کی طرف انداز ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی اور پری ہوتی بھی اس طرح اور پر اٹھ گیا تھا کہ آگے کے دو دانت دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ فریدی کا ایجاد کردہ ایک ریڈی میڈ میک اپ تھا۔ ناک کے دوفون تھنوں میں دو چوٹے چھوٹے اسپرینگ اس طرح پھنسائے جاتے تھے کہ ناک کا چلا حصہ اور اٹھ جاتا تھا۔ یہ میک اپ ایک بار کامیاب بھی ہو چکا تھا۔ اس نے حید نے اسی پر اکتفا کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا اسے نہ پہچان سکے گی اور وہ جب بھی چاہے گا محض دو انگلیوں کی بلکل یہ جیبش سے اپنی اصلی شکل میں آجائے گا۔

لکھ لین میں مرتے ہی اس کی نظر ریکھا پر پڑی جو ٹھیک زور داسکواز کے سامنے والے بک اسٹال کے شوکیں پر جھکی ہوئی تھی۔

حید نے زور داسکواز کے نیچے والے فٹ پاٹھ کے قریب موڑ سائیکل روک دی۔ اس نے ریکھا کو اپنی طرف مرتا دیکھا لیکن اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بڑی تیزی سے زینوں



کیپن حید بہت ادا تھا۔ کیونکہ ریکھا نے اس کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا کہ دونوں مل کر کام کریں۔ ظاہر ہے کہ حید لاکیوں کے معاملے میں کافی بدنام تھا اور وہ مجھ نہ ابھی بالکل نئی آئی تھی۔ اس نے نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس پر انگلی اٹھانے کا موقعہ ملتے۔

تک گیا، وہاں دو زانو بیٹھ کر اس طرح آگے کی طرف جھکا جیسے کوئی چیز اخبار ہا ہو۔ رہبڑا عورت ہوتی ہے، خواہ وہ محکمہ سراجِ رسانی کی انپکٹریں ہو خواہ کسی مملکت کی صدر۔ کے زینے مژک سے بھی دکھائی دیتے تھے اور ریکھا تواب بک اسٹال سے کچھ آگے بڑھ کر کی اس حرکت کو غور سے دیکھنے لگی تھی۔

”آج یہاں بڈا شاندار پروگرام ہے۔“ حمید ڈھٹائی سے بولا۔  
”ہو گا..... میں واپس جا رہی ہوں۔“ ریکھا نے خشک لبجھ میں کہا۔  
”واہ..... بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی آپ اندر بھی نہیں گئیں۔“

”مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ آپ کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔“  
”آہا..... میں کبھی غلط کام نہیں کرتا۔“ حمید نے فخر یہ انداز میں کہا۔ ”آپ زندگی بھر کنکس لین میں بھکتی رہیں تب بھی کامیابی ممکن نہ ہوتی۔ میں نے ذرا ہی سی دیر میں کم از کم یہ تو معلوم کر لیا کہ کنکس لین میں آپ کی بھی گمراہی ہو رہی ہے۔“  
”لیا مطلب....؟ کون کر رہا ہے؟“

”ایک انگلکو اٹھیں لڑکی۔“ حمید نے کہا۔ ”وہ دیکھئے۔ وہاں میں داخل ہو رہی ہے۔“  
ریکھا اڑ کر دیکھنے لگی۔ اس نے زور دنگ کے اسکرٹ کی ایک ٹکلی سی جھلک دیکھی جوہاں کے پڑے دروازے میں غالب ہو گئی تھی۔ حمید نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی۔ ریکھا حقیقتاً اس سے ناواقف تھی کہ کنکس لین سے اس کی روائی کے بعد ایک دوسرا ٹکسی بھی اس کے پیچے روشن ہوئی تھی، لیکن یہ بھی درست تھا کہ حمید اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا ممکن ہے وہ محض اتفاق ہی رہا ہو۔

”کیا آپ بچ کہ رہے ہیں۔“ ریکھا نے پوچھا۔

”میں نے آج تک کریل فریدی سے کم رتبے کے آدمی سے جھوٹ ہی نہیں بولا۔“ حمید نے خشک لبجھ میں کہا اور ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ ریکھا اس کے پیچے چل رہی تھی۔ پھر دونوں ساتھ ہی ڈائینگ ہاں میں داخل ہوئے۔

زد اسکرٹ میں صرف ایک انگلکو اٹھیں لڑکی وہاں نظر آرہی تھی اور وہ بہت خوبصورت تھی، ریکھا سے بھی زیادہ۔ لہذا حمید نے سوچا کہ عاقبت سنوار نے کیلئے یہی بہتر ہو گا کہ وہ فی الحال ریکھا کا خیال چھوڑ کر اسی انگلکو اٹھیں لڑکی سے اپنی تعقیات وابستہ کر لے۔ اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ وہ حقیقتاً ریکھا کا تعاقب کر رہی تھی، یا وہ محض اتفاق تھا۔

حمد پھر وہاں سے اٹھ کر بھاگتا ہوا موڑ سائیکل تک آیا اور اسے اتنی جلدی میں اٹھا رکھا اسے بھی شبہ ہونے لگا جیسے وہ سچ کوئی جرم ہی کر کے بھاگ رہا ہو۔  
ریکھا بڑی تیزی سے سڑک پار کر رہی تھی، کیونکہ دوسرا طرف کے فٹ پاٹھے سے لگی،  
کئی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ اس نے بہت عجلت میں ڈرائیور کو آگے جانے والی موڑ سائیکل  
تعاقب کرنے کے سلسلے میں ہدایات دیں اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی ٹیکسی حمید کی موڑ سائیکل کا تعاقب کرنے لگی۔

نیا گراہوٹل شہری آبادی سے بہت دور ایک پر فضامقام پر واقع تھا اور یہاں کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ متوسط طبقے کے لوگ تو ادھر کارخ بھی نہیں کرتے تھے۔  
نومیل کی مسافت طے کرنے کے بعد حمید نیا گراہ کی کپاؤٹ میں داخل ہوا، اور موڑ سائیکل کو سیدھا گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ یہاں کا قانون تھا کہ صرف وہی ٹیکسیاں کپاؤٹ میں داخل ہو سکتی تھیں جنہیں گاہکوں کے انتظار میں رکنا ہو۔ دوسرا صورت میں وہ چھاٹک ہی،  
ٹھہرتی تھیں اور گیٹ سار جنت کا اسٹاف باہر سے آئے ہوئے مسافروں کا سامان ہوٹل اور گیٹ پہنچادیا کرتا تھا۔

ریکھا کی ٹیکسی بھی چھاٹک ہی پر رک گئی۔ وہ شاید زندگی میں پہلی بار اس طرف آئی تھی۔  
ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے وہ اندر چل گئی، لیکن جس کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آئی تھی“  
غائب تھا۔

”اوہو.... آپ....!“ حمید نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔  
اب ریکھا اتنی گاڑی بھی نہیں تھی کہ اسے اپنی غلطی کا احساس جلد ہونہ وجہا۔ جبکہ  
حلیہ ضرور بدل گیا تھا مگر بس اور قد و قامت تو کسی طرح بھی نہیں بد لے جاسکتے تھے۔  
”میں سمجھ گئی۔“ ریکھا نے جھپٹی ہوئی سی ٹھی کے ساتھ کہا اور حمید سوچنے لگا کہ عورت،

”بیٹھئے۔“ حمید نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔ زرد اسکرٹ والی لڑکی یہاں زرد اسکرٹ والی انڈین لڑکی اُسی گلری کے نیچے سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی زیادہ دور نہیں تھی اور اپنے میز پر تہاہ ہونے کی وجہ سے چاروں طرف ایسے انداز میں دیکھ جس میں ریکھا بیٹھی ہوئی تھی۔ ریکھا سے سمجھوں سے دیکھتی رہی۔

حوزی ہی دیر بعد وہ لڑکی اسکیش پہنے ہوئے چوبی فرش پر تیرتی ہوئی نظر آنے لگی۔ وہ ”میں ہرگز یقین نہیں کر سکتی حمید صاحب! آپ مجھے خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں۔“ یقیناً اس میں کافی مشاق معلوم ہوتی تھی۔ اکثر وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی داہنے بید کے پنجے پر آپ یقین کر کے کریں گی بھی کیا۔ آپ جو کچھ بھی کریں گی اس کا ثواب برآہ رار کھڑی ہو کر لٹکی طرح ناج جاتی۔

ریکھا نے حمید کو بھی اس کرے کی طرف جاتے دیکھا جس میں اسکیش کا اٹاک رہتا تھا، اور پھر دس منٹ بعد ہی وہ پیروں میں اسکیش لگائے ہوئے ہوئے برآمد ہوا۔ لڑکی بہت تمیزی اصف کو پہنچ گا۔“ حمید نے جبلے بھئے لجھ میں کہا۔

ایگلو انڈین لڑکی انہیں بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ ”اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔ لیکن ایک بار پھر کہوں گا کہ میں نے یہ حرکت صرف اے اوپر سے نیچے آ رہی تھی۔ اچاک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ حمید سے ٹکرایا جائے گی۔ اس کے منه لئے کی تھی کہ آپ کی ٹکرائی کرنے والوں کے متعلق کچھ معلوم کر سکوں۔“

میکلی سی چیز نکل گئی لیکن حمید بڑی صفائی سے کترا کر فراز کی طرف تیرتا چلا گیا۔ لڑکی بڑی بڑی حمید نے کہا اور اٹھ کر با تھر روم کی طرف چلا گیا۔ واپسی پر اس کی ناک پھر اٹھی ہوا ڈھین معلوم ہو رہی تھی۔ وہ نشیب میں چیخ کر پھر فراز کی طرف مڑی اور حمید نے یک لخت اپنا ٹھی۔ ہونٹ کھل گئے تھے اور دانت باہر جھانکنے لگے تھے۔ اب وہ لڑکی کی پشت والی میز پر پہاڑ راستہ بدلتا۔ اس بار لڑکی گڑ بڑا گئی۔ اس کے پیور ہبک گئے اور تو ازان برقرار نہ رکھ سکنے کی بنا پر ایسا تھا۔ ریکھا وہیں بیٹھی رہی جہاں پہلے تھی۔ لیکن اب وہ بھی یہ معلوم کرتا چاہتی تھی کہ حمید کا پروہ سامنے والی دیوار سے جا نکلائی۔ اگر وہ دیوار سے ہاتھ نہ لگادیتی تو سر کے کئی ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔

یہاں میں کتنی صداقت ہے۔ وہ دباں سے اٹھ کر کاؤٹر کے پاس پہنچی۔ اس سے آج کا پروگرام۔ وہ گالیوں کی بوچھاڑ کرتی ہوئی پلٹ پڑی۔ حمید بھی حلچ پھاڑ پھاڑ کر اسے سلواتیں سناتے

طلب کیا اور اس کی قیمت دے کر کانپی کو روپی کروں کرتی ہوئی ریکریشن ہال کی طرف بڑھ گئی۔ بیچ لگا اور ریکھا اس کی اس صلاحیت پر دمگ رہ گئی۔

نہیں وہ اس کے دروازے میں داخل ہوئی زرد اسکرٹ والی ایگلو انڈین لڑکی بھی اٹھ کر اسی طرز اسکینگ کرنے والے ان کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

”اے... اے مسٹر۔“ بیجع سے کسی نے کہا۔“ آپ ایک خاتون سے ٹفتگو کر رہے ہیں۔“ روانہ ہو گئی۔

”جی ہاں میں انداختیں ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ خاتون ہیں۔“

”آپ کا الجھ خراب نہ ہونا چاہئے۔“ اس کے سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔ لڑکی اب وہاں نہیں تھی۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہاں تھہر بنے میں اُسی کی سکلی ہو گئی۔ اس نے اس نے کھک جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ وہ سیدھی اس کرے میں چلی گئی تھی جہاں اسکرٹ رکھتے تھے۔

ادھر لوگ حمید کی جان کو آگئے تھے۔ اس نے دے جانے کس طرح ان سے پیچھا چھڑایا۔ لڑکی اسکیث اتار کر ڈائینگ ہال کی طرف جا رہی تھی۔ حمید نے بھی اپنے اسکیث اتارے

## پھر قتل

ریکریشن ہال میں کچھ لوگ اسکینگ کر رہے تھے۔ رقص کا پروگرام شروع ہونے لئے ابھی دو گھنٹے باقی تھے، ریکھا نے گلری کی ایک میز سنبھال لی۔ دونوں کناروں کی گلریاں اگر قریب قریب خالی ہیں۔ کہیں کہیں اکا دکا آدمی نظر آ رہے تھے۔

اور اپنا کوٹ بھی اتار کر ریکھا کی میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ ”یہ سب کچھ آپ کے لئے کرہا، میرا کوٹ گھر پہنچا دیجئے گا۔ حالانکہ سردی بہت ہے مگر خیر میں صرف سویٹھنی میں بس کروں।“ ریکھا منہ کھولے بیٹھی ہی رہ گئی اور حمید ریکھیں ہال سے چلا گیا۔ اس نے اُر وقت بھی بدی ہوئی شکل میں دیکھا تھا جب وہ اسکینگ کر رہا تھا، لیکن وہ اس طرح اپنا اتار کر کیوں پھیک گیا تھا۔ ریکھانے اسے اختیاط سے تہہ کر کے کری پر رکھ دیا۔



زد اسکرت والی لڑکی ڈائنسگ ہال میں بھی نہیں رکی۔ اُس کے متعلق حمید کا اندازہ نہیں تھا۔ سڑک کی دوسری طرف کھڑی ہوئی تیکسی چاہک سے صاف نظر آرہی تھی اور یہ لڑکی ہی کی تیکسی تھی، حمید کو یقین تھا۔ آخر اس نے اسے اس میں بیٹھنے دیکھا۔ گیراج زیادہ نہیں تھا، وہ جھپٹتا ہوا چلا اور موٹر سائیکل نکال کر سڑک پر آ گیا۔ مطلع غبار آ لو دنہ ہونے کی پر اسے کوئی وقت نہیں ہوئی تھی۔ تاروں کی چھاؤں میں اُس نے لڑکی کو تیکسی میں بیٹھنے دیا۔ اگر آسمان پر بادل ہوتے تو شاید اسے ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ کیونکہ وہ لڑکی بہ پھر تیکی تھی۔

تیکسی کی عقبی سرنش روشنی بہت دور نظر آرہی تھی۔

حمد سوچ رہا تھا کہ آج وہ کچھ کر کے ہی رہے گا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ لائی ٹکس لین میں ریکھا کی ٹگرانی کر رہی تھی۔ اگر ٹگرانی کر رہی تھی تو وہ یقیناً مجرموں تھے۔ کچھ نہ کچھ تعلق رکھتی ہوئی۔

چونکہ تیکسی اور موٹر سائیکل دونوں ہی خاصی تیز رفتار تھیں۔ لہذا شہر تک پہنچنے میں زیادہ نہیں لگی۔ مگر شہر میں پہنچ کر حمید بوکھلا گیا۔

اس نے نیا گرہ کے سامنے اندر ہیرے میں تیکسی کا صرف ڈھانچہ ہی دیکھا تھا، رُنگ!

اندازہ اندر ہیرے میں کیا ہوتا۔ شہر اور نیا گرہ کی دریانی سڑک پر روشنی کا انظام نہیں تھا ورنہ وہ راستے میں کم از کم اُس کی رنگت سے تو واقع ہوئی جاتا۔

بیہرہ شہر میں داخل ہوتے ہی لڑکی والی تیکسی ٹریک کے ہجوم میں کھو گئی اور حمید ہاتھ ملا رہ گیا۔ یہاں داہمیں باہمیں آگے پچھے تیکیاں ہی تیکیاں تھیں۔

جم پر کوٹ نہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے چھپڑوں نے اس کا داماغ درست کر دیا تھا۔ اس ناکامی نے اسے بالکل ہی کھوڑی کے باہر کر دیا اور اس کا دل چاہنے لگا کہ موثر سائیکل کو کاندھے پر اٹھا کر بے تھا شے پانچ سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے پاگل خانے کی طرف دوڑنا شروع کر دے۔

اُس نے ایک جگہ رک کر رومال سے اپنی آنکھیں خٹک کیں جن سے ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے راستے بھر پانی بہتا آیا تھا۔



حید نے فریدی سے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔ کرتا بھی کیا۔ فریدی سے اس نا عاقبت اندریشی کی جو دادلتی اس کا اندازہ اسے اچھی طرح تھا۔ حید کو دل ہی دل میں اپنی اس غلطی کا اعتراف تھا۔ اسے اس لڑکی کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اسے لکھن لیں ہی میں ریکھا کا تعاقب کرتے دیکھا ہو گا۔

مگر وہ اسے کیا کرتا کہ اس کا نام حید تھا اور وہ ایک لڑکی تھی۔ جہاں یہ دونوں اقسام موجود ہوں وہاں جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے۔ رہ گیا سر پیٹنا تو وہ بعد کی بات ہے اور حید کی تقدیر بھی۔

اس کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا کوٹ پہنچ گیا تھا۔ ریکھا خود نہیں آئی تھی اپنے نوک سے بھجوادیا تھا اور نوکر کو بھی تاکید کر دی تھی کہ وہ کسی نوکر ہی کے ہاتھ میں دے لیکن یہ بتائے

”چلنے اسے بھی تسلیم کئے لیتا ہوں، لیکن اس معاملے میں یلو ٹینٹھر کو کیوں گھیٹ رہے ہیں؟“

”اس لئے کہ اگلی ریس میں یلو ٹینٹھر دوڑنے والا تھا لیکن اب نہ دوڑے گا۔ دیکھو! ابھی

”میں واقعات کی کڑیاں ملا رہا ہوں۔ کسی خاص بیجے پر ابھی تک نہیں پہنچ سکا۔“

”یلو ٹینٹھر کیوں نہ دوڑے گا؟“

”اس کا مالک ہی میر گیا۔“

”کوئی نہ کوئی وارث تو ہو گا ہی۔ یلو ٹینٹھر تو سونے کی چڑیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کبھی

”نمیں ہارا۔“

”حمد کا وارث اس کا لڑکا ہے۔ لیکن وہ بخت سے مذہب کا پابند ہے۔ لہذا اب یلو ٹینٹھر

”ریس میں نہیں دوڑ سکے گا۔“

”تو آپ کا خیال ہے کہ صد یلو ٹینٹھر ہی کی وجہ سے مارا گیا۔“

”ہاں..... میں بھی سوچ رہا ہوں۔ ابھی تک یہاں جتنے بھی ایسے قتل ہوئے ہیں جن میں

سرخ دائرے کو بھی دخل رہا ہو، وہ سب ریس ہی سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھنے والے لوگ

تھے، کیا تمہیں ان دونوں جائیوں کے قتل یاد نہیں، وہ دونوں ہی ماہر ترین شہروں اور تھے۔“

”تو پھر یہ کسی گھوڑے ہی کا چکر ہے۔“ میں سر ہلا کر بولا۔ ”کسی کا کوئی نیا گھوڑا تیار

ہوا ہو گا، یا ہو سکتا ہے، پرانا ہی ہو گرچہ مددی..... میرا خیال ہے اسی ریس میں اول یا دوم آنے

والا گھوڑا، ظاہر ہے کہ اب یلو ٹینٹھر تو دوڑے گا نہیں، کیوں نہ ہم یہ دیکھیں کہ یلو ٹینٹھر کے بعد

کس کی کامیابی متوقع ہے۔“

”اگر تمہارا نظریہ صحیح بھی ہو تو کم از کم اس ریس میں اسکے دوڑنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔“

”کیوں.....؟“

”عقل استعمال کرو۔ اس گھوڑے کا مالک دیدہ و دانستہ اپنی گردن کبھی نہ پھنسائے گا۔“

”ساف ظاہر ہے کہ قتل اسی مقصد کے تحت ہوا ہے کہ یلو ٹینٹھر نہ دوڑ سکے۔ لہذا یلو ٹینٹھر کے بعد

”اس گھوڑے کے مالک پر قتل کا شہر ضرور کیا جاسکتا ہے۔“

”نمیں آپ تینی طور پر ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ قتل یلو ٹینٹھر کی وجہ سے ہوا ہے۔“

کروہ اسے کہاں سے لایا تھا۔

ریکھا حمید کے معاملے میں کچھ ایسی ہی محتاط ہو گئی تھی۔

”میں واقعات کی کڑیاں ملا رہا ہوں۔ لیکن یہ کوئی تو میں بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا۔ لیکن یہ کوئی“

”کتاب نہیں تھی بلکہ سفید کاغذ کے کچھ اور اس تھے جس پر پنسل کی تحریر تھی۔“

”اس نے میں جید کو بتایا کہ وہ یلو ٹینٹھر کی ہشری دکھ رہا تھا۔“

”اور دوسرا دلچسپ بات میں جید صاحب۔“ اس نے کہا ”یہ ہے کہ کنگس لین والا مقتول

”صد ہی یلو ٹینٹھر کا مالک تھا۔“

”یلو ٹینٹھر کیا بلا ہے؟“

”اوہو.... وہی گھوڑا جس پر ڈیکارٹس نے پچاس ہزار جیتے تھے۔“

”اچھا!“ میں جید نے حیرت سے کہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”مگر میں نہیں سمجھا... آپ

آخر یلو ٹینٹھر کی ہشری کیوں لے شیشے۔ کیا وہ دونوں اس لئے مارڈا لے گئے کہ دونوں ہی نے

یلو ٹینٹھر کی وجہ سے مالی فائدہ اٹھایا تھا...؟“

”نمیں یہاں کئی باتیں ہیں۔ یلو ٹینٹھر پر قسم بیٹنے کے تین دن بعد ڈیکارٹس نے یا جو کچھ

بھی اس کا نام ہو، کیفے جران کی تیرھوں میز ریز روکرائی تھی اور گھوڑے کا نمبر بھی تیرہ تھا۔

شیش نکل کے پانچویں فلیٹ میں جو میز طی تھی اس پر بھی تیرہ ہی کا ہندسہ پڑا ہوا تھا۔“

”مگر اس کے لئے تو آپ کہہ چکے ہیں کہ جواری لوگ طاقت اخداد...!“

”ہاں ٹھیک ہے۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”مگر یہ تو سوچو کہ کیفے جران ہی

کیوں؟ میز مستقل طور پر مخصوص کرائی گئی تھی، اور وہ اس کے لئے پانچ سوروں پر ماہوار ادا کرنا

تھا۔ کیفے جران کوئی بہت اچھی جگہ نہیں ہے۔ پھر ایک میز کا میز ریز رویشن پانچ سوروں پر

ماہوار.... خدا کی پناہ۔ یہاں بہت بڑے بڑے ہوٹل ہیں لیکن ان کے رہائش کمرے بھی اتنے

گراں نہ ہوں گے۔ کیفے کے نیجہ کہنا ہے کہ مقتول نے پانچ سو کا آفر خود سے دیا تھا۔ ورنہ

اس طرح داگی طور پر میزیں کہیں بھی مخصوص نہیں کی جاتیں۔ میرا خیال ہے کہ کبھی راجل

مہاراجوں نے بھی اس قسم کی حماقت نہ کی ہو گئی۔“

”میں کہہ سکتا ہوں۔“ فریدی بڑی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ”بلکہ بہت جلد ثابت کر دوں گا۔ ویسے اپنی معلومات کیلئے سن لو کہ وہ دونوں مقتول جاکی صمد کے تختواہ دار تھم کے پاس یلو ٹینٹھر عین نہیں چھ گھوڑے اور بھی تھے، وہ انہی دونوں جاکیوں کے زیر تربیت تھے۔ ”مگر اس دن تو آپ کہہ رہے تھے کہ اس کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔“

”میں نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا۔ تمہارے سنتے میں فرق آیا ہے، میں نے کہا تھا کہ اس دو گھوڑے ریس میں حصہ لیتے ہیں، غیر تربیت یافتہ یا زیر تربیت گھوڑوں کی بات ہی نہیں۔“ وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ ایک نوکرنے آ کر کسی کی فون کال کی اطلاع دی۔ ”دیکھو یا رکون ہے۔“ فریدی جھنجھلانے ہوئے لجھ میں حمید سے بولا۔

”ہو سکتا ہے ذمی۔ آئی۔ جی صاحب ہوں۔“

”کیوں! وہ کیوں؟ کوئی خاص بات۔“

”نہیں وہی پرانی بات، کتم بھی غافل نہ رہو۔“

”واہ....!“

”چلو دیکھو....!“ فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔

”حید ڈرائیور روم سے اٹھ کر فریدی کی خوابگاہ میں آیا۔ فون کاریسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔“

”ہیلو....!“ اس نے ماٹھ پیس میں کہا۔

”کون صاحب ہیں؟“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ مگر یہ آواز کسی عورت کی تھی۔

”حید! کیپشن حید۔“

”اوہ....!“ میں ریکھا بول رہی ہوں۔ دیکھنے جلد آئیے۔ وہ زرد اسکنٹ والی قتل کر دی گی اور وہی سرخ دارہ اس کی لاش کے قریب موجود ہے۔“

”آپ کہاں ہیں؟“

”میں تمہاری نہیں ہوں.... پوری پارٹی ہے۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”وہیں لکھ لین میں۔ اس کی لاش رو ردا سکوار کے سامنے والی بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ میں پائی گئی۔“ آس پاس والوں کا بیان ہے کہ وہ اسی فلیٹ میں رہتی تھی۔“

”لاش کیسے ملی؟“

”اے گولی ماری گئی ہے۔ پڑو سیوں نے فائر کی آواز اور اس کی چیخ سنی تھی۔ آپ آسکتے

ہوں تو آجائیے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی کلہا تھا آجائے گا۔“

”اے صرف موجود ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں.... اور وہ حضرت خواہ جوواہ دوسروں پر بور ہو رہے ہیں۔“

”اچھا.... میں آرہا ہوں۔“ حمید نے کہا اور ریسیور رکھ کر تقریباً دو ڈنہا ہوا ڈرائیور روم میں آیا۔ پھر اسے فریدی کو وہ بات بتانی ہی پڑی، جس کا تذکرہ اس نے ابھی تک نہیں کیا تھا اور نہ کہنا چاہتا تھا۔

”بڑے احتقн ہو....!“ فریدی اپسے خونخوار آنکھوں سے دیکھتا ہوا غرایا۔ ”اگر تم نے یہ

محسوں کر لیا تھا کہ وہ ریکھا کا تعاقب کر رہی ہے تو تمہیں ان دونوں ہی سے کترانا چاہئے تھا۔“

”اب میں کیا بتاؤں کہ کیا ہو گیا۔ وہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی، میں اس کی لاش کیسے دیکھ

سکوں گا۔ آپ اگر جانا چاہئے ہوں تو جائیے۔“

”میں یوں بھی تمہیں ساتھ نہ لے جاتا۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تو کیا آپ وہیں جائیں گے؟ میرا خیال ہے کہ آصف....!“

”اوہ... آصف....!“ فریدی بڑا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

لکھ لین پہنچ کر وہ پہلے مقتول کے قلیٹ میں نہیں گیا، بلکہ اس پاس والوں سے اس

کے متعلق پوچھ گئے کرتا رہا۔ لڑکی کا نام سیسل پیکر افت تھا۔ وہ وہاں تمہارہ تھی تھی۔ اس سے وہاں

بکھی کوئی ملنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ پیشہ نامعلوم.... مت قیام ایک سال تھی۔ پڑو سیوں میں

نیک نام گکر پر اسرا ر تھی۔ اسی قسم کی اور بھی بہتیری معلومات فراہم کرنے کے بعد فریدی نے اس

کے فلیٹ کا رخ کیا۔

یہاں آصف کی پارٹی ریکھا سیست موجود تھی اور فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافر

مختلف مواقع کی تصویریں لے رہے تھے۔ لاش ایک طرف فرش پر پڑی تھی اور اس پر پولیس

ہسپتال کا ایک ڈاکٹر جھکا ہوا تھا۔

فریدی اٹھ پاؤں لوٹ آیا۔  
”دوسروں کا احترام کرنا سیکھو،“ آصف غصیلی آواز میں بولا۔

## اُس کا عاشق

فریدی نے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ جواب دیا۔ ”میں جن کا احترام نہیں کرتا، ان میں چل پھر نے کی بھی سکت نہیں رہ جاتی۔“

اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر مقتول کے فلیٹ سے نکل آیا۔ ایک بار پھر اسے مقتول کے پڑوسیوں سے پوچھ گچ کرنی پڑی اور اس نے اس گفتگو سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ کوئی اس کی عدم موجودگی ہی میں فلیٹ میں داخل ہوا ہوگا۔ ایک ایسا یعنی شاہد بھی مل گیا تھا جس نے مقتول کو فلیٹ کا قفل کھولتے دیکھا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ہی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ اس کا فلیٹ بھی اسی لائن میں تھا اور دونوں فلیٹوں کے درمیان صرف دو فلیٹ حائل تھے۔ وہ اسے قفل کھولتا چھوڑ کر اپنے فلیٹ میں چلا گیا تھا۔ پھر اسے اپنے فلیٹ میں داخل ہوئے بمشکل تمام دیا تک منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اس نے فائر اور چیخ کی آواز سنی۔

اب فریدی کی لئے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ کیفے جران سے تعلق رکھنے والی دو ہتھیاریں عجیب و غریب حالات میں قتل کردی گئی تھیں۔ ایک کی لاش کے قریب سرخ دارہ ملا تھا اور دوسری گوکہ سرخ دارہ سے تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن اس کے سلسلے میں بھی سرخ دارے کا اشتباہ موجود تھا کیونکہ شیش محل کے پانچوں فلیٹ میں رنگین چاک کے ٹکڑے ملے تھے۔

فریدی نے اپنی کار کیفے جران کے راستے پر ڈال دی۔ کلاک ٹاور کا گھنٹہ ایک بجا کر خاموش ہو گیا تھا۔ سڑکیں آہستہ آہستہ ویران ہوتی جا رہی تھیں۔ ٹرینک کی بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کی وجہ سے کیفے جران تک کی مسافت طے کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔

کیفے جران پوری طرح آباد تھا۔ فریدی نے کاؤنٹر کلر سے مخبر کے متعلق پوچھا۔

لاش پر نظر پڑتے ہی فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کیونکہ مقتول کی صورت کچھ جلا بیچانی سی معلوم ہو رہی تھی۔ پھر اچانک اسے یاد آگیا کہ اُس نے اسے ذیکارٹس کے قتل والا رات کو کیفے جران میں دیکھا تھا، وہ مخبر کے ساتھ تھی۔

آصف نے فریدی کو حیرت سے دیکھا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی وہاں اور طرح پہنچ جائے گا۔ شاید اسے علم ہی نہ رہا ہو کہ قریب ہی ایک داخانے سے ریکھا حمید کو فرا رکچی ہے۔

”میں اس لڑکی کو پہلے سے جانتا تھا۔ تم کچھ اور نہ سمجھتا۔“ فریدی نے کہا اور لاش کے طرف دیکھنے لگا۔ گولی سرکی پشت میں لگی تھی۔ لاش جس پوزیشن میں پڑی تھی اس سے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ حملہ آور کو دیکھ ہی نہ سکی ہو گی۔ لاش اونڈھی پڑی تھی۔ فریدی نے لیٹھنیٹ سگھ کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

”لاش اسی حالت میں ملی یا پوزیشن تبدیل کی گئی ہے؟“ اس نے اس سے پوچھا۔  
”نہیں ابھی اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔“ لیٹھنیٹ سگھ نے کہا۔ ”آصف کا طریقہ لا جدید ترین ہے۔ لیکن خدار ایسے پوچھنے گا کہ اس سلسلے میں اس کا کیا خیال ہے۔“  
”نہیں..... میں نہیں پوچھوں گا۔“ فریدی نے اس دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے جس کے سامنے لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ دروازے کمرے کا دروازہ تھا۔

فریدی اس کی طرف بڑھا تھا کہ آصف نے ٹوک دیا۔  
”کس کی اجازت سے؟“

”کام کے وقت ٹوکانہ کرو۔“ فریدی نے کہا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔  
دوسری طرف اور کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس فلیٹ میں یہی دو کمرے تھے۔  
ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا تھا کہ قاتل اس کی آمد سے پہلے اس کی طرح فلیٹ میں داخل ہو گیا ہو گا۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس کی دانست میں بھی پہلے سے ہوئی رہا ہو۔ مگر گولی کا نشانہ سرکی پشت پر تھا۔ اس لئے زیادہ قرین قیاس یہی بات تھی کہ حملہ مقتول کا لا علی ہی میں کیا گیا ہو گا۔

بلد نمبر 17  
”نہ جانے آپ کس کی بات کر رہے ہیں کہل صاحب! یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مگر پ یہ سب سملے میں پوچھ رہے ہیں۔“

”میں جس لڑکی کے متعلق پوچھ رہا ہوں، اُسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔“  
”کیا؟“

”میں ہاں قتل... لکنس لین کی ایک عمارت میں۔“

”لکنس لین کی عمارت۔“ فریدی بولے۔ ”سیسل ڈگراف۔“

”میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔“ فریدی نے صحیح کی۔ ”وہ اپنے رہائش قیمت میں قل کی گئی ہے۔“  
”بڑوہ میری جیرنگٹن نہیں ہو سکتی۔“

”کیوں؟ کوئی وجہ؟“

”وہ راجہ اسٹریٹ میں رہتی ہے۔“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”آپ نے تو

خیڑا عادی دیا تھا۔ کیا آپ کو رس سے دچکی نہیں ہے؟“

”ہاں! مجھے جھلانے کا موقعہ نہ دیجئے تو بہتر ہے۔“ فریدی نے خنک لبھ میں کہا۔ ”میں فریدی نے جیرے کے اس سوال پر چوک پڑا۔

”آپ نے یہ کیوں پوچھا... کیا اس بات کا موقع تھا۔“

”میں ہاں.... رس سے دچکی رکھنے والا ہر آدمی میری جیرنگٹن سے ضرور واقف ہو گا۔“

”لیونکہ وہ رس کو رس میں پریوں کی طرح انکھیلیاں کرتی پھرتی ہے۔ اس کے پاس دونہایت

ٹانکار گھوڑے ٹپکت اور شہباز ہیں۔ اس بارٹپکت اور یلو ٹکٹھر کا مقابلہ تھا۔ مگر اب شاید یلو

ٹکٹھر نہ دوڑ سکے۔ میں نے بھی سنا ہے، صد کا لڑکا اسد تو بڑے مذہبی خیالات کا آدمی ہے۔ وہ

”اب اس کا کیا جواب دوں۔“ فریدی نے شر میلے انداز میں کہا۔ ”ہم بہت گھرے دست بسا رس میں نہیں دوڑائے گا۔ پھر آپ یقین کیجئے کہ اس بارٹپکت نے بازی جیت لی۔“

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوا، اُس نے کہا۔ ”میری

داست نے مجھے آج تک دھوکا نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ متول وہی لڑکی ہے جسے میں نے

ل رات آپ کیساتھ دیکھا تھا۔ اچھا کیا اس کے کوئی بہن بھی ہے جو اس سے مشابہت رکھتی ہو؟“

”نہیں! میری جیرنگٹن کی کوئی بہن نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”کیا آپ تھوڑی سی

شیجر اپنے کمرے ہی میں موجود تھا۔ ایک ویٹر نے اس کی رہنمائی کی۔

”اوہ! کہل صاحب۔“ شیجر اٹھ کر قدرے جھلکتا ہوا بولا۔ ”تشریف لا یے۔“

”میں سیسل پے کرافٹ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؟“

”سیسل پے کرافٹ...!“ شیجر بڑا بڑا۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”سیسل پے کرافٹ۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر آپ اس نام کے بیچ پوچھیں تو میں نہ ہوں۔“

”سکوں گا۔“

”میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔“ فریدی نے اس طرح کہا جیسے اپنی یاد داشت پر زر“

”دے رہا ہو۔“

”مجھے حیرت ہے۔“ فریدی مکرایا۔ ”حالانکہ آپ لڑکی سے بہت زیادہ بے تکلف“

”علوم ہوتے تھے۔“

”لڑکی! کیا یہ کسی لڑکی کا نام ہے؟“

”ہاں! مجھے جھلانے کا موقعہ نہ دیجئے تو بہتر ہے۔“ فریدی نے خنک لبھ میں کہا۔ ”میں فریدی نے کھل کر کہا۔“ کیا نام لیا تھا آپ نے...!

”آس لڑکی کا تذکرہ کر رہا ہوں جو ڈیکارٹس کے قتل والی رات کو آپ کے ساتھ تھی۔“

”ہاں! میں...!“ فریدی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

”سیسل پے کرافٹ۔“

”نہیں جتاب۔“ فریدی نے ساختہ ہنس پڑا۔ ”اس کا نام میری جیرنگٹن ہے۔“

”آپ کو یقین ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اب اس کا کیا جواب دوں۔“ فریدی نے شر میلے انداز میں کہا۔ ”ہم بہت گھرے دست ہیں اور شاید آسیں ایک دوسرے کی پشت ہاپٹت کے نام زبانی یاد ہوں۔“

”تب تو یقیناً آپ کو بہت صدمہ ہو گا۔“

”کیا مطلب...؟“

”اس کا نام سیسل پے کرافٹ تھا اور اس کی شہادت تقریباً ایک درجن آدمی دیں گے خود اس کے پڑوںی۔“

بے موت مر جاؤں گا۔ آپ کسی سیسل پے کرافٹ کا تذکرہ کر رہے تھے۔ جو کنکن لین میں رہتی تھی۔ میری راجس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو کہ آپ کی میری محفوظ ہو۔“ فریدی بولا۔ ”خیس تذکرے کے جانے دیجئے۔ میں ڈیکارٹس کے متعلق کچھ لفظ کرو کرنا چاہتا ہوں۔“

”ڈیکارٹس...!“ فریدی نے ایک طویل سانس لی پھر بولا۔ ”وہ معاملہ تو میرے لئے سوہان روں بن گیا ہے۔ ایسا بدنام ہوا ہے کیونکہ خدا کی پناہ۔ بھوت والا واقعہ تو آپ نے اخبارات میں پڑھا ہی ہو گا۔ عجیب چیز تھی وہ بھی۔“

فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ جب اچھی طرح بھن پھکا تو بولا۔ ”میں اپنے آفس میں تھا کہ ہال سے ہر بونگ کی آواز آئی۔ بوکلا کراٹھا تو میز کے پائے سے الجھ کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح یا نہیں کہ کس طرح اٹھا، بہر حال.... جب ہال میں پہنچا تو عجیب کیفیت نظر آئی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہاں مہا بھارت ہوئی ہو۔ میز اسی پڑی تھیں اور وہاں ان لوگوں کی رہے تھے۔ حالانکہ میں ہال ہی میں سے گزر کر آیا تھا، اور مجھ سے قدم لے لجھے جو مجھے وہاں کسی کا سایہ بھی نظر آیا ہو۔“

”آپ کے یہاں بار بھی تو ہے۔“ فریدی نے کہا۔  
”جی ہاں...!“

”پھر ہو سکتا ہے کہ کوئی شرابی بہک گیا ہو۔“

”مگر جتاب! میرا بار بند رونش میں نہیں تھا۔ وہ قدم کھا کر کہتا ہے۔“

”ضرور وہ کمزور دماغ کا آدمی ہو گا۔ اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے کہ قتل ہونے کے بعد آدمی بھوت بن جاتا ہے، اور اس کی روح انتقام کیلئے بھکتی رہتی ہے۔ خیز چھوڑیے بھوتوں کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔ ڈیکارٹس کے ساتھیوں میں سے بھی کبھی کوئی نظر آیا تھا۔“

”نظر آتا تو میں آپ کو ضرور مطلع کرتا، وعدہ کر چکا ہوں!“

”بڑے عجیب لوگ تھے۔ ڈیکارٹس کی قیام کا سراغ ہمیں مل گیا تھا لیکن وہاں کوئی

تکلیف برداشت کریں گے؟“

”فرمائیے! میرے لائق جو بھی خدمت ہو۔“ فریدی نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

”میں آپ کو کنکن لین تک لے جانا چاہتا ہوں۔“

”میں ضرور چلوں گا مگر...!“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی نے مستقر ان نظرؤں سے اس کی طرف دیکھا۔

”میں یہ عرض کر رہا تھا۔“ فریدی بولا۔ ”وہ کسی عورت کی لاش ہوگی۔ میں کس طرح دیکھ کر

”مگر...!“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”آپ کے جائزے کی بنا پر تو کہتی ہے۔“

بہت مضبوط دل کے آدمی ہیں۔ نہ صرف مضبوط دل کے بلکہ کسی حد تک سنگدل بھی۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی بھی جواباً مسکرا یا۔ ”مگر عورت کے معاملے میں نہیں۔ ایک

تراش چاٹو سے ایک عورت کی انگلی کٹ گئی تھی۔ میں نے خون بستے دیکھا اور مجھے چکرا

اگر میرے ساتھی نے سہارا ندیا ہوتا تو گردی پڑتا۔ ویسے آپ کہہ رہے ہیں تو میں ضرور

گا۔ کیونکہ آپ میرے ہیرو ہیں اور میں آپ کی دوستی کا خواہش مند ہوں۔“

”مشکر یہ...!“

وہ دونوں کیفے سے باہر نکلے۔ فریدی نے اسے اپنی ہی کار میں بیٹھنے کی پیش کا

حالانکہ فریدی کی کاروں ہیں موجود تھیں۔

”میں آپ کو پہنچا دوں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”ارے نہیں.... آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ کنکن لین میں میکیوں کا ادا“

ہے۔“ فریدی کی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی ہی سے سفر کرتے رہے۔ پھر فریدی بولا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔ اس دوران میں جتنے بھی قتل ہوئے ہیں وہ سب کسی کا“

ریس ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ صمد کے دو جاکی اور صمد اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ اس لارڈ

گھوڑے بھی ریس میں دوڑتے ہیں۔“

”خدا را آپ اس لڑکی کو قتل نہ کیجئے۔“ فریدی بمان جانے والے لجھ میں بولا۔“

اُسی چیز نہیں ملی جس سے اس کی یا اس کے ساتھیوں کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔ اچھا کیا؟ تھا۔ مگر انہیں معلوم ہوا کہ لاش وہاں سے لے جائی جا سکتی ہے۔  
جانی ہیں کہ ڈیکارٹس بھی ریس کاریا تھا؟“  
”یہ تو براہو۔“ فریدی بڑھ دیا۔

”اب ہمیں کہاں جانا ہو گا؟“ نیجر نے پوچھا۔

”اب تو بس کوتولی ہی چلنا ہو گا۔!“

”چلئے! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”آپ کا وقت بر باد کر رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں.... آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ میں کوئی خاص کام نہیں کر رہا تھا۔ ویسے یہاں

میری کے رہنے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ اتنی مغلس نہیں ہے کہ اس قسم کی عمارتوں کے قلعیوں

میں رہتی پھرے۔“

کار پھر چل پڑی اور وہاں سے کوتولی تک کے راستے میں وہ دونوں خاموش ہی رہے۔

کوتولی تک کر فریدی نے مردہ خانے کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں سنتری کے علاوہ اور کوئی نہیں

تھا جس نے فریدی کو دیکھتے ہی سیلوٹ کیا۔

”وہ اس اینگلو افریں لاکی کی لاش۔“ فریدی نے اس سے کہا۔

”نمبر دو میں جتاب۔“ سنتری نے جواب دیا۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی پڑی تھی۔ فریدی نے

جھک کر اس کا چہرہ کھوں دیا۔ ساتھ ہی نیجر کے طلق سے ایک جگر خراش چیخ نکلی اور وہ چاروں

شانے چٹ فرش پر گر گیا۔

”اوہو....!“ فریدی اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔ ”یہ کیا کر رہے ہیں آپ.... اگر کسی کی نظر پڑ گئی

تو زندگی ملتی ہو جائے گی آپ کی۔“

نیجر کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کھڑے لہر رہا تھا۔ یہ عالم تھا کہ اب کرا اور تب

گرا۔ فریدی اس کے شانے پر ٹوکرے ہوئے تھا۔

”دیکھ کے! منھلے! اتنی کمزوری.... نہیں آپ کو مرد ہونا چاہئے۔“

”مجھے یہاں سے لے چلئے۔“ نیجر آنکھیں بند کئے ہوئے پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔

”کیا واپسی! تب تو میرا شہر درست تھا۔“ نیجر بولا۔

”کیا شہر؟“ فریدی نے پوچھا۔

”پچھلے سال اسپورٹ میں ایک آدمی کی تصویر شائع ہوئی تھی۔ جس نے یلو ٹیکٹھر پر پکار ہزار جیتے تھے۔ ڈیکارٹس ہو بہو دیا ہی تھا۔ مگر پچاس ہزار جیتنے والے کامن چکھ اور تھا۔ مجھے اب نہیں.... مگر ڈیکارٹس ہرگز نہیں تھا۔“

”وہ اس سے پہلے بھی آپ کا گاہک رہا ہو گا۔“

”بھی نہیں.... اس کے بعد آیا تھا۔ آپ نے غالباً ایک بار مجھ سے فون پر بھی اس کے متعلق گفتگو کی تھی۔“

”بھی ہاں! مجھے یاد ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا حقیقتاً ڈیکارٹس وہی آدمی تھا....؟“ نیجر نے پوچھا۔

”شاید! دو تھوڑے سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ میں نے بھی اسپورٹ میں اس کی تصویر دیکھی تھی۔ مگر اس سلسلے میں ایک بات بڑی وجہ پڑ ہے۔ آباٹھر یے اپنے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔“

”فرمائیے۔“

”کیا اس نے خاص طور پر تیرہ نمبر کی میز کے ریزرویشن پر اصرار کیا تھا....؟“

”بھی ہاں!“ نیجر نے کہا۔ ”اور اسی لئے مجھے یہ بات آج بھی یاد ہے کہ یہ ریزرویشن پچاس ہزار جیتنے کے بعد ہوا تھا اور یہ بھی یاد ہے کہ اس جیت میں یلو ٹیکٹھر کا نمبر تیرہ تھا اگر، تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرنے پر زور نہ دیتا تو مجھے یلو ٹیکٹھر کا نمبر آج بھی یاد نہ ہوتا۔ آپ سمجھے ہیں نامیرا مطلب! ایسا اکثر ہوتا ہے۔“

”بھی ہاں! قطعی نفیا تی معاملہ ہے۔“

”لکھن لین میں پہنچ کر فریدی نے اسی عمارت کے سامنے کار روک دی جہاں قتل ہوا۔“

”یوں نہیں! پہلے آپ خود کو سنبھال لیجئے۔ ورنہ کوتواں والے آپ کو نگ کرڈیں گے۔ فریدی کچھ نہیں بولا اور پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔ راجس اسٹریٹ کی جس نیجر لاش کی طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان ارت کے سامنے نیجر نے کاروں کے کھا تھا وہ بڑی شاندار تھی۔ وہ دونوں کار سے اتر کر اندر عجیب طرح کی ویرانی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انداھا ہو گیا ہو۔

غل ہوئے۔

”ہاں! میں نے کہا کہ مجھے لے چلے۔“ اس نے کہا۔

صدر دروازے پر ایک صاف سحرے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ غالباً وہ چوکیدار تھا جو

”فریدی نے اس کی آواز میں بھی ویرانی محسوس کی، اجنبیت محسوس کی۔ یہ اس آدمی بک جاگ رہا تھا۔ فریدی نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی۔ میری جیگلن یعنی طور پر رات آواز نہیں معلوم ہوئی تھی جو کچھ دیر قبل اس سے کار میں گفتگو کرتا رہتا۔“

”چلے..... لیکن اس طرح نہیں.... ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے۔“

”چلے!“ وہ باہر نکلتا ہوا بولا۔

پہنچیں... اس نے خود کو سنبھال لیا تھا یا بھی تک اس پر وہی کیفیت طاری تھی۔ وہ ایک کمرے میں آئے۔ سامنے کی دیوار پر مقتولہ کی ایک بڑی تصویر آؤز اس تھی اور پھر کار میں بیٹھتے ہی اس نے پھوٹ پھوٹ کر روتا شروع کر دیا۔ فریدی نے اسے ریڈی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ دیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

## خانِ افضل

نیجر نے ہپکیوں اور سکیوں ..... یہاں ہے۔“ اب راجس اسٹریٹ چلے ..... میں آپا دکھاؤں میری دیں رہتی تھی۔“

”میں آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میری یاد داشت مجھے بہت کم ہو کا دیتی ہے۔“ نیجر نے یہاں پھر روتا شروع کر دیا۔ نوکروں کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی اور وہ سب نیجر نیجر کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ست پڑ گیا۔ کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ یہ تعداد میں پانچ تھے۔

”میں بر باد ہو گیا۔ فریدی صاحب۔“ اس نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔ ”دنیا میں“ ”دیکھو! تم لوگ دیکھو!“ نیجر روتا ہوا نوکروں سے بولا۔ ”اب میں کیا کروں ..... مجھے بتاؤ۔“ سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں تھا۔ اس کا ہر شوق پورا کرتا تھا۔ اب میں کیا کروں گا..... کہے جیوں گا۔ زندگی اندر ہیرے میں ریکھتا ہوا ایک اٹھدا معلوم ہو گی۔“

”گھوڑے سے تعلق رکھنے والا چو تھا قل..... اور سرخ دائرہ۔“ ”سرخ دائرہ...!“ دفترا نیجر اچھل پڑا۔ ”کیا اس میں بھی سرخ دائرہ؟“

”جی ہاں! اس کی لاش کے قریب بھی فرش پر سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔“ ”میرے خدا یہ کیا ہو رہا ہے۔“ نیجر بڑا لیا۔ ”سرخ دائرہ صد اور اس کے جا کیوں۔ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کسی دوسری جگہ سیل پکڑا فٹ کے نام سے بھی رہتی ہے؟“

”لاش کے قریب بھی نلا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بھی نہیں.... میرے لئے یہ چیز اس کی موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوئی ہے  
نہیں جانتا کہ اس کا مقصد کیا تھا۔“  
”اوہ.....!“ وہ اپنے سر کی بال نوچتا ہوا بولا۔ ”میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میری سمجھ میں نہیں  
نام سے مقیم تھی۔“

”کیوں، کیا پھر بھول گئے کہ اس نے آپ کو دھوکہ دیا تھا۔“  
”اوہ.....!“ وہ اپنے سر کی بال نوچتا ہوا بولا۔ ”میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میری سمجھ میں نہیں  
”نیالاں صبر کیجئے.... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔“  
”کیا مطلب....؟“  
”بھی کہتا تو تکلیف میں اس کے متعلق سب کچھ نہ معلوم کرلوں۔“  
”ٹھیک ہے.... گراپ....!“  
”کچھ نہیں.... اب ایک دوسرا بات بھی سننے۔ وہ آج حکم سراج رسانی کے ایک فرد کا  
تعاقب کرنی ہوئی تیار گردہ ہوئی تک گئی تھی۔“  
”کیا....؟ نہیں....؟ بھلا دہ کس طرح؟“  
”ایک پارٹی سرخ دائرہ والوں کے سلسلے میں تفتیش کر رہی ہے تا.... اسی کے ایک رکن کا  
اس نے تعاقب کیا تھا اور وہ تعاقب لکھ لین ہی سے شروع ہوا تھا۔“  
”میرے خدا.... کیا کر رہی تھی میری؟“  
”میں آپ سے متفق ہوں کہ وہ کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ ورنہ خود بھی کیوں مارڈاں  
جالی۔ کیوں؟ آپ خود سوچنے۔“  
”میں ہاں....!“ فیجر حقیقت پکھہ سوچ رہا تھا۔

”اوہ یہ سرخ دائرہ والے اتنے پھر تیلے اور چالاک ہیں کہ تعریف کرنے کو دل چاہتا  
ہے۔ انہوں نے ایک جیتے جائے آفیسر کی پشت پر سرخ دائرہ بنا دیا۔“

”ارے....؟“

”میں ہاں....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اوہ میں آپ کو کیا بتاؤں۔....  
لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ لوگ صرف گھوڑ دوزی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے چیچے  
کوں پر گئے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے۔ وہ یا تو تجویاں توڑتے ہیں یا پھر گھوڑ دوز سے تعلق  
رکھنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔“

”اب میں کیا بتاؤں جب کہ وہ مر چکی ہے۔ اسی صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے  
مجھے دھوکا دیتی رہی تھی.... ظاہر مجھے چاہتی تھی لیکن حقیقت وہ کوئی اور تھا جس سے اسے مجرما  
وہ تینا کوئی غریب آدمی رہا ہوگا، تبھی تو اس گھنیما سے فلیٹ میں ....!“  
”فیجر کی آواز غصیلی ہوتی جا رہی تھی اور اب اس میں غم کا شاہر بھی نہیں تھا۔  
”مجھے اس لئے چاہتی تھی کہ میری دولت اس کے لئے تن آسائیاں پیدا کرے۔“  
کی تکسین کے لئے کوئی اور نہیں تھا.... اُف یہ یورتیں۔“  
”تو یہ سارا ٹھاٹھ آپ ہی کی بدولت تھا۔“ فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔  
”میں ہاں.... قطعی.... نہ صرف یہ بلکہ دوسرے شوق بھی میں ہی پورے کرتا تھا۔ مثلاً  
دوز کا شوق، ٹپست اور شہزاد میں نے ہی اسے خرید کر دیئے تھے میں تجھ کہتا ہوں کہا  
انہیں گولی مار دوں گا.... لعنت ہے!“  
”ابھی تو آپ رورہے تھے جتاب۔“

” بلاشبہ رورہا تھا.... شاید زندگی بھر روتا ہوں۔ مگر یہ اب دیکھنے تاکہ مجھے دھوکا دیا۔  
آخر دوسری جگہ نام بدل کر رہنے کی کیا ضرورت تھی؟“  
”اور آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہ ٹھیک زور دا سکواڑ کے سامنے جا کر رہی تھی۔  
عمارت کے سامنے جہاں صدر رہتا تھا۔“ فریدی نے کہا۔  
”اوہ.... ہو....!“ فیجر کی آنکھیں جسم سے پھیل گئیں اور پھر وہ آہستہ سے بڑا  
”آخر یہ قصہ کیا ہے.... کہیں وہ کسی سازش کا شکار تو نہیں ہوئی۔“  
”خدا جانے۔“  
”کرٹل صاحب پتہ لگائیے..... میں اس کے لئے اپنی ساری پونچی صرف کر دوں گا۔“

”تو پھر میں کیا کروں۔“ فیر خوفزدہ سی آواز میں بولا۔ ”میں ان دونوں گھوڑوں کو گول کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کریں گے کہ میری جیرنگ قتل کردی گئی ہے۔ اسے سیل بھی مار دوں کیا...؟“

”کیوں؟ کیا ان دونوں کے دوڑنے سے مجرم آپ کی گرفت میں آجائیں گے؟“ پیرافت بھی رہنے دیجئے۔ اس وقت تک جب تک مجرموں کو پکڑنے لوں۔ دوسری صورت میں پولیس آپ کو اس قدر پیشان کرے گی کہ آپ گھوڑوں کو گولی مارنے کے بجائے اپنا بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے توقع یہی ہے۔“

”مگر اب میں ایک دوسری بات بھی سوچ رہا ہوں۔“

”وہ کیا...؟“

”اچھی بات ہے۔ میں کسی کو بھی نہ بتاؤں گا۔“ فیر نے کچھ سوچ کر سر ہلاتے ہوئے خاتمہ کر لیں گے۔“

”وہ دونوں گھوڑے میں نے میری بھی کے نام سے خریدے تھے۔ لہذا اس کے مرزا کہا۔“ مگر نکروں کو تو معلوم ہی ہو چکا ہے۔

”آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ انہیں میں ٹھیک کرلوں گا۔ وہ اپنی زبان سے اس کے متعلق کے بعد وہ میری بھی ملکیت ٹھہرے۔ نہیں کریں کہ صاحب یہ سازش برداہ راست میرے ہی خلاف ایک لفظ بھی نہ کہاں سکیں گے۔ اگر آپ سے کوئی میری جیرنگ کے متعلق پوچھے بھی تو کہہ دیجئے گا کہ وہ کہیں باہر گئی ہوئی ہے۔“

”میں یہی کروں گا کہ صاحب۔ مگر کہیں میرا بھی نمبر نہ آجائے۔“

”کیا مطلب....!“

”مطلوب! ارے و سکھنے نا صمد مارڈا لائی۔ اس کے جائی ختم کئے گئے۔ مخفی یونیورسٹر کی وجہ سے؟ یونیورسٹر کے بعد ٹپست کا نمبر آتا ہے۔ میری ٹپست کی مالک تھی وہ اس طرح مارڈالی گئی۔ اور اب ٹپست کا مالک میں ہوں۔ نہیں جتاب کریں صاحب! یا تو ٹپست دوڑے گا نہیں یا پھر میں ہی اسے گولی مار کر اپنی جان بچاؤں گا۔“

”آپ پھر بہک گئے، مرد بننے!“

فیر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ذہنی کش کمکش کے آثار تھے۔ آخر اس نے تھوڑی بی بدمردہ سی آواز میں کہا۔ ”اچھا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کروں گا۔“

”مگر! اس اب تھوڑا سا وقت اور لوں گا۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اچھا یہ بتائیے کہ ٹپست کے بعد کسی کے جتنے کی توقع ہو سکتی ہے؟“

”خندڑ... ہاں خندڑ رہی تو ہے!“

”اس کا مالک کون ہے؟“

”کیوں؟ آپ کے خلاف کیوں؟“ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”ظاہر ہے کہ یونیورسٹر کے بعد دوڑ میں ٹپست ہی کامیاب ہو گا۔ کیا لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی کہ ہو سکتا ہے میں نے ہی یہ سارا جال پچایا ہو۔“

”ہاں شبہ تو ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

”پھر بتائیے! بہتر یہی ہے کہ میں یا تو انہیں فروخت کر دوں یا گولی مار دوں۔“

”نہیں میں ان میں سے کسی کے لئے بھی مشورہ نہیں دوں گا۔“

”پھر بتائیے! میں کیا کروں؟“

”کتنی بار کہوں کہ ٹپست کو دوڑنے دیجئے۔ بقیہ میں دیکھ لوں گا۔“

”جیسی آپ کی مرضی۔ ویسے اب میرا دل ان کاموں سے میری طرح اچاٹ ہو گیا ہے۔“

”اب میرے چند سوالات کے جواب دیجئے۔ اس کے بعد میں آپ کو کیفے میں چھوڑ آؤں گا۔“

”اب بھلا اسکی صورت میں کیفے کی طرف جانا کہاں ہو سکتا ہے۔ رات میں بینیں بہ کروں گا۔ ورنہ یہ سارے نوکر رات ہی کو غائب ہو جائیں گے اور منصی بھاڑ جماڑ پھری ہوئی نظر آئے گی۔“

”خان افضل....!“ فیبر نے کہا۔

”آہا.... خان افضل.... اوہ....!“ فریدی ہوت سکوڑ کر رہا گیا۔ وہ خان افضل سے طرح واقف تھا۔ خان افضل شہر کے ان بڑے بدمعاشوں میں سے تھا جن کے عیوب ”میں ابھی کچھ نہیں سمجھتا۔ ابھی ہوئی ڈور کا ایک بہت بڑا گھر میرے سامنے پڑا ہوا ہے۔“ چھپا لیتا ہے۔ اگر اس کے پاس دولت نہ ہوتی تو اسے غنڈہ قرار دے کر شہر بدر کر دیا گیا۔ اور میں اس کے دونوں سرے تلاش کر رہا ہوں۔ جس دن ایک سرا بھی ہاتھ آگیا اسی دن میں کوئی مگر خان افضل جو دو تین فیکٹریوں کا مالک تھا اور سرکاری تیاریات کے ٹھیکنے لیا کرتا تھا شہر قلعی فیصلہ کر سکوں گا اور ہاں دوسری بات یہ کہ جب پچھلی رات آصف کو تو اسی سے اپنے گھر کیجا جاتا؟ وہ بالکل پڑھا کر سنا نہیں تھا، اس کے باوجود بھی اسے شہر کے بڑے بڑے تلویابیں جا رہا تھا ایک تاریک لگلی میں کسی نے اسے اخھا کر شیخ دیا اور پھر اس کی پشت پر وہی سرخ ادaroں کے جلوسوں کی صدارت کرنی پڑتی تھی اور اس کے متعلق لوگ کہا کرتے تھے کہ خدا ننان بنا کر فرار ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آج چھٹی پر ہے اور اس کی پیوی صدقہ خیرات مسب الاسباب ہے۔ جو ذکر مار دینے والی خطرناک مکہیوں سے شہد مہیا کرتا ہے۔ لہذا یہ کروڑی ہے۔

کی شان سے بعد نہیں ہے کہ کسی جائیں اور کندہ ناتراش کو جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کی تو۔ حید ہنسنے لگا۔ دریک نہستارہا پھر بولا۔ ”یہ سرخ دائرہ والے بھی بڑے ذہین اور باہر عطا کر دے۔“

تو خان افضل ایسا آدمی تھا کہ فریدی تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑا گیا۔

”عالم رہا تو آجھ کچھ دن بعد گھر ہی سے لکھا چھوڑ دے گا۔“

بہر حال پھر اس نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ پہلے کچھ دیر تک میری جیر گلشن کے نوکر لار کے اسکریوکسٹرہا۔ پھر فیبر کو وہیں چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

”ایک محروم عورت کی دلخوشی کر رہا تھا۔“ حید نے بخیگی سے کہا۔ ”اس کی عمر پینتالس دوسرے دن سر پھر تک وہ بہت مشغول رہا۔ اس نے پچھلی رات کے واقعات حید کو سال ہے۔ اسے اس بات کا بڑا اقتضی ہے کہ اب اس کی کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا۔“

”بہت بدنام ہو رہا ہوں تمہاری وجہ سے۔“ فریدی بُراسامتہ بنا کر بولا۔ دیے تھے اور حید دن بھر انہیں کے متعلق سوچا رہا تھا۔

”سہ پھر کو فریدی واپس آیا۔ حید اس کا مختصر ہی تھا۔ اسے موقع تھی کہ اب یہ کیس تیزک سبیل اللہ کر رہا ہوں۔ لوگ کہنے لگے کہ کرٹل فریدی کے استثنی کو دیکھو وہ بوڑھی عورتوں کو بھی اداس ہونے کا موقع نہیں دیتا۔“

”حید نے اس کے آتے ہی میری جیر گلشن کی گفتگو چھیڑ دی۔“

”میری جیر گلشن....!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”وہ ایک بڑی پر اسرار لار تھی۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ اس نے سیمل پے کرافٹ کے نام سے وہ قلیٹ اُنی دلا حاصل کیا تھا جس دن کیفے جران میں تیرہ نمبر کی میز ریز روکرائی گئی تھی۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ بھی ان پانچوں کی شریک تھی۔“

”کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ وہ پانچوں تو اس سرخ دائرہ سے بھی زیادہ پُرسار ہیں۔“

”اتما میں بتائے دیتا ہوں کہ وہ بہت بدتریز آدمی ہے۔“

نہیں کیا ہوا کہ جگ شروع ہوتے ہی وہ پھیلنے اور بڑھنے لگا۔ ابتداؤجی کپشوں میں مرغیاں پالائی کرنے سے ہوئی تھی اور انہا خدا جانے۔ کیونکہ اب بھی وہ پھیلتا اور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ فراز اچھا اور بد اخلاق تھا۔ گالیاں تو توک زبان پر رہتی تھی۔

مگر فریدی اور حمید کا استقبال اس نے خدھ پیشانی سے کیا۔ کچھ دری رکی گفتگو ہوتی رہی، پھر فریدی اصل موضوع پر آگیا۔ اس نے جیب سے میری جیرگن کی تصویر نکالی اور اسے دکھاتا ہوا بولا۔ ”کیا آپ اسے پیچانتے ہیں؟“

”ارے.... باسیں.... یہ تو میری ہے.... میری جیرگن.... کیوں کیا بات ہے؟“  
”اس نے ابھی حال ہی میں ایک رپورٹ درج کرائی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”اس کا خیال ہے کہ کوئی اس کے گھوڑے نپست کو آنے والی دوڑ میں شریک ہونے سے روکنا چاہتا ہے۔“

”اور وہ خان افضل کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے.... کیوں؟“ خان افضل نے بُرا سامنہ ہا کر کہا۔ ”مگر تھنڈر نپست کا باپ ہے۔ اس لوٹیا کا بھی دماغ خراب ہوا ہے۔ شاید.... کیوں؟“  
”مجھے اس کی اطلاع تو نہیں ہے مگر میں اس ریس میں شریک ہونے والے سارے گھوڑوں کے مالکوں سے مل رہا ہوں۔“

”ضرور ملتے.... میں منع نہیں کرتا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ وہ آپ کا قیمتی وقت بر باد کراہی ہے۔ اس کی ہشری بھجھ سے سنتے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی پا عزت عورت ہے۔ ہرگز نہیں۔ آدھے درجن آدمیوں کو تو میں جانتا ہوں جن کی وہ داشتہ رہ پچکی ہے۔ اب آج کل گریشن کی دولت سے کھلی رہی ہے۔“

”کون گریشن! کیفے جران کا نیجرا نا!...!  
”ہاں وہی!...!  
”کیا گریشن دولت مند بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک نیجرا!...!  
”نیجرا!...!“ خان افضل نے ایک گنجائی ساق تھہ کیا۔ ”وہ کیفے جران کا مالک ہے....  
مکن نہیں اس کے اور بھی درجنوں کاروبار ہیں۔ پا فراڈیا ہے سالا!...!“

”مجھے علم ہے۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”تم تیار ہو جاؤ۔“

”آپ جائیے۔ میں تو برداشت نہ کر سکوں گا۔“ حمید نے کہا اور بڑھتا ہوا کر گیا۔ فریدی اس کا انتظار کرتا رہا۔ آج وہ دن بھر دوڑتا رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے کی کہہ رہی تھی جیسے ابھی ابھی سوکر اٹھا ہو۔

حمدی چلنے کے لئے تیار ہو کر آگیا لیکن وہ جنگی لباس میں تھا۔ خطرناک مہموں پر سے پہلے وہ عموماً اسی قسم کی تیاریاں کیا کرتا تھا۔ اس کے جسم پر چہرے کا جیکٹ ہوا کرتا تو کے استر میں اندر کی طرف ریوالوں کے کارتوں رکھنے کے لئے بے شمار خانے تھے۔ جیکٹ نیچے کمر پر ایک چوڑی سی پٹی۔ جس سے داسیں باسیں دو ہوشٹر لٹکتے رہتے تھے اور ہو لٹرو پڑے ہوئے ریوالوں بھی خالی نہیں ہوا کرتے تھے۔ ایسے موقع پر نہ تو وہ تائی باندھتا غور ایسی چلوں پہنتا تھا جن کے پانچ ٹھوں سے نیچ ہوں۔

”بہت خوب!...!“ فریدی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا مسکرا یا۔ ”اے میکیا چڑا ہے، ہم کوئی ڈرامہ اٹھ کرنے نہیں جا رہے ہیں۔“

”آپ نہیں سمجھتے! وہ بڑا لفڑا ہے۔ ابھی پچھلے ہی مینے کی بات ہے اس نے ابک انسپکٹر کو اپنے مکان میں بند کر کے بُری طرح پیٹا تھا۔ اس کے بعد اپنے کپڑے چھانے پر دو چار خراشیں ڈال کر سیدھا کمشنر صاحب کے بنگلے پر پہنچ گیا اور رپورٹ کردی کفلال انسپکٹر نے میرے ساتھ بد سلوکی کی ہے۔ بے چارا سب انسپکٹر اس وقت تک بند رہا جائے کو تو اسی میں سب انسپکٹر کے خلاف رپورٹ نہیں لکھ لی گئی۔ جب وہ رپورٹ وغیرہ درج کر داپس ہوا تو اس کے آدمیوں نے سب انسپکٹر کو چھوڑا۔ وہ معاملہ ابھی تک چل رہا تھا۔“

”اچھی بات ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر میں پٹنے لگوں تو تم بھاگ آتا پوری اجازت ہے۔“

تمہوزی دیر بعد وہ خان افضل سے ملتے کے لئے روانہ ہو گئے۔ خان افضل ایک بھر کم آدمی تھا۔ اس کے بڑے سے چہرے پر چوٹ کے کئی نشان تھے۔ آواز پاٹ دار!... تھی۔ جگ عظیم سے پہلے وہ ایک جنگ فیکٹری میں مشین صاف کرنے پر ملازم تھا۔

## ایک.... دو.... تین

بلد نمبر 17

سرخ دائرہ

خان افضل اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دونوں اس کے مانے ایسے لگ رہے تھے جیسے ”واباشتے بیٹھے ہوں۔“

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت خان افضل کی آنکھوں کے ”بین اب تشریف لے جائے۔“ وہ ہاتھ پھیلا کر دھاڑا۔ ”اگر یہ بات کسی اور نے کہی حرکت بند ہو جاتی تھی۔ نہ پلکیں جھکتی تھیں اور نہ دیدے ہی جبتش کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہوتی یا آپ فریدی صاحب کے ساتھ نہ ہوتے۔“ جیسے وہ پھر کی آنکھیں ہوں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ فریدی ابھی تک اس کے چہرے پر خیالات ہی ”مجھے افسوس ہے افضل صاحب، آپ تشریف رکھئے۔“ جذباتی تغیرات کا عکس نہیں دیکھ سکا تھا۔ ”مخفی جناب۔“ اس نے کہا اور یہی لخت دوسرے کرے کی طرف مزگا۔

”وہ کچھ بھی ہو افضل صاحب۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر میں یہ محبوں کر رہا ہوں کہ ابھی گھوڑوں کے مالکوں اور جو کیوں کی شامت آگئی ہے۔“ ”تم بڑے سور ہو۔“ فریدی حمید کی طرف دانت پیتا ہوا بولا۔

”واقعی بڑی غلطی ہوئی۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ وہ ہاتھ ہو جائیں گے۔ مجھے کوئی اس سے بھی زیادہ سخت بات کہنی جائے تھی۔“ ”صدھا اور اس کے جا کیوں کے قتل۔“ ”کیوں....؟“

”ہاں.... آس! میں نے بھی اکثر اس کے متعلق سوچا ہے، لیکن میں خائف نہیں ہوں۔“ ”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے.... چلو انھوں۔“ ”وہ دونوں باہر آئے۔ فریدی کا موڈ بہت خراب ہو گیا تھا اور حمید کی کس بات کا جواب آپ یقین کیجئے۔“ ”سرخ دائرہ والوں نے اب تک یا تو تجویریاں توڑیں اور پھر ان لوگوں کو قتل کیا ہے جن جیسیں دے رہا تھا۔“

کا کچھ نہ کچھ تعلق گھوڑ دوڑ سے بھی ہو۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“ ”آپ آج کل اتنے بھولے کیوں ہو گئے ہیں؟“ حمید نے کہا۔ ”میں اگر اپنا خیال ظاہر بھی کر دوں تو آپ کو اسے کیا فائدہ پہنچے گا؟“ ”بکواس مت کرو۔ بلکہ مجھے سے فی الحال الگ ہی ہو جاؤ تو بہتر ہے۔“ ”ارے آپ کیا بات کر رہے ہیں۔ وہ اس موضوع پر کوئی گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔“ ”میں کہتا ہوں خاموش رہو۔“ ”حید پھر نہیں بولا۔ کار سڑک پر دوڑتی رہی۔“ ”مگر مجھے پولیس کے ٹھکے سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔“ ”ہونی بھی نہیں چاہئے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”کیوں....؟“ ”کسی زمانے میں آپ پولیس کے ہاتھوں بہت نگ ہوئے ہوں گے۔“ ”کمیڈی کو روک نہ سکا۔ صرف دل ہی دل میں چھنجلا کر رہا گیا۔“

یہ اتفاقات ہی بڑے عجیب تھے۔ اب تک جتنے بھی کیس ہوئے تھے انہیں مجرم یا مجرموں نے ایک بھی انسانشان نہیں چھوڑا تھا جس سے ان کا سراغ ملنے میں مدد تھی اور وہ سرخ دائرہ۔ فریدی کا خیال تھا کہ وہ سرخ دائرہ دراصل اسی لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ پولیس کو مجرم کا راغع ہی نہیں سکے۔ اس لئے فریدی کے پاس ایک نصیحتی توجیہ تھی اس کا کہنا تھا کہ لوگ سرخ نشان دیکھ کر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی

مجرم سے کوئی غلطی ہی سرزد نہ ہو۔ اس کے ثبوت میں وہ ڈیکارٹس کے حالیہ قتل کا واقعہ اسی سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ اب یہ کیس کی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے والا ہے۔ تھا، اس میں مجرم نے دوسروں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ ڈیکارٹس نے خود کی فریدی ایسے موقع پر عموماً خاموش ہی ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اس میں کامیاب نہ ہوسکا، اس نے سریا سینے کی بجائے گردن کے ایک پہلو پر رانہ پھر ایک دن حمید کو معلوم ہوا کہ وہ آئندہ ہونے والی ایک رسیں کا منتظر تھا اور پھر شاید فائز کیا تھا۔ بہر حال اس کیس میں سرخ دائرہ کو دھل نہیں تھا۔ اسی لئے یہ معمولی سی بات زندگی میں پہلی بار ان لوگوں نے رسیں کو رس میں قدم رکھا۔ اس سے قبل انہیں کسی کیس کے کی بھجہ میں آگئی تھی۔ لیکن اگر وہاں وہ سرخ دائرہ موجود ہوتا تو شاید اس کی طرف دھیان سلیمانی میں بھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ فریدی تو خیر تھا ہمیں محتاط آدمی لیکن حمید کو بھی کبھی ضرورت نہ پیش آتی۔ رسیں یہ اطمینان ہو جاتا کہ یہ حرکت سرخ دائرہ والوں ہی کی۔ رسیں سے کوئی دچپی نہیں تھی۔

روزانہ جوں کی خانہ پر پی کر دی جاتی۔ گرجب اس نے رسیں کو رس میں قدم رکھا تو اسے دل ہی دل میں عہد کرنا پڑا کہ وہ بہر حال تین دن گزر گئے اور وہ ادھر ادھر سرمارتا رہا۔ دوسری طرف اعلیٰ حکام تاک آئندہ بھی یہاں آتا رہے گا۔ کیونکہ وہاں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔ دم کے ہوئے تھے کہ اب اسے اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہئے۔ لیکن وہ باضابطہ رسیں شروع ہونے میں بھی دریتی۔ فریدی اصطبلوں کی طرف بڑھا جو یہاں سے دو پر اس کا انچارج بننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ذی۔ آئی۔ جی نے اسے سمجھایا بھی کہ اس کا ڈھانی فرلانگ کے قابلے پر واقع تھے۔ محض یہ تھا کہ آصف وغیرہ کی نالائق کا خود انہیں یقین دلایا جائے، کیونکہ انہیں اعلیٰ حکام جانبداری کی شکایت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ فریدی اور حمید کے علاوہ اور کسی کو موقع ہی کر جاتا ہے کہ انہیں اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا اتفاق ہو۔

آصف کا یہ عالم تھا کہ اب اس کی روح لرزنے لگی تھی۔ سرخ دائرہ کے نام ہی پڑا سے ملا تھا۔ مفت اتر جاتا تھا۔ میری جرگٹن کے قتل والی رات کے واقعہ نے اسی طرح اس کے والہ ”آہا... کرل صاحب.... آئیے آئیے! کیا بتاؤں.... آج مجھے یہاں آتا پڑا...“ گریش کر دیے تھے مگر اس کی وجہ اسکی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ مجرم ہمیشہ محض بلکل سی تسبیہ کر کے نے گوگر آواز میں کہا۔ ”اور جتاب، میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں بھی خطرے میں ہوں۔“ چھوڑ کیوں دیتا ہے۔ بہر حال آصف کا بڑا حال تھا اور وہ خدا سے دعا کر رہا تھا کہ اب ٹھا کوئی ایسی واردات نہ ہو جس کے سلسلے میں اسے وہ منہوس سرخ دائرہ دیکھنا پڑے۔ مگر یہ غرض نہیں تھا کہ اس کی دعا قبول ہی ہو جاتی۔ میری کے قتل کی دوسری ہی رات کو ایک پینک کا کوہہ بڑے منظم طریقے پر یہ کام کرتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ دو ہی تجویزیاں ٹوٹ گئیں اور ان تجویزوں پر وہی سرخ دائرے موجود تھے۔

فریدی ایک ایک کر کے اگلی رسیں میں حصہ لینے والے سارے گھوڑوں کے مالکوں پر چکا تھا۔ لیکن حمید کو یقین تھا کہ خود فریدی کی نظرتوں میں بھی ان ملاقاتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور اب وہ یہ بھی محسوس کرنے لگا تھا کہ فریدی غیر معمولی طور پر خاموش رہنے لگا۔ ”من نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ ”ہم سکتا ہے کہ وہ آپ ہی کے محلے کے آدمی ہوں۔“ ”تمہرے محلے کے انہیں میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی ایکم نہیں تھی۔ خیر میں دیکھوں گا کہ

وہ کون لوگ ہیں۔“

”مگر کرٹل صاحب!“ گریش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ایک بات سمجھ میں نہیں تھی... سکتل ہوا، گھوڑے دوڑ پڑے... میری جرگلشن کا ٹپست دسرے نمبر پر تھا۔ خان افضل کا اگر یہ صرف گھوڑوں کی ہار جیت کا معاملہ ہے تو آدمی کیوں قتل کئے جا رہے ہیں؟“ تھنڈر اس کے آگے جا رہا تھا۔ اچانک ایک تیرے گھوڑے نے تھنڈر کے آگے نکلنے کی کوش خطرناک طریقہ یہ تھا کہ وہ گھوڑے ہی ختم کر دیجے جاتے۔ مثلا یلو ٹینٹھر، ٹپست یا اور کلسا۔ اس طرح وہ ٹپست کے برادر پہنچ گیا۔ ٹپست اور تھنڈر میں بہت کم فاصلہ تھا۔ دیکھتے ہی کی طرف سے خدشہ ہوتا۔“

”میں خود بھی حیرت میں ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور میں ابھی تک اس کے عقزے کے پیچے تھا۔ پھر یک بیک ٹپست سر کے مل نیچے چلا گیا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ وہ کیسے صحیح رائے قائم نہیں کرسکا۔“

”مگر یہاں ریس کورس میں آپ کی موجودگی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آج یہاں اور پھر کچھ دیر بعد تھنڈر کی جیت کا اعلان کر دیا گیا۔ ٹپست کے گرد بھیرا کشاہ ہوئی تھی اور زیادہ تر تماشائی ٹھنڈی ٹھنڈی سانیں بھر رہے تھے نہ کچھ ہو کر رہے گا۔“ گریش نے کہا۔

”آپ کا خیال صحیح ہے۔“ حمید سرہلا کر بولا۔ ”آج یہاں...!“

”اوہ مسٹر گریش۔“ فریدی نے حمید کو جملہ پورا کرنے کا موقع دیے بغیر کہا۔ ”آپ ادھر ٹپست کا جا کی تو گرتے ہی ختم ہو گیا تھا کیونکہ وہ بھی سر کے مل ہی گرا تھا اور اس وقت بہت مصروف معلوم ہوتے ہیں، ہم پھر ملیں گے۔“

فریدی اس سے مصافی کر کے آگے بڑھ گیا۔ پھر وہ دونوں اس جگہ جا کر رکے ہی ٹپست کو تھوڑی دیر بعد گولی مار دی گئی کیونکہ اس کے ایک پیر کی ہڈی نٹ گئی تھی۔ ادھر ٹپست دیاں چور چور ہو گئی تھیں۔ گریش دیاں کی طرح چیختا پھر رہا تھا۔ ”یہ دھوکا تھا... یہ سازش تھی۔“

یہاں پہنچے ہوئے انہیں تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک اصلبل سے ایک بدیت اس کی آواز لا اؤڈ پیکر پر سنی گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”کرٹل صاحب... خدا ٹپست کی نکل کر اُن کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر اس نے فریدی کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ ویسے لاش کے پاس آئیے۔ میں غائب کر دوں گا کہ یہ سازش تھی... جلد آئیے۔“

جو بشرہ شناسی میں کچھ نہ کچھ دھل رکھتا تھا اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں قائم کر سکا۔ بڑی عجیب بات تھی۔ مردہ جا کی کسی کو بھی پروانہ نہیں تھی۔ نہ گریش کو نہ تماشا یوں کو۔ ”سب ٹھیک ہے جناب۔ میں نے بہت کڑی نظر رکھی ہے۔ آپ لوگوں کے علاوہ“ گریش گھوڑے کی لاش پر مامن کر رہا تھا اور تماشائی اپنی لگائی ہوئی رقم کے ضائع ہونے پر آپیں تک ادھر کوئی غیر جانا بیچانا آدمی نہیں آیا۔“

”اور کوئی خاص بات۔“

”نہیں جناب.... اور سب ٹھیک ہے۔“

”اچھا جاؤ...!“

وہ چلا گیا۔ حمید نے اس کے متعلق پوچھا۔ مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔

”ہاں... ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے اس کی موت سے زیادہ جا کی کی موت سے سروکار ہے۔“

”مجھے کیوں بلایا ہے؟“ فریدی نے گریش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”اوہ... کرٹل صاحب۔“ گریش گلگیر آواز میں بولا۔ ”سازش۔“

یقیناً سازش کرنے والے کی سلامت ہی ہونی چاہئے۔ اس کا کیا نام تھا...؟“  
”سندر...!“ گریش نے کہا۔

”ہاں.... اچھا... آپ نے مائیکروfon پر کہا تھا کہ آپ اسے سازش ثابت کریں“  
فریدی نے کہا۔

”جی ہاں.... میں ثابت کر دوں گا۔ میں بچ کہتا ہوں آپ سے.... اگر مجھے نعلیں میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں پائی گئی تھی۔ اس کے بعد اگر کچھ ہوا تو وہ اس کے لئے ذمہ  
ہو جائے کہ یہ کس کی حرکت ہے تو میں اسے اسی طرح گولی مار دوں۔“

پھر اس نے ٹپست کاٹوٹا ہوا پیراٹھا کر کہا۔ ”یہ دیکھئے... اس کی نعل غائب ہے۔“ ”نعل تو ہر حال رعنی ہو گی۔“ گریش بولا۔ ”میرے جاکی! ریس شروع ہونے سے وہ  
اس کے ٹوٹے ہوئے پیر کی نعل غائب تھی۔

فریدی کی پیشانی پر ٹکنیں ابھر آئیں۔ پھر اس نے آہتہ سے کہا۔ ”ہاں.... ہے...“ ”ب پھر یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ دوڑتے دوڑتے ایک نعل نکل گیا۔ آپ یقین  
اور وہ مجھس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”اس ریس کو رس کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ دوڑتے وقت کسی گھوڑے کی نعل“ ”آپ جانئے۔“ گریش بُر اسامنہ بنا کر بولا۔ ”میں نے آپ کو آگاہ کر دیا۔“  
”جی ہو،“ گریش نے کہا۔

”یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں تھا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں صرف امکانات پر خور کر رہا  
ہوں۔ خیراب ہمیں سائیں کو بھی دیکھنا چاہئے، کیونکہ اس وقت تو نعل بدی نہیں جا سکتی جب  
”سائیں.... اودھ.... سائیں.... کمال ہے... یہ سب کچھ ہو گیا اور سائیں ندارد۔“ گلزار گھوڑا رہا ہو۔“

بوکھلانے ہوئے لجھ میں بولا۔

فریدی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے اسے کئی قسم کے معنی پہنانے اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

”دیکھ لیا آپ نے...!“ گریش نے کہا۔ ”حالانکہ اسے گھوڑے کی واپسی تک میہن رہنا  
”کیا وہ اس وقت اصطبل میں موجود تھا، جب گھوڑا ایسا جا رہا تھا؟“ فریدی نے پوچھا۔ چاہئے تھا۔“

”جی ہاں قطعی تھا.... آہا.... میں بھی کتنا گدھا ہوں.... یہ حرکت سائیں کو ملائے بغیر!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لیکن اس کی مجھس نظریں اب بھی اصطبل میں چاروں طرف بھکتی  
ہی نہیں کتی۔“

”نعلیں کس نے جا چکی تھیں؟“

”کپنی کے ایکراہیز نے.... میں بھی موجود تھا۔ اس نے نعلیں کی طرف سے بے طلب پھیل گیا۔“

”اُرے...!“ گریش اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

”نہیں ظاہر کی تھی۔“

”ریس شروع ہونے سے کتنی دیر پہلے جانچ کی گئی تھی؟“

”شاپر د گھنٹے قبل.... جی ہاں.... اور کیا...!“

”میں ایکراہیز اور سائیں دونوں سے ملتا چاہتا ہوں۔“

ایکراہیز نے فریدی کے استفار پر صاف کہہ دیا کہ جس وقت اس نے جانچ کی تھیں  
”جی ہاں.... میں ثابت کر دوں گا۔ میں بچ کہتا ہوں آپ سے.... اگر مجھے نعلیں میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں پائی گئی تھی۔ اس کے بعد اگر کچھ ہوا تو وہ اس کے لئے ذمہ  
ہو جائے کہ یہ کس کی حرکت ہے تو میں اسے اسی طرح گولی مار دوں۔“

”دار ترا نہیں دیا جا سکتا۔“

پھر اس نے ٹپست کاٹوٹا ہوا پیراٹھا کر کہا۔ ”یہ دیکھئے... اس کی نعل غائب ہے۔“ ”نعل تو ہر حال رعنی ہو گی۔“ ”میرے جاکی! ریس شروع ہونے سے وہ  
اس کے ٹوٹے ہوئے پیر کی نعل غائب تھی۔

منٹ قبل بھی نعلیں کی جانچ کرتے ہیں۔“

فریدی کی پیشانی پر ٹکنیں ابھر آئیں۔ پھر اس نے آہتہ سے کہا۔ ”ہاں.... ہے...“ ”ب پھر یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ دوڑتے دوڑتے ایک نعل نکل گیا۔ آپ یقین  
اور وہ مجھس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

کے ساتھ اسے سازش نہیں قرار دے سکتے۔“

”اس ریس کو رس کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ دوڑتے وقت کسی گھوڑے کی نعل“ ”آپ جانئے۔“ گریش بُر اسامنہ بنا کر بولا۔ ”میں نے آپ کو آگاہ کر دیا۔“  
”جی ہو،“ گریش نے کہا۔

”یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں تھا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں صرف امکانات پر خور کر رہا  
ہوں۔ خیراب ہمیں سائیں کو بھی دیکھنا چاہئے، کیونکہ اس وقت تو نعل بدی نہیں جا سکتی جب  
”سائیں.... اودھ.... سائیں.... کمال ہے... یہ سب کچھ ہو گیا اور سائیں ندارد۔“ گلزار گھوڑا رہا ہو۔“

بوکھلانے ہوئے لجھ میں بولا۔

فریدی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے اسے کئی قسم کے معنی پہنانے اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

”دیکھ لیا آپ نے...!“ گریش نے کہا۔ ”حالانکہ اسے گھوڑے کی واپسی تک میہن رہنا  
”کیا وہ اس وقت اصطبل میں موجود تھا، جب گھوڑا ایسا جا رہا تھا؟“ فریدی نے پوچھا۔ چاہئے تھا۔“

”جی ہاں قطعی تھا.... آہا.... میں بھی کتنا گدھا ہوں.... یہ حرکت سائیں کو ملائے بغیر!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لیکن اس کی مجھس نظریں اب بھی اصطبل میں چاروں طرف بھکتی  
ہی نہیں کتی۔“

”نعلیں کس نے جا چکی تھیں؟“

”کپنی کے ایکراہیز نے.... میں بھی موجود تھا۔ اس نے نعلیں کی طرف سے بے طلب پھیل گیا۔“

”اُرے...!“ گریش اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

”نہیں ظاہر کی تھی۔“

پھر وہ بڑی تیزی سے بھوسے کے اس ڈھیر کو ادھر پھیلانے لگا۔

”یہی.... یہی ہے۔“ گریش نے بے ساختہ کہا۔ ایک بیووش آدمی فرش پر پا اور کسر کا پچھلا حصہ بڑی طرح زخمی تھا۔ کسی وزنی چیز سے اُس کے سر پر ہرب لگائی گئی تھی۔

”میرے اندازے بہت کم غلط ہوتے ہیں۔“ گریش بڑا رہا تھا۔ ”سازشی یہ کہ میری کی موت کے بعد تم پست بھی نہ دوڑ سکے گا۔“

”پہلے اسے ہوش میں لانا چاہئے۔“ فریدی نے تنخ بجھے میں کہا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی جدو ججد کے بعد وہ ہوش میں آیا۔ لیکن اس کی حالت اچھی تھی۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ غیر تشغی بخش تھا۔

اس کے بیان کے مطابق کسی نے اس کی اعلیٰ میں عقب سے حملہ کیا تھا۔ سر کی نے اسے مزکر دیکھنے کا بھی موقعہ نہ دیا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکا۔ حتیٰ کہ کسی پر بڑا کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

”شاید اسکا لینڈ یارڈ والے بھی سرخ دارہ والوں کا سراغ نہ پا سکیں۔“ فریدی نے اسے سیل کر کے تمہارے پسروں کو دیا۔ ”کم بخت غلطی کرنا تو جانتے ہی نہیں۔“ سامنے بن کر کہا۔

## شکار کے لئے

تمن دن سک وہ پھر کھیاں مارتے رہے۔ یحید کا خیال تھا کہ آج کل وہ لوگ کھیاں رہے ہیں۔ ریس کروس والے واقعات کے بعد سے پھر کوئی واردات نہیں ہوئی تھی اور وہ ”واہ پر با تھر کے“ بیٹھے تھے۔ یحید فریدی کو بات پر چھڑتا رہتا۔

”جناب....!“ وہ کہتا۔ ”یہاں پانچ زندگیاں ختم ہو گئیں اور تفتیش کا یہ عالم ہے کہ روز اول.... کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ ذہنی طور پر تھک گئے ہیں۔“

”ناممکن نہیں ہے۔“ فریدی کا جواب ہوتا۔ آج تو دونوں میں صبح یعنی سے بڑی گرامگرم بحث ہو رہی تھی۔ آخ فریدی نے نگ آ کر

”تم پہ سمجھو کر میں مجرم سے واقف نہیں ہوں۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت اب تک میرے ہاتھ نہیں لگا۔ جس دن مجھے اس کی طرف سے اطمینان ہوا.... مجرم کے ہاتھوں میں جھٹکیاں دیکھ لیتا۔“

”تھکے ہوئے ذہن کی بات ہے۔ مگر خیر اسی بات کی خوشی ہے کہ ابھی اس میں اونچ کا مادہ باہی ہے جب آپ پکڑیں گے کہہ دیں گے کہ میں نے اسی کے لئے کہا تھا۔“

”ابے کیوں غصہ دلاتا ہے مجھے۔“ فریدی بے ساختہ بنس پڑا۔

”غصہ میں بھی آپ ثبوت سہیا کے بغیر اسے گرفتار نہیں کریں گے۔ میں جانتا ہوں۔“ ”پواہ مت کرو۔... ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں مجرم کا نام اور پتہ لکھ کر دے دوں۔“ مگر اس وقت تک نہ دیکھنا جب تک مجرم گرفتار نہ ہو جائے۔“

”اچھا چلتے.... یہی سمجھی۔“

فریدی نے ایک کانڈ پر کچھ لکھ کر اسے لفانے میں رکھتے ہوئے کہا۔

”میں اسے سیل کر کے تمہارے پسروں کو دیا۔“

اپاک فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے رسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والا شاید کوئی بہت سی اہم بات کہہ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔

آخ فریدی نے یہ کہتے ہوئے رسیور رکھ دیا۔ ”میں ابھی آرہا ہوں۔“

”کیوں اب کیا ہوا؟“

وہی پراسرار آدمی پھر دکھائی دیئے ہیں جو ریس والے حادثات سے پہلے کیفے جرمان کی گرانی کرتے رہے تھے۔

”وہ....!“

”چلو اٹھو....!“

”کیا اٹھوں.... میں جب بھی وہاں جاتا ہوں میری جیگٹن بڑی طرح یاد آنے لگتی ہے اور ساتھ ہی ریکھا کی بے مہری بھی۔ خیر میں بھی دیکھوں گا کہ یہ صاحبزادے کتنے پانی میں ہیں۔“ ”افسوں یہ ہے کہ عورت آدمی کو جنم دیتی ہے اس کی قبر نہیں بن سکتی۔ ورنہ میں تمہارے

”وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ ہر ایک کی نظر اس پر رعنی ہوگی۔“

”آپ کسی پر شنبیں ظاہر کر سکتے؟“

”نہیں، میں خواہ خواہ کسی کی گرد نہیں پھنسوانا چاہتا۔“

”مجھے اس کے عاشقوں کی لست چاہئے۔“

”کیا باب آپ میرا ملکہ اڑانا چاہتے ہیں کرتل صاحب۔“

”نہیں.... میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”مجھے علم نہیں ہے۔“ بغیر نے ناخوش گوار بچے میں کہا۔

”خیر آپ نہ بتائیے۔ لیکن خان افضل کم از کم اس کے نصف درجن عاشقوں کے نام تو

”باتی سکے گا۔“

”کیا مطلب....؟“

”سردار افضل نے اس کے کثیر العشاق ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔“

”تو وہ کتنا... اب اس طرح مجھے بھی ذیل کرنا چاہتا ہے۔“ گریش نے غرما کر کہا۔

”میری عورتیں صرف میری پابند رعنی ہیں۔ یقیناً میری کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔“

”آپ نے بتایا تھا کہ وہ کسی سرکاری سراغِ رسان کا تعاقب کرتی ہوئی نیا گراںک می تھی۔“

”ہاں... میں نے کہا تھا۔“

”پھر آپ بتائیے میں کیسے سمجھ لوں کہ وہ بھی کسی سازش کا شکار نہیں تھی۔ اگر وہ صرف

”خش کا معاملہ تھا تو نام تبدیل کر کے عشق کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی۔“

”حالانکہ عشق میں نام و نشان تک مت جاتا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”خیر اسے

”چھوڑیے۔ میں ذرا اس ڈاڑھی والے سفید کوٹ کو بھی دیکھ لوں۔“

”وہ عقیٰ دروازے سے نکل کر پھر گلی میں پہنچ گیا۔ وہ کیفے کے صدر دروازے سے ہال

”میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے اس سمت نگاہ ڈالی جہاں حمید کو چھوڑا تھا۔“

”مید نظر نہیں آیا اور کینے کے سامنے والے فٹ پاٹھ پر وہ آدمی بھی موجود نہیں تھا جس کی نگرانی

”کے لئے اس نے حمید کو ہدایت کی تھی۔ البتہ اس کی بجائے...“ مگر فریدی فوری طور پر اس کا فیصلہ

لئے اس کی کوشش کرتا۔“ فریدی نے جملائے ہوئے بچے میں کہا اور حمید ہنٹے گا۔

پھر وہ دونوں کیفے جرمان کے لئے رو ان ہو گئے۔ فریدی کا رکھ کیفے جرمان تک نہیں رکیا، بلکہ اسے ایک فرلاگ کے فاصلے پر ایک گلی میں کھڑا کر کے پیدل ہی کیفے جرمان اُن طرف چل پڑا۔

”ٹھہر دی!“ فریدی چلتے چلتے رک کر بولا۔ ”ہاں ہے تو...“ گریش نے یہی حلیہ بتایا تھا وہ کیفے کی مخالف سمت میں فٹ پاٹھ... ابے وہ سیاہ ڈاڑھی والا...!“

”آہا... ہے تو... پھر...؟“

”تم ہیں... اسی جگہ ٹھہر دیں۔“ عقیٰ دروازے سے کیفے میں جاتا ہوں۔“

فریدی حمید کو وہیں چھوڑ کر کیفے میں چلا گیا۔ وہ عقیٰ دروازے سے داخل ہونے پر ہال سے گذرے بغیر نیجر کے کمرے تک پہنچ گیا۔

”اوہ آپ آگئے۔“ گریش اٹھتا ہوا بولا۔ ”ایک باہر موجود ہے اور دوسرا ہاں میں بتائیے میں کیا کروں؟“

”فکر نہ کرو... ہاں میں کون ہے؟“

”وہ بھی ڈاڑھی ہی میں ہے اور اس کے جسم پر سفید کوٹ ہے۔“

”کیا بس یہ صرف نگرانی ہی کیا کرتے ہیں یا کوئی اور بھی حرکت...؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میرے اختلاج کے لئے یہ نگرانی ہی کیا کم ہے جناب۔“

”میں دیکھوں گا کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔“ فریدی نے کچھ سوچنے ہوئے کہا۔

”ویسے میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”فرمائیے...!“

”میری جیرنگن کے سلسلے میں آپ کا کوئی رقبہ تو نہیں تھا...؟“

”اس قبڑ کا تو اب نام ہی نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف میری پابند ہوتی تو سیل کے نام سے نکسن لین میں بھی کیوں رہتی۔“

”کیا آپ کسی ایسے آدمی سے واقف نہیں ہیں جس کی نظر اس پر رعنی ہو؟“

نہ کر سکا کہ اس دوسرے نے پہلے کی جگہ سنجھا ہی ہے۔ وہ ایک مبوبات کی دوکان کے شوکر جھکا ہوا تھا۔ لیکن اس کا حلیہ اسی آدمی کا ساتھا جس کے متعلق گریش نے اطلاع دی تھی کہ کینے کے ہال میں موجود ہے یعنی ڈاڑھی والا جس کے جسم پر سفید کوت تھا۔

میک اپ کے ماہر فریدی کو اس کی ڈاڑھی کچھ مصنوعی سی معلوم ہو رہی تھی۔ اس آدمی شوکس کے پاس سے ہٹ کر ایک نظر کیفے کی طرف ڈالی اور مبوبات کی دوکان میں چلا گیا۔ فریدی تیزی سے چلتا ہوا کیفے کے ہال میں آیا۔ مگر یہاں کوئی ایسا آدمی موجود نہیں تھا جو ریکھا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ لڑکی قتل کر دی گئی۔ جس نے اس کا نیا گرد تھا۔ کیونکہ اس کا مظاہرہ نہیں کیا، مبوبات کی دوکان میں ڈاڑھی والا اب بھی موجود تھا۔ فریدی دوکان میں داخل ہو گیا اور اس نے دوکان دار سے جدید ترین تراش کے فراں کی فرمائش کی۔ دراصل اس آدمی کو قریب سے دیکھ کر اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ وہ میک اپ میں ہے یا نہیں؟

دوسرा آدمی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اپنے سامنے پہلے ہوئے مبوبات کا جائزہ لے لیا۔

”وہ چار فراؤں دیکھنے کے بعد فریدی نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”مجھے تو سبھی اچھے ملے ہو رہے ہیں۔ مگر پہنچ والی.....“ پھر وہ اس طرح بڑپڑا نے لگا جیسے بلند آواز میں سوچ رہا۔“ وہی آکر لے جائیں گی۔“ پھر دوکاندار سے بولا۔ ”اچھا..... بہت شکریہ..... شام کو کہا پڑا گیا اور میں نے یہاں اس کے متعلق پوچھ چکھ کی۔ وہ تعداد میں چار ہیں۔ یہاں کے لوگوں کو اس لئے عجیب معلوم ہوتے ہیں کہ چاروں ڈاڑھی والے ہیں اور پانچوں جوان کے آئیں گے۔ ممکن ہے ناپسند کر دیا جائے۔“

دوکان سے نکل کر پیک فون بتوحہ سے اس نے سادہ لباس والوں کے لئے ایک تریا بعد آیا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔“ اٹش کو فون کیا اور شاید دو ہی منٹ بعد دو آدمی وہاں پہنچ گئے۔ فریدی انہیں سیاہ ڈاڑھی والا کی گمراہی کی ہدایت دے کر وہاں سے ہٹ آیا۔ لیکن کیفے جران میں دوبار، داخل نہیں ہوا۔ اب وہ حید کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ حید اسکے تھا۔ اب وہ میں ضرور ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اس سلسلے میں کوئی پیغام بھی بھیجا ہو۔ یہ سوچ کروہ گھر کی طرز روانہ ہو گیا۔

اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حید نے اس کے لئے دوبار فون کیا۔ آخری کال یہ تھی کہ ارجمن پورے کی شہامت بلڈنگ کے نیچے والے چائے خانے میں تھا۔

”آئیج جانا چاہئے۔“

فریدی کے لئے ایک سینٹنڈ کی بھی دیر کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ اب وہ ارجمن پورے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کیس سے بُری طرح اکتا گیا ہوتا۔ ”درےے اکتا ہی گئے تھے۔ آصف کی پارٹی کو تو ابھی تک سیل پیکرافٹ ہی کی حقیقت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ کیونکہ اخبارات میں اس کے قتل کی خبر شائع ہوئی تھی۔ تصویر نہیں چھپی تھی۔ ریکھا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ لڑکی قتل کر دی گئی۔ جس نے اس کا نیا گرد تھا۔ لیکن فریدی نے اسے اس چیز کا اطمینان کرنے سے بھی روک دیا تھا۔ بہر حال ابھی تک یہ بات ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ سیل پیکرافٹ کے ہام سے قتل ہونے والی میری جیرنگن تھی۔

”چائے خانے میں حید سے ملاقات ہوئی۔ فریدی کو دیکھتے ہیں حید کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے آہستہ سے کہا۔“ وہ چاروں اسی عمارت کی اوپری منزل پر رہتے ہیں اور ابھی حال ہی

”میں ایک پانچواں آدمی بھی ان کا شریک ہوا ہے۔“

”کس کی باتیں کر رہے ہو۔“ فریدی بڑپڑا یا۔

”مروع سے نئے۔ میں اس آدمی کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں وہ اوپری منزل پر آ کر لے جائیں گی۔“ پھر دوکاندار سے بولا۔ ”اچھا..... بہت شکریہ..... شام کو کہا لوگوں کو اس لئے عجیب معلوم ہوتے ہیں کہ چاروں ڈاڑھی والے ہیں اور پانچوں جوان جوان کے دوکان سے نکل کر پیک فون بتوحہ سے اس نے سادہ لباس والوں کے لئے ایک تریا بعد آیا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”کون ہے؟“

”کیوں!“

”اوہ..... ہو! وہ نسب زن۔“

”تھی ہاں..... وہی....!“

”اچھا..... پھر....!“

”اس وقت کیوں بھی اوپری منزل پر موجود ہے۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا اور حید نے کہا۔

”اگر یہ چاروں دنی ہوئے تو.... مطلب یہ کہ وہ چار آدمی جو ڈیکارٹس کی میز پر  
بھی میرے ساتھ ہیں۔“

حمد کچھ نہ بولا۔ ریکھا کے چہرے سے بھی صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ کچھ بھجھ دی نہیں سکی۔

”مگر آپ کام خراب کر دینے پر تلمیز ہیں ہیں کوئی صاحب۔ میں آپ سے پھر کہہ رہا ہوں کہ فوراً بلوا لجھے۔“

”میں گریش صاحب، یہ میرے اصول کے خلاف ہے، وہ چاروں یا چاروں کام اکیلے ہی ہوگا۔ فوراً کام مطلب ہے ہنگامہ..... اور ہنگامے کا مطلب تو آپ سمجھتے ہیں ہیں۔ اب دیکھئے گا کہ یہ کام کتنے شاعرانہ انداز میں انجام پاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ساتھ لیڈی انپکٹر میں ریکھا بھی ہیں۔“

## شکار اور شکاری

ریکھا کچھ چھپنی اور کچھ جھخجلانی۔ کیونکہ گریش اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ کسی موقع پر اس طرح اس کی ناٹگ گھسیتے گا۔

”میں کس طرح یقین کروں کہ آپ کامیاب ہی ہو جائیں گے۔“ گریش نے کہا۔

”ہو سکتا ہے یہ اطلاع ہی غلط ہو کہ آج وہ یہاں چوری کریں گے، یاد رست ہونے کی صورت میں یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی طرف سے ہوشیار ہوں۔“

”اس کی فکر نہ یکجہے..... میرے تجربہ بہت کم غلطیاں کرتے ہیں۔“

تقریباً گیارہ بجے تک وہ ہیں بیٹھے رہے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر دوسرا ریستوران میں جائیشے۔ لیکن اس علاقے میں ایک بھی ایسا ہوٹ یا ریستوران نہیں تھا جس میں رات بھر کی روں چلتی رہی ہو۔ ایک بجے وہ تیسرے ریستوران سے اٹھ جو بند ہونے والا تھا۔

”حمد ریال اور ہے تمہارے پاس۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”میں آج کل ہر وقت ریال اور رکھتا ہوں۔“

”خوب..... ٹھیک ہے۔ دوریوالوں کا فی ہیں۔“

”اگر یہ چاروں دنی ہوئے تو.... مطلب یہ کہ وہ چار آدمی جو ڈیکارٹس کی میز پر  
کرتے تھے؟“

”ممکن ہے۔“ فریدی نے بے خیالی کے انداز میں جواب دیا۔ پھر چونکہ کہ بولا۔“  
ان کا انتظام کئے دیتا ہوں۔ یہ کام تمہاری شایان شان نہیں کہ نقاب زنوں اور معمولی اچھوڑ  
تعاقب کرتے پھر وہ۔“

”یعنی آپ کو یقین نہیں ہے کہ یہ دنی چاروں ہیں۔“ حمید نے کہا۔  
فریدی کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ گیا اور حمید کو بھی اس کا ساتھ دیتا پڑا۔ فریدی نے اسے اپنی کار پر گھر واپس جانے کو کہا۔ وہ اس وقت اس کے کسی سوال کا جواب دینے پر آمادہ  
نہیں آتا تھا۔

پھر اس کے بعد حمید کو علم نہیں تھا کہ وہ سازا دن کیا کرتا رہا۔ تقریباً نو بجے رات کا  
فون آیا۔ اس نے حمید کو بینک آف تہران کے قریب ایک ریستوران میں بلا یا تھا۔ حمید  
وقت باہر جانے کے موڑ میں نہیں تھا۔ کیونکہ آج نہ جانے کیوں ریکھا نے بھی نو بجے اس  
پاس چھپنے کی اطلاع دی تھی اور حمید اس وقت اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ بہر حال حمید نے زندہ  
سے پوچھا کہ کیا وہ ریکھا کو بھی اپنے ساتھ لا سکتا ہے؟ اس پر فریدی کی آواز کچھ غصیل  
تھی۔ لیکن اس نے اسے اس سے روکا نہیں۔

ٹھیک نو بجے ریکھا آگئی۔ لیکن وہ کہیں جانے پر تیار نہیں تھی۔ غالباً وہ سرخ دارہ ہی۔  
بارے میں کوئی گفتگو کرنے آئی تھی۔

”میں آپ کو اس وقت فریدی صاحب کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ مطمئن رہئے  
کسی ہوٹ میں لے جا کر رقص کی درخواست نہیں کروں گا۔“

”وہ بینک آف تہران کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی ایکس واٹی زینٹر ریستوران میں ہے۔“  
ھا لیکن وہ تھا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ گریش بھی تھا۔

”سن حمید! اور تم بھی سنو ریکھا۔“ اس نے راز دارانہ لمحے میں کہا۔ ”آج میں سرخ  
والوں کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔ وہ بینک آف تہران میں چوری کریں گے۔ میرا خیال ہے۔“

پھر اچاک فریدی نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بینک کی عمارت کی دائیں ہاتھی فریدی اپنی ٹارچ بہت کم روشن کر رہا تھا اور وہ چاروں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک والی گلی میں داخل ہو رہے تھے۔ آس پاس کی دو کانیں بند ہو چکی تھیں اور یہ حصہ نہ صرف ڈرائیور میں آگے بڑھ رہے تھے۔ فریدی سب سے آگے تھا۔ شاید ریکھا کے لئے اس قسم کی مہم نئی بلکہ تاریک بھی تھا۔

”لیکن ہمیں معلوم کیسے ہو گا کہ وہ عمارت میں داخل ہو گے۔“ گریش نے سرگوشی کی۔ اچاک وہ چلتے چلتے روشنی میں آگئے۔ کرہ پوری طرح روشن تھا اور شاید بینک کا اسٹرائگ

”ابھی حال ہی میں ایک نقب زن بھی ان میں شامل ہو گیا ہے۔ کیشو یہاں کام شور فرم رہی تھا۔ کیونکہ یہاں چاروں طرف جبوریاں ہی تجویریاں نظر آرہی تھیں۔

زن اور کئی بار کا سزا یافتہ ہے۔ میں نے آج ہی اسے توڑ لیا ہے۔ وہ ہمیں سگل دے گا۔“ ان میں تین تجویریاں انہیں کھلی نظر آئیں۔ ایک کے نیچے چند چھوٹے چھوٹے زیورات

”تب تو پھر بازی ماری۔“ گریش نے ایک طویل سانس لے لی کر کہا۔ اب میر بھی پڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے بہت ہی جلدی میں تجویری کا سامان سمیٹا ہوا اور

مطمئن ہوں۔ میدان آپ ہی کے ہاتھ رہے گا۔“

”اب اگر ہم خاموشی اختیار کریں تو بہتر ہے۔“ فریدی بولا۔

”چوٹ ہو گئی..... چلو۔“ فریدی بڑی تیزی سے واپسی کے لئے مڑا۔ حمید اور ریکھا بھی

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک اندر ہمیں میں دیوار سے لگے کھڑے رہے۔ پھر اور پر کی ایک دروازے کی طرف بھیپھی۔ وہ دروازے تک پہنچ بھی گئے لیکن فریدی! ان کے منہ حیرت سے

کھڑکی میں ایک نخاں سا چمکدار نقطہ نظر آیا۔ یہ غالباً سلکتی ہوئی سگریٹ تھی۔ ”آؤ.....“ فریدی فریدی نے آگے بڑھنے کی بجائے پلٹ کر گریش کے جڑے پر گھونسہ رسید

سرک کی طرف بڑھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

وہ سرک پر آئے۔ بینک کی عمارت کے نیچے پہراہ دینے والے سنتری غائب تھا۔ گریش اچھل کر دوسرا طرف کی دیوار سے جانکریا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسٹرائگ

ان کی بندوقیں دیوار سے بکھی کھڑی تھیں۔

فریدی دبے پاؤں چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کو خوش کر رہا۔ حمید اور ریکھا جو دروازے ہی پر تھے بدحواسی میں اسٹرائگ روم سے

دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ زدیک یا دور ایک متفض بھی نہیں نظر آ رہا۔ نکل گئے۔

حمید کو حیرت ہی کر آ خسٹری کہاں گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ان دونوں کی لاشون۔ لیکن فریدی!.... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ کمرے کے اندر

نکا ہے یا باہر نکل گیا۔ اچاک حمید کو اپنی اس بزدلی کا احساس ہوا اور وہ ریوالوں کا الہام کاں ہی رہا تھا سبقہ نہ پڑے۔

اندر ہر طرف تاریکی تھی۔ فریدی کی نئی ہی ٹارچ کی باریکی شعاع ان کی رہنمائی کا نکل گیا۔ کمپریسٹر ایک فائر ہوا۔

”گریش ریوال پیچک دو۔“ انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔ ”نہ تم مجھے گولی مار سکتے ہو کر رہی ہی۔

تحوڑی ہی دیر چلنے کے بعد انہوں نے قدموں کی چاپ سنی، وہ رک گئے۔ سانچہ اور نہ یہاں سے نکل سکتے ہو۔ بہتر ہی ہے کہ داڑہ پورا کر دو۔ وہ ابھی ادھورا ہے۔ فریدی کے

ساتھی ہاتھ کی صفائی ذرا مشکل ہی سے چلتی ہے۔“

اک بات کا جواب تیرے فائر نے دیا۔ حمید نے فائر کے بعد ہی فریدی کا قہقہہ سنا جو اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ بتانا دشوار تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ پھر آگے بڑھے۔

کہہ رہا تھا۔ ”اچھا گریش خالی کردہ الپناریو الور اور آسانی رہے گی۔ میں نے تو قسم کھاڑی کیوں نہ ہو۔“ فریزی بولا۔ ”تم نے ان پانچوں کو محض اس لئے چھانسا تھا کہ ایک دن قتل کے کشمیے چھوپوں پر اپنے کارتوں سبھی برپا دئے کروں گا۔“

ازمامات ان کے سر تھوپ کر خود الگ ہو جاؤ۔ تم نے جسیں جس کر پانچ شاطر چوروں کو اکٹھا کیا پھر اچانک ریکھا اور حمید نے اپنی پشت پر بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔ پاؤ تھا۔ طریقہ کار ایسا تھا کہ وہ تمہاری شخصیت سے واقف نہ ہو سکے۔ تم ان کے ساتھ سائے کی انگلی طرف پڑھ رہے تھے۔ یہ لبے سیاہ لبادوں اور چہرے تک جھکی ہوئی فلت بیٹوں میں اُن طرح لگئے تھے۔ وہ جہاں کہیں بھی چوریاں کرتے تھے تم بھی ان کی علمی میں ان کے قریب ”خبردار آگے نہ بڑھتا۔“ حمید نے ریو الور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا ہی ہوتے تھے۔ وہ اپنا کام کر کے ہے اور تم نے اپنا کام شروع کر دیا۔ یعنی وہاں ایک سرخ ”ہمارے پاس پانچ ریو الور ہیں۔ سمجھے جناب پکتان صاحب۔“ آئے والوں میں دارہ بنا کر روچک ہو گئے۔ قتل کی وارداتوں کی ان غربیوں کو خرستک نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ قتل تم ایک نے کہا۔ مگر اس کی آواز سن کر حمید کا ہاتھ خود بخود جھک گیا۔ یہ کوتولی اچارن کرتے تھے اور وہاں بھی سرخ دارہ بناتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لوگوں نے ان سب وارداتوں جکدیش کی آواز تھی۔ جکدیش نے فلت ہیٹ کا گوشہ اور اپنے احادیث اور پھر کسی شہبے کی گنجائش کو کسی ایک پارٹی سے منسوب کرنا شروع کر دیا۔ تمہارا مقصد بھی یہی تھا تم ان چاروں کو میک رہ گئی۔ دوسروں کے چھرے بھی اب روشنی میں آگئے تھے۔ حمید نے ایک ایک کو پیچاں لایا۔ اپ میں بھی پیچانتے تھے۔ اس لئے تم نے مجھے ان کے پیچھے لگایا۔ تم نے یہ سوچا ہو گا کہ میں کچھ ذوق نہیں تھا۔

اچانک اندر سے دھینگاٹھی کی آواز آنے لگی۔ حمید دروازے کے سامنے آگیا۔ فراہم کرکوں اور تم اس دوران میں ان کی معیت میں پھر کہیں نہ کہیں اس سرخ دارہ سے فریڈی گریش پر ٹوٹ پڑا تھا۔ شاید وہ ابھی تک جبوری کی اوٹ میں چھپا رہا تھا؛ ملاقات کرادو۔ لیکن میں نے آج خود ہی تھہارے لئے سارے موقع فراہم کر دیئے۔ تمہیں اتنے آدمیوں کی بھیڑ کیکھ کر شاید مایوس ہو گیا تھا۔ کیونکہ جیسے ہی لوگ اندر داخل ہوئے ان۔ اس کا علم نہیں تھا کہ وہ چاروں پکڑے جا چکے ہیں ورنہ تم سے اس وقت یہاں دارہ بنانے کی تھافت سرزد نہ ہوتی۔ اس وقت تھہاری ایکم یہ تھی کہ تم کسی جگہ سرخ دارہ بناؤ گے۔ اگر وہ ہاتھ پر ڈال دیئے۔ اس کا ریوال دور فرش پر پڑا ہوا تھا۔

فریدی اسے کار سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ”دارہ پورا کرو۔“  
چاروں پکڑ لئے گئے تو وہ دائرہ انہیں سے منسوب کیا جائے گا اور تم صاف اپنی گردن بچالے  
اس نے ایک تجھوڑی کی طرف اشارہ کر کے کھا تھا۔ حید کی نظر تجوڑی پر پڑی۔ اس جاؤ گے اور ظاہر ہے کہ ان چاروں کی کھانوں پر کے یقین آتا۔۔۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ  
ایک ناکمل سرخ دائرہ موجود تھا اور اس کے نیچے فرش پر سرخ رنگ کی چاک کا نکڑا پڑا ہوا تھا۔  
جسکے تم پر پہلے ہی سے شہر ہو چکا تھا۔ اسی رات کو جب تمہارے کیفے میں ڈیکارٹس کا بھوٹ نمودار  
بوا تھا، تم نے اسے دیکھا تھا اور اس کی طرف سے لاپرواں بر تھی۔ تم سمجھتے تھے کہ شاید وہ  
گریش بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ان پانچ چوروں سے بھی  
ڈیکارٹس کے ساتھیوں ہی میں سے کسی کا باہر ہو پ۔ ہے۔ پھر تم نے باہر نکل کر لوگوں سے کہنا  
لیکن ان میں سے ایک بھی نقاب زنی کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ وہ پانچوں تو بچارے دو پہر عیا۔  
شروع کر دیا تھا کہ ہال میں تمہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔۔۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ  
حوالات میں ہیں۔“

ان پانچوں نے اپنے لبادے ڈھیلے کر دیئے تھے اور ان کے نیچے سے ان کی "بیوی" فریدی کی نے اسکے کرگ جھمکا۔

”گریش اس طرح لڑکھ رہا یا کہ فریدی بھی اس کے ساتھ گرتے گرتے بچا۔“  
”دگریش.... قاتل ایک نہ ایک دن پکڑا ہی جاتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی پھر تیلا اور جا۔“

گریش بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

"ارے....! دعٹا فریدی اس پر جھکتا ہوا بولا۔ "یہ تو مر گیا۔"

خان افضل اس کا بہت پرانا حیریف اور رقیب تھا۔ وہ اسے نہ صرف کاروباری میدان میں اکثر پھر شاید دو ہی منٹ بعد اس کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کا پانی بنہنے لگا۔ یہ زلکت دیا رہتا تھا، بلکہ اس کی بہتری مجبوباؤں پر بھی ڈورے ڈال چکا تھا۔

علامت تھی۔ اس دوران میں کسی وقت اس نے ان کی لا علیٰ میں زہر کھایا تھا۔ سوال یہ ہے بات راز ہی رعنی کہ میری جیرنگن نے ریکھا کا تعاقب کیوں کیا تھا اور وہ گنگن لین اسے زہر کھاں سے ملا؟ اس سلسلے میں صرف ایک ہی بات کہی جاسکتی تھی وہ یہ کہ اسے فیض میں اپنا ہام تبدیل کر کے گریش ہی کے ایماء پر رعنی تھی یا اسے علم نہیں تھا کہ گریش اس کی دوسری اب یقین نہ رہا ہو گا کہ وہ اپنی اسکیوں میں کامیاب ہی ہوتا رہے گا۔ اس نے اس نے اپنی بیٹت سے بھی واقف ہے۔

پاس زہر کھانا شروع کر دیا تھا، تاکہ ضرورت پڑنے پر چھانی کے پھندے سے تو محظوظ رہے۔ وہ نقیر بھی گریش ہی ہو سکتا تھا، جس نے چار عدد قربانی کے بکرے تیار کئے تھے۔ کیونکہ دوسرے دن کے اخبارات نے لیڈی انسپکٹر ریکھا، کتوالی انجارج انسپکٹر جلدی، گریش کی قیام گاہ سے فریدی نے میک اپ کا بہت سا جدید ترین سامان بھی برآمد کیا تھا۔

چاروں سب انسپکٹروں کا یہ کارنامہ جلی حروف میں شائع کیا۔ فریدی اور حمید کا کہیں نام بھی۔ بہر حال فریدی کو اسے اپنے ناکام کیوں میں جگد دینی پڑی۔ اس کا خیال تھا کہ گریش تھا۔ لیکن ابھی تک یہ بات صاف نہیں ہوئی تھی کہ قتل کی ان وارداتوں کا مقصد کیا تھا۔ اگر زہر نہ کھانا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ان وارداتوں کا کوئی تیرا مقصد بھی نکل آتا۔

دریافت کرنے کے سلسلے میں فریدی کو بڑی محنت کرنی پڑی۔ جب اس نے اپنی تحقیقات البتہ آصف کی پشت پر بنائے جانے والے نشأت کے متعلق وہ اب بھی شبے میں تھا۔ حاصل سامنے رکھا تو ایک کی بجائے دو مقاصد نظر آئے۔ ایک تو اس کا دوسرا گھوڑا شہزادہ اس کی دانت میں دلیر سے دلیر مجرم بھی اس قسم کا خطرہ نہیں مولے سکتا۔

ابھی تک رسیں میں دوڑ انہیں تھا اس کے لئے اس نے اپنا بھی ایک گھوڑا ٹپست ختم کر دیا۔ آخر ایک دن اس نے بہت غور و خوض کے بعد حمید کے کان بکڑھی لئے۔ اور حمید کو اعتراض کرنا پڑا کہ یہ حرکت اس کی تھی۔

"میں نے جتاب۔" اس نے تھقہہ لگا کر کہا۔ "کم از کم ایک ماہ کے لئے آصف کی کسر جا پڑتا۔ حقیقتاً وہ خان افضل کو پھانستا چاہتا تھا کیونکہ ان چاروں میں خان افضل کا جو زندگی کر دی تھی اور میری جیرنگن کی قتل والی رات کو تو مژہ ہی آ گیا تھا۔ میں نے ایک بھائی اکمل بھی شامل تھا۔

اس طرح توقیل کی وارداتوں کا مقصد اپنے ایک گھوڑے کو رسیں کے میدان میں نہایا۔ تاریک گلی میں اس کی ٹانگوں میں ٹانگ پھنسا کر گردایا۔ ایک منٹ تک سواری گانٹھے رہا اور پھر تھا۔ دوسرے مقصد کے سلسلے میں حالات کا تجزیہ کرنے پر میری جیرنگن کی شخصیت ابھر آئی۔ پشت پر سرخ دار ترہ بنا کر دوسری گلی میں چھلانگ لگادی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آصف کو لمبے بیجان پر چلا کی تیقش کے مطابق وہ نہ صرف فاحشہ بلکہ جسی بوالہوی کے مرض میں جلا تھی۔ صد اس جانا پڑا۔

وہ کجھا تھا کہ فریدی بھی اس پر تھقہہ لگائے گا۔۔۔ لیکن خلاف توقع فریدی اس پر برس پڑا، اور حمید دوسری باتیں سوچنے لگا تاکہ اس کے لیکھر کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ ہی نہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ گریش نے ان سب کے قتل کی اسکیم انتقامی جذبہ کے تحت بنائی ہو اور سامنے ہی ساتھ اس نے میری جیرنگن کا بھی خاتمه کر دیا ہو۔ جس کی بدولات اسے دوسروں کے لئے موقوع پر حمید خوبصورت لڑکوں کے متعلق سوچنے لگا تھا۔

کرنا پڑا تھا۔

تمام شد

## قاسم اور وہ لڑکیاں

# خو خوار لڑکیاں

گر انڈیل احمد قاسم راجس اسٹریٹ کے موڑ پر بڑی دری سے ان دونوں لڑکیوں کا انتقال کر رہا تھا۔ وہ اب تک درجنوں بار ان کا تعاقب کرچکا تھا۔ وہ لڑکیاں راجس اسٹریٹ عی میں کہیں رہتی تھیں لیکن قاسم ان کے گھروں سے نادافع تھا۔ اس کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی کہ وہ راجس اسٹریٹ کے اندر قدم بھی رکھتا۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں اس کے باپ کے کئی شناسار ہے تھے اور قاسم اپنے باپ سے بھی زیادہ اس کے ہنڑ سے ڈرتا تھا اور ہنڑ بھی ایسا نامعقول تھا کہ صرف لڑکیوں ہی کے معاملے میں بہت زیادہ چاق و چوبند ہو جایا کرتا تھا۔ قاسم کی یہوی دراصل اس کے باپ کی بھتیجی تھی اور قاسم کا کہنا تھا کہ وہ اس کی سب کچھ ہو سکتی تھی لیکن یہوی بھی نہیں ہو سکتی..... ہاں تو وہ ہنڑ صرف قاسم کی یہوی کے تحفظ کے لئے تھا۔

لیکن یہ کیپن حمید دھکا دے جائے اُسے ڈوبنے سے کون بچا سکتا ہے۔ قاسم آج کل دراصل اسی کی نصیحت پر عمل کر رہا تھا۔ یہ مشورہ اسی کا تھا کہ قاسم لڑکیوں کا تعاقب کیا کرے، کبھی تو کسی کا دل پیچے گا۔ قاسم نے بھی سوچا ہرج عی کیا ہے اس میں۔ کسی قسم کے دھوکے کا بھی امکان نہیں۔ دھوکے کا امکان اُس صورت میں ہوتا جب حمید یہ کہتا کہ ہم دونوں مل کر

(مکمل ناول)

لڑکیوں کا تعاقب کریں گے۔ اس پر تو وہ قیامت تک راضی نہ ہوتا کیونکہ کئی بار حمید کے پڑھ پڑکرا پنی جامست بنا پا تھا۔

بہر حال قاسم نے ایک چھوڑ دو لڑکیوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ نہیں تو دوسری ضرور پڑیجے گی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ پندرہ دن گذر جانے کے بعد بھی متوجہ برآمد نہ ہوا ہو۔

یہ دونوں لڑکیاں اُسے بہت اچھی لگتی تھیں۔ اچھے لگنے کی وجہ ان کی خوبصورتی نہیں؟ ایک پر اسے ایک گھونسہ باز کی تصویر نظر آئی جو اپنے ہاتھوں میں گھونے بازی کے دستانے پینے خوبصورت تو وہ تھیں ہی نہیں، بس یونہی معمولی ساتھ نقش تھا۔ قاسم کو وہ اس لئے پندرہ تھیں کہ اس کے الفاظ میں ”خاصی ٹھڑی تھیں“۔

وہ صبح نوبجے ہی راجس اسریت کے موڑ پر آ جایا کرتا تھا۔ حالانکہ لڑکیاں دل بیکے، تصویر یعنی کا ساپور بنانے لگا۔

پہنچنے لگتی تھیں۔

دوکاندار نے حرمت سے اُسے دیکھا۔ دو ایک را بگیر بھی رک گئے اور پھر اچانک قاسم کو

آج بھی وہ ٹھیک نوبجے ہی وہاں پہنچا تھا۔ مگر آدھے گھنٹے تک انتظار کرتے رہنے کیمی اپنی حمایت کا احساس ہو گیا۔ اس نے عجیب طرح کامنہ بنایا اور پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں دوکاندار سے پوچھا۔

”قتنے..... کتنے قات..... ہے بھائی۔“

”کیا چیز جتاب۔“ دوکاندار نے مسکرا کر پوچھا۔

اس کی مسکراہٹ قاسم کو زہر ہی لگی اور اُسے غصہ آ گیا۔

”ابے بھاں کتابوں اور کسالوں ..... رسالوں کے علاوہ اور کیا ہے۔“ قاسم دھڑا۔

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“ دوکاندار نے بھی اپنے نہنچے پھلانے۔

قاسم کو اس کا لہجہ اتنا بڑا کہ اُس نے اس کے سر پر دھخڑو رسید کر دیا۔

وہ تھوڑا اور قاسم جیسے دیوزاد کا۔ خدا کی پناہ..... دوکاندار کے حق سے ایک بیساخت قسم کی کراہ نکلی اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے جان پہنچان والے ہاں کر کے دوڑے..... اور

قائم پہنچا بدل کر کھڑا ہو گیا۔

چکھوڑہ تھا ہی کریک اور کچھ اس بات کا خیال آ گیا تھا کہ نگاراں خوب روکی گلی کے سامنے آن نہ جانے پائے۔ ایک مجھول سے آدمی نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش

دلی پتلی لڑکیوں سے اُسے اتنی نفرت ہو گئی تھی کہ وہ ان کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کہ تھا خواہ وہ اندر کے الھاڑے کی پریاں ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر کبھی کسی دلی پتلی لڑکی پر نظر گذاشت جاتی تو وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر اس انداز میں بڑبرانے لگتا جیسے اس کی ہڈیاں سلگ رہیں ہوں۔ ایسے موقع پر اگر کوئی اس کے قریب ہوتا تو اُسے یہ الفاظ ضرور سنائی دیتے۔

”ابسی ہوت مردی کیوں نہیں جاتی۔ زمین کا بوجھ ہلا کرو۔ خدا کرے اُنی بی ہو جائے۔

چولہے میں جاؤ۔“ وہ اسی طرح ناک سکوڑ کر بڑبرانہ ہوا اس کے قریب سے گذر جاتا۔

اس وقت بھی وہ بڑبرانہ تھا۔ یعنی اپنے باپ کے متعلق زبان سے کچھ سوچ رہا تھا۔ اگر

کی لیکن دوسرے عی لمحے میں قاسم کا بھر پور تھڑا سے سڑک پر لے گیا۔ بس پھر کیا تھا؟ خیال طلوع ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہیں انہوں نے اس کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگوں نے چاروں طرف سے قاسم پر یورش کر دی۔ قاسم جم کر رکو تو یہ بچہ نہیں کیا۔ عورت کے معاملے میں بڑے بڑے افلاطونوں کا منطقی شعور مردہ ہو جاتا تھا لیکن اپنے ہاتھی جیسے ڈیل ڈول کی بناء پر بھاگ نہیں سکتا تھا۔ حالانکہ جگ مغلوب کی صورت ہے، پھر وہ بتیجا رہ تو پیدائشی ہوتی تھا۔ یہ خیال اُسکے ذہن میں ابھر اور پھر کی لکیر کی طرح اٹھ ہو گیا۔ خوابوں کے جزیرے کی پریاں اس کا سر سہلانے لگیں اور اس کے ریشے میں محبت میں بھاگ نکلتا ہی زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔

دوسری چار ہاتھ چلانے کے بعد قاسم کو خیال آیا کہ ایسے میں وہ دونوں لاکیاں نہ آجائیں۔ اگر ایسا ہے لینے لگی۔ ان دونوں لاکیوں کی محبت جنہوں نے مہذب اور تعلیم یافتہ ہونے کے لئے اگر انہوں نے اسے اس طرح ہاتھ پائی کرتے دیکھ لیا تو یہی سمجھیں گی کہ وہ کوئی لوفر ہے۔ باوجود بھی اسے چلانے کے لئے اس طرح رسوا ہونا گوارا کر لیا تھا۔ دریائے محبت جوش میں آیا روکا بہکنا تھا کہ اس کے قاب میں سعادت مندی طلوں کرنے لگی۔ ہاتھ سٹ پڑنے لگا اور قاسم بھیز کو جیسا ہوا ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔

ہے ایسی صورت میں پٹ جانے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ اب اُس پر چاروں طرف سے تو ”بیں بس جانے دیجئے۔ میں کیا ان سالوں سے ڈرتا ہوں۔“ قاسم خلاف عادت بہت اور گھونے پڑنے لگے مگر وہ سب اس کے سامنے باشیوں سے زیادہ وقت نہیں رکھتے تھے۔ رومنی کے ساتھ بولا۔ ورنہ وہ لاکیوں سے گفتگو کرتے وقت عموما ہٹکانے لگتا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نیک نفس اور شریر ہاتھی کو چند شریر بچے چھیڑ رہے ہیں۔ آ۔ ”ہات..... سامنے سے۔“ ایک لاکی نے اچھل کر اپنا ہاتھ گھمدایا اور وہ ہاتھ براؤ راست ان کے وار اپنے بازوؤں پر روک رک کر انہیں اس انداز میں پیچھے دھکیل رہا تھا جیسے وہ ب قاسم کے دائبے گال پر پڑا۔ دوسری طرف سی دوسری لاکی نے حملہ کیا۔

”ہائیں..... ہائیں..... ارے.....!“ قاسم بوكھلا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اچاک ایک نے پھر اچاک قریب ہی ایک دوسرا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ شاید وہ اس سے بھی زیادہ اہم، اچھل کر قاسم کے بال پکڑے اور پوری قوت سے پیچے کی طرف جھکانے لگی۔ اسے اس میں کچھ دشائق ہے اور قاسم کی بھیز دوسری طرف بھاگنے لگی۔ دشواری بھی نہیں ہوئی کیونکہ وہ ایک لاکی تھی، ایسی لاکی جس کا تعاقب وہ عمر سے تک کرتا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قاسم وہاں تھا رہ گیا۔ لوگ اپنی دو کافیں چھوڑ چھوڑ کر مجمع کی طرز وہ کوئی مرد نہیں تھا جسے قاسم کی ایک ہی ضرب موت کے لھاث اتار دیتی۔

جار ہے تھے اور قاسم کی آنکھیں جیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

لوگوں نے جیچ جیچ کر آسمان سر پر اٹھایا۔ قہقہے اور تالیاں.....!

وہ یوں بھی کافی لمبا تھا اور اس وقت فٹ پاٹھ پر کھڑا تھا، جو سڑک سے تقریباً ایک دو یوں بھی ضرور ہو گی۔ بہر حال وہ مجمع کے اندر کا حال بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

مجمع میں اسے وہی دونوں لاکیاں نظر آئیں..... مگر عجیب حال میں ..... وہ پاگلوں کے ساتھ زمانہ فورس کی تین لاکیاں بھی تھیں۔ حلقت کا تھانہ یہاں سے قریب ہی تھا اور آج کل طرح اچھل کر ہاتھ میں آئی ہوئی چیزیں کلاک ٹاور کی طرف پھینک رہی تھیں۔

ان لاکیوں نے قاسم کا پیچھا چھڑایا اور انہیں ان وحشی لاکیوں کو تابو میں لانے کے لئے سینڈل، فاؤٹنین پن، سڑک پر پڑے ہوئے کیلے کے چھکلے، جو کچھ بھی ہاتھ لگا کلاک ہے۔ بھی زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی کیونکہ پولیس کو دیکھتے ہی ان کی حالت میں جیرت انگیز تبدیلی ہو گئی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ پڑی ہوں اور اب ان کے قاسم بڑی طرح بدحواس نظر آنے لگا لیکن اچاک اس کی کھوپڑی کی تاریکیوں میں لکھا۔

چہرے پر خوف کے آثار بھی نظر آنے لگے تھے۔  
”آپ کون ہیں؟“ سب انپکٹر نے قاسم سے پوچھا جسے اپنے کپڑے جھاڑنے کے  
ہوش نہیں تھا۔

”مم..... میں.....!“ قاسم تھوک نگل کر رہا گیا۔

”میں بتاتا ہوں۔“ ایک آدمی بھیڑ کو جیڑتا ہوا آگئے آیا۔ یہ وہی دوکاندار تھا جس کے  
پر قاسم نے کچھ دیر قبیل دھمکھ درسید کیا تھا۔

”جتاب.....!“ اس نے سب انپکٹر سے کہا۔ ”یہ حضرت بھی پاگلوں کی سی رنگی  
کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ دو تین آدمیوں کو مارا تھا۔ آپ دوسروں ہوں گلا چلا گیا۔ لیکن اب اس کے حواس گم تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ اُسے تھانے لے  
دیافت کر سکتے ہیں۔“

”ابے بھاگ..... تو نے بھی تو..... بد تیزی کی تھی۔“ قاسم ہانپتا ہوا دہاز۔

”دیکھا آپ نے ..... کیا یہ شریفوں کی طرح گفتگو کر رہے ہیں۔“ دوکاندار نے  
انپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بس چلے جاؤ..... ورنہ اچھانہ ہو گا۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“ دفعتاً سب انپکٹر نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا

”اے میں..... ڈرائیور.....!“ قاسم آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ ”میں اپنا ڈرائیور ہوں۔ اب تم  
کے کیبات کروں، اپنے سب سے بڑے آفیسر کے پاس لے چلو۔“

”چلو.....!“ سب انپکٹر نے اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”انہیں گاڑی میں بٹھاو۔“

”میں نہیں جاؤں گا۔“ قاسم دہاز۔ ”تم مجھے اس طرح نہیں لے جا سکتے۔ میں اپنی  
میں جاؤں گا۔“

”تمہاری کار..... شاید ابھی دماغ قابو میں نہیں آیا۔“ سب انپکٹر تلتھی بھی کیسا تھا بہا۔

”کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔“ قاسم غریا۔ ”تم مجھے اس طرح نہیں لے جا سکتے۔ اگر میں  
کار غائب ہو گئی تو تم زندگی بھر کانے کے بعد بھی اس کی قیمت ادا نہ کر سکو گے ..... ہاں۔“

”یہ حقیقت تھی کہ قاسم یہاں تک اپنی شاندار بیوک میں آیا کرتا تھا اور اُسے راجہ  
اشریف سے ایک فرلانگ پیچھے چھوڑ کر خود پیدل یہاں تک آتا اور لڑکوں کی آمد کا منتظر تھا۔“

”کوئی بھی ہوں، مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔“ قاسم غریا۔ لیکن ذہنی طور پر وہ اس  
وقت ایک خرگوش سے بھی بدتر ہو رہا تھا۔ اچاک ایک خیال بڑی تیزی سے اُس کے ذہن میں  
اپنے اور اس نے کاٹھیں لے کر کہا۔

”میں فون کرنا چاہتا ہوں۔“

بھی ہی وہ لڑکیاں راجریس اسٹریٹ سے نکل کر سڑک پر آتیں انکا تعاقب بھی پیدل ہی ہوتا تھا۔

”دھکا دے کر گاڑی میں بٹھاؤ۔“ سب انپکٹر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر گر جا۔

”پچھتا ہوں۔“ میں بتائے دیتا ہوں۔“ قاسم ہوا میں مکاہاتا ہوا بولा۔ ”میں کہتا ہوں۔“

”کہ میں اپنی گاڑی میں میں بیٹھ کر کہیں جا سکتا ہوں۔“

”میں بتاتا ہوں۔“ ایک آدمی بھیڑ کو جیڑتا ہوا آگئے آیا۔ یہ وہی دوکاندار تھا جس کے

”اڑھ.....!“ قاسم نے مجھے کے اوپر سے خالق سمت میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”سب انپکٹر نے ایک کاٹھیں کو ساتھ جانے کا اشارہ کیا۔ قاسم آگے بڑھ کر لوگوں کو ہٹاتا

کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ دو تین آدمیوں کو مارا تھا۔ آپ دوسروں ہوں گلا چلا گیا۔ لیکن اب اس کے حواس گم تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ اُسے تھانے لے

دریافت کر سکتے ہیں۔“

”چڑھ جائے گی۔“

””ابے بھاگ..... تو نے بھی تو..... بد تیزی کی تھی۔“ قاسم ہانپتا ہوا دہاز۔

””دیکھا آپ نے ..... کیا یہ شریفوں کی طرح گفتگو کر رہے ہیں۔“ دوکاندار نے

انپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کار ہوادیکر جلدی بلکہ جچپا کنے لگا۔“

””تم کس کے ڈرائیور ہو.....!“ اس نے قاسم سے پوچھا۔

””اے میں..... ڈرائیور.....!“ قاسم آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ ”میں اپنا ڈرائیور ہوں۔ اب تم  
کے کیبات کروں، اپنے سب سے بڑے آفیسر کے پاس لے چلو۔“

”آئی جی صاحب آج کل دوڑے پر ہیں۔“ کاٹھیں نے احتقانہ انداز میں کہا۔

”کوئی بائی جی۔“

”آئی جی..... آئی جی۔“

”کوئی بھی ہوں، مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔“ قاسم غریا۔ لیکن ذہنی طور پر وہ اس

اپنے اور اس نے کاٹھیں لے کر کہا۔

”میں فون کرنا چاہتا ہوں۔“

”میری موجودگی میں آپ اپنا نہیں کر سکتے۔“ پیچے کھڑے ہوئے کاشیل نے کہا۔  
”ماں نہیں بھائی میں مذاق کر رہا تھا۔“ قاسم نے ماٹھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر کہا۔  
”کیا.....؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔  
”مجھے بچاؤ..... حمید بھائی۔“

”تم گدھے ہو، میرا وقت برپا نہ کرو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔  
”خدا تمہیں غارت کرے۔“ قاسم ریسور کر کا کاشیل کی طرف پلا۔ چند لمحے اسے قہر  
کو شے والے انجھی میں تیز رفتاری پیدا ہوئی ہو۔ کاشیل سائے کی طرح اس کے پیچے اس  
آسودہ نظر وہ گھوٹا رہا پھر بولا۔ ”تم نے مجھ میں بول کر کبڑا کر دیا۔“  
”میں نے کیا کیا۔“ کاشیل کی تیوریاں بھی چڑھ گئیں۔

”میں نے تم سے کہا تھا کہ میں مذاق کر رہا ہوں..... وہ سمجھا شاید میں نے اس سے کہا  
”ہیلو.....!“ وہ ماٹھ پیس میں دھاڑا۔ ”اس کی آواز حلق کے بجائے بلغم بھرے۔“ ہے۔ اب وہ نہیں آئے گا۔“  
”کون نہیں آئے گا۔“  
”محکمہ سراغِ رسانی کا کیپشن حمید۔“  
”آپ انہیں کیا جانیں۔“  
”کیوں نہ جانوں..... تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے۔“  
”اچھا چلے..... دیر ہو رہی ہے۔“

قاسم نے جھنگلا کر اسے ایک موٹی سی گالی دینی چاہی لیکن یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ موٹی سی  
خیال اس موٹی سی گالی پر غالب آگئی۔ چونکہ کاشیل کی بالائی منزل کی چھت سرخ رنگ کی تھی  
اور قاسم اسے عینک کے بغیر بھی صاف دیکھ سکتا تھا، اس لئے اس کے منہ سے گالی نہ نکل سکی،  
ہو سکتا ہے بچپن میں وہ سرخ پگڑیوں سے خوف ہی کھاتا رہا ہو۔ سب انپکٹر کی خاکی پگڑی سی وہ  
ذرا نہ رہا بھی مرغوب نہیں ہوا تھا۔

بہر حال تھوڑی دیر بعد وہ اپنی کار میت پر نشن کے تھانے میں پہنچ گیا۔  
انچارچا نے پیچے سے اوپر تک دیکھ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر وہ ان دونوں لڑکوں کی  
طرف متوجہ ہوا جو بہت زیادہ خائف اور ساتھ ہی ساتھ شرمندہ بھی نظر آ رہی تھیں۔ لیکن اس

”دیر ہو رہی ہے، داروغہ جی مجھے کھا جائیں گے۔“  
”میں تمہیں مالا مال کر دوں گا پیارے..... بس دو منٹ..... میرے ساتھ سائز ریستوران تک چلو۔“  
”دیر نہ کیجھ گا۔“

”نہیں پیارے الاقسم.....!“  
قاسم تیزی سے سڑک پار کرنے لگا۔ اس وقت بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا ہیسے کسی  
کو شے والے انجھی میں تیز رفتاری پیدا ہوئی ہو۔ کاشیل سائے کی طرح اس کے پیچے اس  
آسودہ نظر وہ گھوٹا رہا پھر بولا۔ ”تم نے مجھ میں بول کر کبڑا کر دیا۔“  
تمہارا۔ قاسم اتنا بد حواس تھا کہ اس نے ریستوران میں پہنچ کر کاؤنٹر کلر کی اجازت کے بغیر  
نمبرڈائل کرنے شروع کر دیے۔  
”ہیلو.....!“ وہ ماٹھ پیس میں دھاڑا۔ ”اس کی آواز حلق کے بجائے بلغم بھرے۔“ ہے۔ اب وہ نہیں آئے گا۔“  
”کون نہیں آئے گا۔“

”ہیلو! کون صاحب بول رہے ہیں۔ کون حمید بھائی..... آہا..... میں بول رہا ہوں۔“  
قاسم قاسم! ..... خدا کے لئے مجھے بچاؤ..... میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ یہ لوگ مجھے پر نشان  
تھانے میں لے جا رہے ہیں۔“

”تم کہاں سے بول رہے ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔  
”یہاں سے۔“  
”ابے کہاں سے..... جگہ کا نام..... ڈیوٹ.....!“  
”میں ڈیوٹ..... میرا باب پ ڈیوٹ..... حمید بھائی..... بس آ جاؤ۔ میں راجس اسٹی  
کے قریب والے ریستوران کیا نام ہے..... کیا نام..... کیفے جلٹھنڈے سے بول رہا ہوں  
یا رکھ گھپلا ہو گیا ہے۔ دوڑ کیاں بھی ہیں۔“

”ارے! تو کیا وہ تم ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”وہی لا کیاں تو نہیں۔“  
”نے کلاک ٹاور پر پتھر بر سائے ہیں۔“  
”وہی..... وہی..... الاقسم حمید بھائی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ خود کشی کر لوں۔“

نے اُن سے کسی قسم کے سوالات نہیں کئے۔ قاسم سے بھی کچھ نہیں پوچھا۔ ایسا معلوم ہوا جلد نمبر 17  
جس کی مکراہت ہی مکراہت میں ایک خاموش چیز بھی تھا۔ ”ابے دیکھ  
جیسے وہ کسی کا منتظر ہو۔“

قاسم بار بار ان دونوں کو گھورنے لگتا تھا۔ وہ الجھن میں تھا۔ الجھن کی بات عن تمیٰ۔ ایک چھوڑ دل رکیاں۔“

سمجھا تھا کہ انہوں نے یہ حرکت محض اس لئے کی ہے کہ لوگ اس کا پیچھا چھوڑ کر اُن کی طرف  
متوجہ ہو جائیں، مگر پھر اسے انہیں کے ہاتھوں پٹنا پڑا تھا۔ اس کا ذہن ان کے اس روایتی  
معنی نہ پہنچا سکا۔

”ہمیں کچھ کہنا ہے۔“ اچاک ایک لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں انچارج سے کہا۔

”مجھے سننا آتا ہی نہیں۔“ انچارج بے رخی سے بولا اور قاسم کو عصمه آ گیا۔ وہ ان لڑکے  
کی توہین کیسے برداشت کر لیتا جن کا تعاقب اتنے دنوں سے کرتا رہا تھا۔ غصے میں اس کی زیادتی کے معیار پر سو فیصد پوری اترنے والی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاسم کو کب سے اس کا سلیقہ ہوا۔  
ذرکم لاکھڑا تھی۔ اس لئے وہ اپنے مخصوص انداز میں دہڑا۔

فریدی اُس سب انسپکٹر سے واقعات سن رہا تھا، جس نے انہیں موقعہ واردات پر کپڑا  
”آپ کو سننا پڑے گا۔“

”بلں آپ تو خاموش ہی میٹھے رہئے۔“ انچارج نے خنک لبھجے میں کہا۔ ”اگر کریل زیریں لڑکوں کی طرف دیکھا لیکن پھر فوراً ہی قاسم کی  
طرف توجہ ہو گیا۔

صاحب نے آپ کو بھی روکے رکھنے کے لئے نہ کہا ہوتا تو آپ کہیں اور ہوتے۔“

”کہاں ہوتا..... چھانی کے تختے پر۔“ قاسم نے لڑکوں کی طرف نکھیوں سے کچھ دیکھ دیئے ہو گیا۔ اس بار ان خوفزدہ لڑکوں کے ہوتوں پر بھی خفیہ ہی مکراہت دکھائی دی۔

قاسم خود ہی اٹھا کسی نے اُس کی مدد نہیں کی۔ فریدی ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جو  
جن مقابل کی موجودگی میں اچھے ابھنے شیخیاں بگھانے کے سلسلے میں اکثر انتہائی پیش  
خال تھا، قاسم گرتا پڑتا وہاں پہنچا۔ اس کے بعد ہی حید بھی پہنچ گیا۔

”یہ لڑکیاں تمہارے ساتھ تھیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”سک..... ساتھ..... نہیں تو..... الگ تھیں..... الگ تھیں..... الگ تھیں..... الگ۔“

”میں پوچھ رہا ہوں اس واقعے سے پہلے تم تیوں کہاں تھے۔“

”م..... م..... ایک بک اٹال پر تھا اور وہ نہ جانے کہاں تھیں۔ میں نہیں جانتا۔“

”یہ سے بھی جھوٹ بولو گے، حالانکہ میں تمہارے حق میں تمہارے باپ سے بھی زیادہ  
ظفر دیکھنے لگا۔ حید قاسم کو گھور رہا تھا۔ لیکن قاسم کا یہ عالم تھا کہ مکرانے کے لئے الگ  
خدا کا ثابت ہو سکتا ہوں۔“

”میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔“

”پھر تم نے ایک بک اسٹال والے سے جھگڑا کیوں کیا تھا۔“

”اس نے بد تمیزی کی تھی۔“

”تم ان لڑکوں کو نہیں جانتے۔“

”میں نہیں۔“

”پھر ان میں کیوں جا کوئے تھے۔“

قائم نے دانتوں میں انگلی دبائی اور شر میلے انداز میں سر جھکا کر مسکرانے لگا۔ ”ذخیرا جید نے فریدی سے کہا۔ “آپ جائیے..... یہ معاملہ آپ کے بس کا نہیں ہے۔“

”بیوو.....!“ فریدی چھپ جلا گیا۔ ”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“

”میں..... میں..... جید بھائی کو بتا دوں گا۔“ قائم نے شر میلے انداز میں کہا۔ ”جید نے قائم کے بازو و سہلانے شروع کر دیئے اور قائم اس طرح منہ پھیلائے کھڑا رہا۔“

”ہاں..... جید بھائی تمہاری سیکلی ہیں نا۔“ ”جید بولا۔“

”کیا.....!“ قائم آنکھیں پھاڑ کر جید کی طرف پلتا۔ ”کیا کہا تم نے سیکلی.....!“ ”یار تم بڑے خوش قسمت ہو۔“ ”جید نے کہا۔“ ”تمہیں ویسی ہی لڑکیاں مل گئیں جیسی تم لوٹ دیا ہوں۔ میرے ٹھینگے پگیسا لاحانہ وان..... مت سفارش کرنا۔ چنانی تھوڑا اسی ہو جائیں چاہئے تھے۔ مگر تم دو یا کرو گے، ایک میری رہی کیوں؟“

”قائم.....!“ فریدی کی آواز کمرے میں گونجی۔

”میں ہاں..... آپ اسے منع نہیں کرتے۔“

”میں کیا پوچھ رہا ہوں تم سے۔“

”پوچھئے۔“ قائم کا مودہ بگزد گیا۔ ”مجھے کسی کا ذر نہیں پڑا ہے۔ میں نے ایک ناول۔“

”پڑھا تھا کہ محبت کرنا جرم نہیں ہے..... میں ہاں!“

”قائم.....!“ ذخیرا فریدی نرم پڑ گیا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے سب کچھ بتا دے۔“ ”اگر بات ہے۔“ ”جید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔“ ”میں تمہاری بیوی اور باپ کو

بچے ہو۔ جیل کی سختیاں برداشت کرلو گے۔ مگر وہ بچارا یاں..... تمہیں ان پر ضرور حرم آئا جائے۔“ ”وون کر کے سینے بلوائے لیتا ہوں۔“

”پھر بتائیے میں کیا کروں۔“ قائم نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ”کہاں وہ گرج رہا۔“

”کہاں اب اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگ۔“ ذہنی روپیکنے اور اس کے جسمانی رعلہ۔“

”دیر ہی نہیں لگتی تھی۔“

”مجھے سب کچھ بتا دو۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ”وہ تمہیں کب اور کہاں مانگی۔“

”تم انہیں کب سے جانتے ہو۔ اس واقعے سے پہلے تم تیوں کہاں تھے۔“

”وہ مجھے آج سے پہرہ دن پہلے لمی تھیں۔ میں انہیں پہرہ دن سے جانتا ہوں۔ ان

باقاعدات سے پہلے میں بکسال پر تھا اور وہ دونوں نہ جانے کہاں تھیں۔ الاقسم میں نہیں جانتا۔“

”اس سے پہلے تم تیوں کہاں ملتے رہے ہو۔“

”راجس اسٹریٹ کے موڑ پر..... پھر میں انہیں کانچ پہنچا کر واپس ہو جایا کرتا تھا..... وہ

کہا ہے نا..... محبت اڑ کرتی ہے، دھیرے دھیرے۔“

کیوں پہلنا شروع کر دیا تھا۔“

”ختم کرو.....جاوے۔“  
”اوہنہ.....جاوے۔“  
”جید اور قاسم کمرے سے چلے گئے۔ تھوڑی ہی دری بعد ایک لڑکی آئی۔  
”بیٹھ جاؤ۔۔۔!“ فریدی نے کری کی طرف اشارہ کیا۔

”لوکی بیٹھ گئی۔ وہ بہت زیادہ خالق نظر آرہی تھی۔ اُس نے ایک بار بھی فریدی کی طرف  
حمدید کچھ سوچنے لگا۔ پھر پوچھا۔ ”کیا اس سے پہلے بھی کبھی تم نے ان سے گفتگو کی؟“  
”بیکنے کی جو رات نہیں آتا۔“ قاسم تشویش کرنے لگے میں بولا۔ ”پہلے انہیں  
ہٹر چایا۔ اسی نے ہٹر چایا کر لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ پھر جب میر  
شکر یہ ادا کرنے کے لئے تقریب گیا تو وہ مجھ پر الٹ پڑیں۔“

”جید کچھ سوچنے لگا۔ پھر پوچھا۔ ”کیا اس سے پہلے بھی کبھی تم نے ان سے گفتگو کی؟“  
”تھاہرا کیا نام ہے۔“ فریدی نے پوچھا لیکن لڑکی جواب دینے کی بجائے رو نے لگی۔  
”اور پھر اس نے بدقت کہا۔ ”ہمیں..... معاف..... کر دیجئے۔“

”ہاں..... ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں معاف کر دیں لیکن اُسی صورت میں جب ہمیں اس  
پاگل پن کی وجہ معلوم ہو جائے۔“

”لوکی سکیاں لیتی رہی اور فریدی اس کے جواب کا منتظر رہا۔  
اچاک ایک آدمی کمرے میں درآن گھستا چلا آیا۔ ادھیز عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔

”اچاک ایک آدمی کمرے میں درآن گھستا چلا آیا۔ ادھیز عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔  
”نہیں..... کیا ضرورت تھی..... وہ کیا شعر ہے..... ترے نام پر مٹا ہوں، مجھے لا۔ اُسے دیکھتے ہی لڑکی کے منہ سے ایک ہلکی سی جیخ نکلی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر  
پھر سکیاں لینے لگی۔“

”میں اس طرح چلتے آنے کی معافی چاہتا ہوں کرٹل فریدی۔“ ”آنے والے نے کہا۔  
”کوئی بات نہیں جتاب..... فرمائیے نیمرے لاائق کوئی خدمت۔“ فریدی نے آہستہ سے

کہا۔ لیکن اُس کی عقابی آنکھیں بڑے معنی خیز انداز میں اُسکے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔  
آئے والا یہاں کاشی بھسریت تھا اور فریدی اُسے اپنی طرح جانتا تھا۔

”میری بھانجی ہے۔“ آنے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔  
”کیا آپ کو اوقاعات کا علم ہو چکا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہو چکا ہے..... کیا میں توقع کروں کہ آپ میری عزت کا پاس کریں گے۔“  
”آپ کی عزت میری عزت ہے جتاب۔“ فریدی نے خاکسارانہ لجھے میں کہا۔

”مگر آپ مجھے اس کی اجازت تو دے ہی دیں گے کہ میں اسکی وجہ دریافت کر سکوں۔“  
”موبہوت ذاکر بھی نہیں دریافت کر سکے کرنل۔“ شی بھسریت نے کہا۔ ”ویسے ان کا خیال

”کیوں پہلنا شروع کر دیا تھا۔“

”جید بھائی یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔“ قاسم تشویش کرنے لگے میں بولا۔ ”پہلے انہیں  
ہٹر چایا۔ اسی نے ہٹر چایا کر لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ پھر جب میر  
شکر یہ ادا کرنے کے لئے تقریب گیا تو وہ مجھ پر الٹ پڑیں۔“

”میں چکلے چکلے موبت کر رہا تھا..... محبت ایسے ہی ہوتی ہے، جید بھائی۔“  
”میں کچھ نہیں سمجھا..... مجھے پورا واقعہ بتاؤ کہ تم نے ان سے کس طرح موبت تھا۔“

”ہمیں بڑی روائی کے ساتھ پندرہ روز کی رپورٹ دی۔“  
اور جید بے ساختہ لا حول پڑھ کر اُسے رُباہلا کہنے لگا۔

”پھر کیا کرتا۔“ قاسم جھنجھلا کر بولا۔ ”کیا ان کے گھر میں گھس جاتا۔“  
”ان کے گھر دیکھ لئے ہیں تم نے۔“

”نہیں..... کیا ضرورت تھی..... وہ کیا شعر ہے..... ترے نام پر مٹا ہوں، مجھے لا۔“  
”جہاں سے.....!“ جید نے ہمراہ منہ بنا کر کہا۔

”نہیں جہاں سے..... کیا تم مجھے جاہل سمجھتے ہو۔“ قاسم جھلا کر بولا۔  
”ختم کرو..... میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“

”یعنی تم مجھے جیل جانے دو گے۔“  
”نہیں میں تمہیں پھانسی دلوں کر تمہاری بیوی سے عقد کرلوں گا۔“

”کیا..... ذرا زبان سنبھال کر۔“ قاسم چل گھاڑا۔ ”گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔“  
حمدید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ ”تم دونوں باہر جاؤ اور ان سے ایک لڑکی کو یہاں بیٹھ جو۔“

”یہ کچھ بھی نہیں جاتا۔“ جید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”صرف ان اُن  
تعاقب کیا کرتا تھا۔“

ہے کہ یہ کسی قسم کا دورہ ہے۔"

"دوسرا بھائی اور آئی، لیکن اب اس کے چہرے پر خوف و خجالت کی بجائے غصے کے دوسرا بھائی اور آئی، لیکن اب اس کے چہرے پر خوف و خجالت کی بجائے غصے کے

"میں ان دونوں پر بیک وقت ایک ہی قسم کا دورہ..... میں نہیں سمجھ سکتا۔" آہار تھے۔ فریدی سمجھ گیا کہ شی مجریت کا سہارا مال جانے کی وجہ سے اب کوئی نئی کروٹ بینے میں خود بھی ابھجن میں ہوں۔" شی مجریت کا ساتھا کریں، والی ہے۔ یہ بھی صورت سے وہ کافی ذہین اور قدر پر داڑ معلوم ہوتی تھی۔

"جی ہاں.....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اچھا..... وہ دوسرا لڑکی کون ہے۔" بیٹھ جائیے۔" فریدی نے کری کی طرف اشارہ کیا۔

"اسی کی کلاس فیلو..... وہ بھی پڑوی ہی ہے..... میں درخواست کروں گا کہ اس اپ اس لفگے کو بچانا چاہتے ہیں، میں سمجھتی ہوں، مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ

کو آگے نہ بڑھائیے۔"

"میں نے اب تک اس معاملے کو آگے نہیں بڑھایا۔ لیکن آپ خود سوچے اس قسم" دوسرا بات آپ نے غلط نہیں کی۔ لیکن ہمیں بات میں سننے کے لئے تیار نہیں۔" واقعات جب اکٹھا ہو جائیں تو مجھے چھیے آدمی کو ضرور تشویش ہوگی۔"

"وہ بہت دونوں سے ہمارا تعاقب کیا کرتا تھا۔ آج ہم نے پیٹ دیا اور یہ بالکل بکواس ہے کہ

"میں سمجھتا ہوں کرتل..... مجھے علم ہے کہ شہر میں ایسے کئی واقعات ہو چکے ہیں۔" ہم نے کلاک ٹاور پر پھر چلائے تھے۔ آپ اسے بچانے کیلئے ہمارے خلاف کیس بنا رہے ہیں۔"

"اچھا..... مجھے صرف ہمیں بتا دیں کہ انہوں نے کلاک ٹاور پر اپنا غصہ کیوں ادا کیا۔" بہت خوب۔" فریدی اسے تمیں آمیز نظر وہ سے دیکھتا ہوا اسکرایا۔

"سائزہ.....!" دفعٹا شی مجریت نے لڑکی کو مخاطب کیا لیکن اس کے ہاتھ پر چھرے علی پر بنتے رہے۔"

"یہ بھی سراسر جھوٹ ہے..... بکواس ہے۔"

"میں ہار گیا بھائی۔" فریدی پہنچنے لگا۔ "تم جا سکتی ہو۔"

"میں کچھ نہیں معلوم..... میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے یاد نہیں۔" وہ ہندیانی انداز میں بولے۔

"تو تم میری بے عزتی کراؤ گی..... کیوں؟"

"اچھا.....!" فریدی جیب سے فاؤشنیں پن نکالتا ہوا بولا۔ "بولو..... نیا لکھوں۔" اس

نے اپنی نوٹ بک کھول لی تھی۔

"میں تھانے کے روز نامچ پر پورٹ چاہتی ہوں مسٹر۔"

"اچھا..... اچھا..... لیکن یہ تو ہتاو کرم دونوں نگے پیر کیوں ہو..... وہ تمہارے سینڈل

بھی ہضم کر گیا۔"

"لڑکی پٹاگئی۔ لیکن پھر فوراً ہی ہوئی۔" ہم نے سینڈلوں سے اس کی مرمت کی تھی۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے لیکن کسی کو پینچے کے لئے صرف ایک ہی جوتنا اتارا جاتا ہے، دونوں

نہیں۔ کیونکہ ایک ہاتھ اپنے بچاؤ کے لئے بھی خالی رکھا جاتا ہے۔ کیوں.....؟"

اس نے فوراً ہی جواب دیئے کی کوشش نہیں کی اور فریدی اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر

اندر آیا۔ فریدی نے اس سے دوسرا لڑکی کو لاٹنے کو کہا۔

"بہتر ہے آپ انہیں اس وقت گھر ہی لے جائیے۔" فریدی بولا۔

"مگر اس دوسرا لڑکی سے بھی تھوڑی سی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"دونوں ساتھ ہی جائیں۔" شی مجریت نے کہا۔ آپ کو جو کچھ پوچھنا ہو پچھلے

"آپ کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔" فریدی نے زم لبھے میں کہا۔ انہیں گلے

جائے۔ پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا لی۔

شی مجریت لڑکی کو کرسی سے اٹھا کر باہر لے جانے لگا۔ گھنٹی کی آواز پر ایک کاٹ

بولا۔ ”دفع ہو جاؤ..... لیکن یہ نہ سمجھنا کہ قانون کی آنکھیں بند ہیں۔ تم شوق ہے، جگا وہ بہت زیادہ احترام کرتی ہے کتابیں کھنچ ماری تھیں۔ پھر جھری لے کر دوڑی تھی۔ اُن سے خلاف رپورٹ درج کردا، لیکن خود مجسٹریٹ صاحب کا کہنا ہے کہ تم دونوں کسی ہتھیم بتتا ہو۔“

”اوہ..... او.....!“ فریدی نے مضطربانہ انداز میں پبلو بدلا۔

”وہ جھری لے کر دوڑی۔ لیکن ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے وہ یک یہک ہوش میں آگئی ہو۔“

”یعنی اُس نے جھری پھیک دی ہوگی۔“ فریدی بولا۔

”جی ہاں..... چند لمحے کھڑی حیران چاروں طرف دیکھتی رہی پھر ان کے قدموں پر گر کر رونا شروع کر دیا۔“

”ہوں.....!“ فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ چند لمحے پکھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”اچھا..... اُس دوسری لڑکی کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکے گا۔“

”نہیں..... اسکے متعلق میں کچھ نہیں جانتا۔“ مجسٹریٹ نے جھنچھلانے ہوئے انداز میں کہا۔

فریدی سمجھ گیا کہ وہ اس کے استفسارات کو لغو اور نیئر ضروری سمجھ رہا ہے لہذا اُس نے کہا۔ ”میں اُسے کسی قسم کا مرض سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ شہر میں اب تک اس قسم کی تیس یا چالیس وارداتیں ہو چکی ہیں۔ پچھلے ہفتے ایک لڑکی نے ایک دوکاندار کو چاقو مار دیا تھا آپ خود ہو چکے۔ کیا پہلے بھی کبھی اس قسم کی وارداتیں ہوئی ہیں اور دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ مرض ابھی تک نچلے طبقے کی عورتوں یا لاکیوں میں نہیں پایا گیا۔ میں اس سلسلے میں شہر کے بہترین ذاکرتوں سے بھی گفتگو کر چکا ہوں۔ وہ اس قسم کے مرض کے وجود سے انکار کرتے ہیں جس کا حملہ چشم زدن میں ہو کر سائے کی طرح گزر جاتا ہو۔ اب تک کی روپورٹ یہ ہے کہ اُسی کیفیت کی بھی لاکی پر دو منٹ سے زیادہ طاری نہیں رہی۔ بعض حالات میں یہ وقفہ آدھے منٹ سے بھی کم کا پایا گیا ہے۔ کئی لاکیوں کا طبعی معاشرہ بھی کیا گیا لیکن کسی ڈینی مرض کی طلامات اُن میں نہیں پائی گئی۔“

مجسٹریٹ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اس نے کہا۔

”پھر آخر یہ سب کیا ہے۔ اب تک کئی ذاکر سارہ کو دیکھے چکے ہیں۔ ان کا بھی یہی نیاں

”غلط.....!“

”قطیعی غلط ہے..... حقیقت کیا ہے، اسے دریافت کرنا میرا کام ہے..... جاؤ۔“

وہ فریدی کی نظرؤں کی تاب نہ لا کر وہاں سے اٹھ گئی اور فریدی بھی اُس کے رہا۔ اُنہاں کے ساتھ میں آئے جہاں سارہ اور اُسی مجسٹریٹ، قاسم اور مسید سمیت موجود تھے۔ سارہ کی ساتھی نے پکھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے مگر خاموش ہی رہ گئی۔

”آپ اگر کچھ دریٹھریں تو میں مشکور ہوں گا۔“ فریدی نے مجسٹریٹ سے کہا۔

”ضرور..... ضرور.....!“

”انہیں آپ گھر جانے دیں۔“ وہ لاکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

”نہیں..... میں انہیں ساتھ ہی لے جاؤں گا۔“

”اچھا تو پھر..... ہمیں کہیں..... معاف سمجھے گا..... میں آپ کو تکلیف دے رہا ہو۔ اگر آپ پھر اسی کے ساتھ چل سکیں تو.....!“

”اوہ..... ہاں..... ہاں.....!“ مجسٹریٹ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں پھر اسی کمرے میں آئے جہاں پکھ دیر قبیل دونوں میں گفتگو ہو گیا۔ مجسٹریٹ کے چھرے پر بھن اور شرمندگی کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو۔

فریدی چند لمحے اُسی کے بولنے کا غندرہ رہا لیکن مجسٹریٹ کی آنکھیں اور نہیں انھیں۔ آخر فریدی نے پوچھا۔ ”کیا گھر پر بھی کبھی اس قسم کا دورہ پڑنے کا اتفاق ہو چکا ہے۔“

”جی ہاں..... صرف ایک بار۔ شاید پچھلے ہی ہفتے کی بات ہے۔“

”کیا آپ مجھے اُس کے متعلق کچھ بتانا پسند کریں گے۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“ مجسٹریٹ نے مغلبل آواز میں کہا۔ ”اُس نے اپنے ایک بڑی

ہے کوہ کسی ذہنی مرض میں جاتا نہیں ہے۔“

”پھر آپ بتائیے! یہ چیز میرے لئے الجھن کا باعث ہو سکتی ہے یا نہیں۔“ فرید کہا۔ ”میں اس سے پہلے بھی ایک بار ایک مرض ہی کے سلسلے میں الجھنوں کا شکار ہو چکا ہو شاید آپ کو یاد ہو..... وہ تاخن الہماڑ دینا۔ مرنے والوں کے تاخن گوشت چھوڑ کر اپنا جاتے تھے۔ آپ کو اس سلسلے میں یہ بھی یاد ہو گا کہ.....!“

”می ہاں مجھے یاد ہے۔ وہ ڈاکٹر لے داخ والا کیس۔۔۔ اچھی طرح یاد ہے۔“

”پھر آپ بتائیے..... میں اپنی تشویش کے معاملے میں حق بجانب ہوں یا نہیں؟ اچھا دوسرا لڑکی کا کیا نام ہے۔ کیا آپ مجھے اس کا پتہ بتائیں گے۔“

”اس کا نام روچی ہے اور وہ راجس اسٹریٹ کی اخباروں کی کشی میں رہتی ہے۔“

”شکریہ۔“ فریدی نوٹ بک میں اس کا نام اور پتہ لکھتا ہوا بولا۔ ”ظاہر ہے کہ“ اچھے ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہو گی۔“

”می ہاں..... خان بہادر سجاد کی لڑکی ہے۔“

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ ”تکلیف دی کی معانی چاہتا ہوں آپ مطمئن رہیں۔ اس واقعے کی پیشی نہ ہونے پائے گی۔“

”شکریہ.....!“

تحوڑی دیر بعد وہ دونوں لڑکوں سمیت چلا گیا۔ قاسم بہت اداں نظر آرہا تھا۔ فربہ اس سے کچھ نہیں بولا البتہ اس نے حید کو الگ بلکر کہا۔ ”دوسرا لڑکی کا نام روچی ہے۔ اخبارہ راجس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔“

”اور چہلی.....!“

”وہ ہمارے کام نہ آ سکے گی، کیونکہ کچھ یوقوف ہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ یوقوف آدھ سے کچھ معلوم کرنا آسان نہیں ہے۔ روچی ذہین بھی ہے اور چالاک بھی۔ اس لئے وہ جائے گی۔ کیا سمجھتے۔“

## آیاز اور چلنی

حید کو آج کل لڑکوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی ورنہ وہ اس موقع پر خوشی سے ناضج

لگا۔ کیونکہ آج خود فریدی ہی اُسے ایک لڑکی کے پیچھے لگا رہا تھا۔

پھر فریدی اُسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ قاسم کے خلاف کسی نے کوئی بات اعتمادہ روپورٹ نہیں لکھوائی تھی۔ اس لئے اُسے بھی ملکوٹ خاصی حاصل ہو گئی۔ ویسے اُسےطمینان تھا کہ حید کی موجودگی میں کوئی اس کا بال بھی بیکارہ کر سکے گا۔

خانے سے نکلتے ہی اس نے چکننا شروع کر دیا۔ حید نے اس کی کار سنبھال لی تھی۔

”بیٹے قاسم ان میں سے ایک شی مجرمیت کی بجا گئی ہے۔“ حید نے کہا۔

”وہ تمہاری والی والی جو کچھ ڈیلی ہے۔“

”میری والی.....!“ حید نے حیرت سے کہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”مجھے آج کل لڑکوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔“

”تمہاری مرضی.....!“ قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔ ”میں نے تو اجازت دے دی تھی۔“

”ہمیں ابے قاسم کیا دماغ خراب ہوا ہے۔ تم اور مجھے اجازت دو گے۔ کیا تم ٹھیکدار ہو ان لڑکوں کے۔“

”تم گھلپا نہیں کر سکتے حید بھائی۔“ قاسم نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ ”سب سے پہلے میں نے ان لڑکوں کا پتہ لگایا تھا۔“

”ابے او..... کلبس کے پٹھے۔ وہ لڑکیاں ہیں امریکہ نہیں۔ آپ نے پتہ لگایا تھا۔“

”کچھ بھی ہو جائے تم گھلپا نہیں کر سکتے۔ تم خود کلبس کے پٹھے۔ زبان سنبھال کر ہاں۔“

”تمہیں ان لڑکوں کے نام معلوم ہیں۔“ حید نے پوچھا۔

”نہیں.....!“

”مل جاتا ہوں۔“ حید نے چڑھانے کے سے انداز میں کہا۔ ”لہذا تم ان سے دستبردار ہو جاؤ۔“

”الاًقْم..... اچھا نہیں ہو گا۔“

”تم شاید جبل علی جانا چاہتے ہو۔“

”میں جہنم میں جانا چاہتا ہوں۔ تمہاری بلا سے۔“

”تم نے ان کے ہاتھوں سے سینڈل کھائے تھے۔ تمہیں ڈوب کر مرنا چاہئے۔“

”قائم چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔“

”زور سے ایک بھی نہیں پڑی تھی..... الاًقْم.....!“

”اچھا تو پھر ایک کام کرو.....!“

”کیا.....!“

”اب زور سے ایک مجھ سے کھالو۔ میں ان لڑکوں سے دشبردار ہو جاؤں گا۔“

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ قائم نے منہ پھلا لیا۔

”ذبی والی کا نام سازہ ہے۔“ حید نے کہا۔

”نہیں شاعرہ ہو گا۔“ قائم نے قابلیت کا اظہار کیا۔

”کیوں.....?“

”تلخ یہی ہے۔“ قائم نے عالمانہ شان سے کہا۔ ”جہاں اور بے پڑھے لوگ سازہ کہتے ہیں۔“

”حید کچھ نہ بولا۔ وہ پھر لڑکوں کی کارکی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ مجسٹریٹ شاید چپلوں کے ”دو حید ہنسنے لگا پھر بولا۔ ”تلخ کے بچے..... مگری والی کا نام روی ہے۔ شاید میں اُنکا جزو لے کر واپس آیا تھا۔ وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لڑکیاں بچپلی سیٹ پر تھیں۔ حید نے روی کو کار سے اترتے دیکھا۔ پھر وہ فٹ پاٹھ پر چڑھ گئی۔ مجسٹریٹ کی کار آگے جا چکی تھی۔ حید نے عی شام کو سیر کے لئے باہر لے جاؤں۔“

”جہاں دیکھ لیا..... دونوں کو قتل کر دوں گا۔“ قائم غرایا۔

”اچانک ایک جگہ حید نے کار روک دی اور قائم کا شناختھنگھٹا ہوا بولا۔“

”جاو۔۔۔ انہیں راجس اسٹریٹ میں ملاش کرو۔۔۔ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔“

”میں پہلے ہی جانتا تھا۔“ قائم ہنسنے لگا۔ لیکن اس کی نظر غیر ارادی طور پر ادھری اُن جدھر حید دیکھ رہا تھا۔

”اُسے جو توں کی دوکان میں وہی آدمی نظر آیا، جو لڑکوں کو اپنے ساتھ لے لے گیا تھا۔“

”قائم نے ان دونوں لڑکوں کو بھی ذہونڈھ علی نکالا۔ وہ تھوڑے سے بیٹھا اپنے ساتھ پر ایک کار مٹا۔“

ہوئی تھیں۔

”قائم دوسرا ہی لمحے میں حید کا شانہ دبوچ کر بولا۔ ”کیوں.....؟“

”ہاں..... اب تم جاؤ ورنہ تمہارے ابا غفاریوں کے۔“ حید ہمدردانہ لمحے میں بولا۔

”حید بھائی..... میں بالکل مروت نہیں کروں گا۔“

”تم جاتے ہو یا میں کسی ڈیوٹی کا نیشنل کو بلکہ تمہیں پھر تھانے بھجوادوں۔“

”اماں جاؤ۔۔۔ مر گئے بھجوانے والے..... ہاں..... گویا میں بالکل گدھا ہوں۔ دیکھوں

تو کیسے بھجوائے ہو۔ میں تو اس وقت ان بیچاریوں کو بچانا چاہتا تھا۔“

”تم پچاڑکے نا۔۔۔!“

”ہاں..... ہاں..... اب ان کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔“

”اچھا تو بس اب جاؤ۔“

”نہیں جاتا۔۔۔ تمہارے باب کی سڑک ہے۔“ قائم بچوں کی طرح الجھ پڑا۔

”قائم کیوں شامت آئی ہے۔“

”کیا کر لو گے تم میرا۔۔۔ کوئی میں تمہاری سفارش پر چھوٹا ہوں۔“

”حید کچھ نہ بولا۔ وہ پھر لڑکوں کی کارکی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ مجسٹریٹ شاید چپلوں کے ”دو

”حید ہنسنے لگا پھر بولا۔ ”تلخ کے بچے..... مگری والی کا نام روی ہے۔ شاید میں اُنکا جزو لے کر واپس آیا تھا۔ وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لڑکیاں بچپلی سیٹ پر تھیں۔ حید نے روی کو

کار سے اترتے دیکھا۔ پھر وہ فٹ پاٹھ پر چڑھ گئی۔ مجسٹریٹ کی کار آگے جا چکی تھی۔ حید نے

”کی تحریک سے سڑک پار کی اور قائم کا رعنی میں بیٹھا منہ چھاڑے ہوئے اُسے گھوڑا رہا۔

”ذر اٹھری ہے۔۔۔!“ حید روی کے قریب پہنچ کر بولا۔ وہ رک کر کر اس کی طرف مڑی۔

”اوہ..... ہاں..... کیا بات ہے۔“

”اب مجھے یقین آگیا ہے۔“ حید نے آہستہ سے کہا اور روی اُسے گھوڑتی رہی اور حید

پھر بولا۔ ”وہ درحقیقت لفگا ہے۔ اُس نے یقیناً آپ سے بدیمیزی کی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ

آپ پھر اس کی ھوڑی کی مرمت کر دیں۔“

”کیوں.....!“ روی پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

”بن یونہی.....ورنہ آپ کو بدنام کرتا پھرے گا۔“  
”میں نہیں سمجھی۔“

”اُبھی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ.....آپ.....!“  
”ہاں.....ہاں.....کہئے۔“

”مجھے شرم آتی ہے۔“ حمید نے بڑی مصصومیت سے کہا۔

”کہئے بھی تو.....پھر میں دیکھوں گی کہ آپ کی شرم ضروری تھی یا غیر ضروری۔“

”وہ کہہ رہا تھا کہ آپ اس پر عاشق ہو گئی ہیں اور دیکھنے نا اب بھی اُس نے آپ کا پیش چھوڑا۔ وہ اُدھر دیکھنے.....کار میں بیٹھا ہوا ہے۔“

”اوہ.....اچھا.....!“ روئی بُرا سامنہ بننا کر یوں۔ ”ظہر ہے! میں اسے اپنی محبت یقین دلائے دیتی ہوں۔ چلپیں نئی ہیں اور کافی مضبوط بھی۔“

وہ فٹ پاتھ سے اتر کر قاسم کی طرف بڑھنے لگی۔ قاسم نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا پڑا کہ اُسے عروتوں کے کس رویہ میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ ابھی تو وہ اپنی نویعت کی ایک عنی تیور کچھ اچھے نظر نہیں آئے اور اس نے حمید کو اس سے باتمی کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے اُنہیں آتی ہے اور اس نے حمید کو اس سے باتمی کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے اُنہیں آتی ہے اور اس نے حمید کو اس سے باتمی کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے اُنہیں آتی ہے اور اس نے حمید کو اس سے باتمی کرتے بھی دیکھا تھا۔

کی اونڈھی کھو پڑی میں بھی یہ بات آگئی کہ معاملہ کچھ گزبر سا ہے۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے کار اسٹارٹ کی اور سڑک دیکھنے بغیر اڑتا چلا گیا۔ روئی آدھے ہی راستے سے واپس ہونا پڑا۔ حمید اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

وہ اس کے قریب پہنچ کر یوں۔ ”ماں! ڈیر مشریع رسم۔ اب گھر واپس جاؤ۔“ میں کچھ اسی ہو رہی ہے ورنہ اماں ماریں گی سمجھے! جاؤ میرے نئے نئے۔“

حمدید ناٹے میں آگیا۔ وہ اسے اتنی فارورڈ نہیں سمجھتا تھا۔

”تائیں.....اماں بی نے کہا تھا اکیلے گھر مت آتا۔“ حمید نے پھون کے سے لجئے کہا۔ ”تم پانچ بھائی بھی نہیں جو مجھے کہنا پڑے کہ پانچوں آپس میں بانٹ لو۔“

”میں تمہارے لئے مہا بھارت ہی ثابت ہوں گی۔ اسے یاد رکھنا.....اب جاؤ۔“ پہلے بھی کیچین حمید کی بہتیری تعریف سن پچلی ہوں۔ لیکن میں دوسرا لڑکیوں سے بہت بچھوں۔ اگر تم مجھے زیادہ پسند آئے تو میں تمہیں عالمی بھی کر سکتی ہوں۔ میں عورت نہیں مرد ہوں۔ لیکن

”اُی لمحے تھا میں روپڑی تھی۔“

”کیا تم اپنی بے بُسی پر کبھی نہیں روئے۔“

”ہاں رویا ہوں.....مگر انہیں موقع پر جب بہت دنوں سے کوئی لڑکی نہیں ملی۔“

”تم کیا چاہتے ہو۔“

”کچھ بھی نہیں.....تم جیسی وابیات لڑکیوں سے بھلا میں کیا چاہوں گا۔“

”میں وابیات ہوں.....!“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”وابیات سے بھی بدتر.....!“

”تو پھر تم بھی کچھ دیکھنا چاہتے ہو۔“

”ہاں! مگر وہ تمہاری صورت کے علاوہ ہو تو بدتر ہے۔“

”اچھا اگر بڑے بہادر ہو تو آؤ میرے ساتھ۔“ روئی نے اسے چلتی کیا اور حمید سوچ میں

وہ فٹ پاتھ سے اتر کر قاسم کی طرف بڑھنے لگی۔ قاسم نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا

پڑا کہ اُسے عروتوں کے کس رویہ میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ ابھی تو وہ اپنی نویعت کی ایک عنی

تیور کچھ اچھے نظر نہیں آئے اور اس نے حمید کو اس سے باتمی کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے اُنہیں آتی ہے اور اس نے حمید کو اس سے باتمی کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے اُنہیں آتی ہے اور اس نے حمید کو اس سے باتمی کرتے بھی دیکھا تھا۔

”چلو.....میں تیار ہوں۔“ حمید بولا۔

”تم مجھے نہیں جانتے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں کلاک ٹاور کی گھری توڑتا چاہتی تھی۔“

”تم سوال کرو گے کیوں؟ وہ بھی سن لو۔ میں چاہتی تھی کہ دس بجے سے پہلے ہی وہاں پہنچ

جاوں جہاں جانا تھا لیکن کلاک ٹاور نے دس بجاءیے اور مجھے گھری پر غصہ آگیا۔ میں کچھ اسی

تم کی کریک ہوں سمجھے۔“

”آہ.....خوب.....ماتحتا ہوں۔“ حمید نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔ ”اس پر مجھے اپنے

خیز کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ مگر چلو کہیں اطمینان سے بیٹھ کر۔“

”یہ بھی ممکن ہے.....میں تم سے خائف نہیں ہوں۔“

”روئی صاحبہ.....!“ حمید نے آگے بڑھتے ہوئے لاپرواں سے کہا۔ ”اگر لڑکیاں

جو ہے خائف ہو تو آپ تک میری شہرت کا افسانہ کیسے پہنچتا۔“

”میں ایک قریبی ریستوران میں داخل ہو گیا۔ مگر وہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب

”ہمیں محل ہوا ہوں۔“ اُس نے خفیہ ہونے کی شاندار ایکنگ کی۔

”نهیں جناب..... قطعی نہیں! تشریف رکھئے۔“ حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

”آپ سے ملتے.....!“ روی بولی۔ آپ محمد سراج رسانی کے آفسر کپشن حمید ہیں۔“

”اوہ..... اچھا بڑی.....!“

”ظاہر ہے کہ آپ کو خوشی ہو گی۔“ حمید جلدی سے بولا۔ کیا رکھا ہے ان کی باتوں

نے پینکا شروع کیا۔ میری نیند اچھی اور مجھے غصہ آگیا۔ بھلا گدھ سے آدمیوں کی سی باتیں میں۔ میں تو آپ سے ہرگز آپ کا نام نہیں پوچھوں گا۔“

کرتا۔ اُسی کی زبان میں اُسے سلواتیں سنائی شروع کر دیں۔ دو چار بار اسے چیلنج بھی کیا کفر۔ آنے والا کچھ جھینپا جھینپا سانظر آنے لگا کیونکہ اُس نے بڑی گرم جوش کا اظہار کیا تھا

آئے میدان میں..... نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے پُڑوی نے میرے میزبان کے دروازے پر دکٹ لیں روی پر اس کا ذرہ برابر بھی اترنے نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور شرارت آمیز انداز میں مسکراتی رہی۔

دلے کر کہا۔ ”اگر تم مجھے ضد دلاؤ گے تو میں بھی ایک پال لوں گا۔“

روی ہنسنے لگی اور حمید نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھنے ہوئے کہا۔ ”بہر حال میں غھے بڑا بولا۔“ میرے لئے یہی بہتر بھی ہوتا ہے کہ مجھے لوگوں کے نام نہ معلوم ہوں، ورنہ میری راتوں

رات بھر بینکار رہتا۔ کسی گھری پر غصہ اتار دیا میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیا سمجھیں؟ کی نیز حرام ہو جاتی ہے۔ میں سونپنے لگتا ہوں کہ اگر اس کا نام تفضل حسین ہے تو اس کے باپ

کا کیا نام ہو گا۔ کیا چھل ہو گا کیونکہ تفضل کا قافیہ تحمل ہی ہو سکتا ہے یا پھر زیادہ سے زیادہ تحمل

”میں کچھ نہیں سمجھی..... تم میرے پیچے کیوں لگے ہو۔“

”مقدرات..... جنہیں کوئی بھی نہیں ٹال سکتا۔“ حمید سخنی سانس لے کر بولا۔ ”میرا بھگا۔ خیر چلے۔ دل کو تھوڑی سی تسلیں ملی اور نیند آگئی۔“ دوسرے دن میاں تفضل حسین سے

نے سوچا تھا کہ اس سال شادی کر داں گا مگر اب دس سال تک کوئی امید نہیں۔“

”پوچھا بھی تھا بے باپ کا کیا نام ہے۔ بڑی سعادتمندی سے بولے محمد حیدر بخش..... عکر میرا رچکا گیا۔ پھر بکھلا کر دادا کا نام پوچھا جواب مل محمد علی اور میں اپنا سر پیٹ کر خاموش ہو گیا۔

”کیوں.....؟“

”ہلو..... روی.....!“ اچاک کسی نے کیبن کے باہر سے روی کو مخاطب کیا۔ حمید ان پرداز کا نام پوچھنے کی بہت نہیں پڑی کہ ممکن ہے کہ اسے سن کر اس سے زیادہ مایوسی ہو۔“

”مایوسی..... بھلا مایوسی کیوں.....!“ روی ہنسنے لگی۔

”میں تھا۔“

”آؤ..... آؤ..... ٹلے آؤ.....!“ روی کھل اٹھی۔

”میں خود کش کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ آپ خود سونپے اس تحریبے کے بعد

دونوں کے پیچے لگا رہا تھا۔ یہ کافی قبول صورت اور پرکشش تھا۔ حمید حسوس کر رہا تھا کہ اس کی راتیں کیسی گذری ہوں گی۔ خلا کسی تھوڑی علی سے ملاقات ہوئی۔ جلدی میں ان کے باپ

اسے ضرور پسند کرتی ہوں گی۔“

”تصور علی ہو سکتا ہے کیونکہ قافیہ یہی ہے لیکن پھر خیال آیا کہ جب تفضل حسین کے باپ کا نام محمد

وہ کیبن میں آگیا..... لیکن حمید کو دیکھ کر اس طرح ٹھکا جیسے اب تک وہ روی کو دیکھ رہا تھا ہے تو تھوڑا علی کے باپ کا نام شیخ سلاور کیوں نہ ہو گا۔ بس اختلاج شروع

کر رہا ہے۔ روی اس کے پیچے تھی۔ وہ ایک خالی کیبن میں جائیشے اور حمید کہنے لگا۔

”کسی گھری پر دو چار منٹ تک غصہ اتار دیا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں نے ایک

ساری رات ایک گدھ سے پر غصہ اتارا تھا۔ گدھ سے مراد آدمی نہیں ہے، جیسے کسی مخصوص?

کے آدمی کو لوگ لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ بلکہ حق جج کا گدھا..... ہاں تو اسفاً ایک بار مجھے ابک

ایسے مکان میں قیام کرنا پڑا۔ جس سے ملا ہوا کسی دھوپی کا گھر تھا۔ رات میں اُس کے گرد

نے پینکا شروع کیا۔ میری نیند اچھی اور مجھے غصہ آگیا۔ بھلا گدھ سے آدمیوں کی سی باتیں میں۔ میں تو آپ سے ہرگز آپ کا نام نہیں پوچھوں گا۔“

کرتا۔ اُسی کی زبان میں اُسے سلواتیں سنائی شروع کر دیں۔ دو چار بار اسے چیلنج بھی کیا کفر۔ آنے والا کچھ جھینپا جھینپا سانظر آنے لگا کیونکہ اُس نے بڑی گرم جوش کا اظہار کیا تھا

آئے میدان میں..... نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے پُڑوی نے میرے میزبان کے دروازے پر دکٹ لیں روی پر اس کا ذرہ برابر بھی اترنے نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور شرارت آمیز انداز میں مسکراتی رہی۔

دلے کر کہا۔ ”اگر تم مجھے ضد دلاؤ گے تو میں بھی ایک پال لوں گا۔“

روی ہنسنے لگی اور حمید نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھنے ہوئے کہا۔ ”بہر حال میں غھے بڑا بولا۔“ میرے لئے یہی بہتر بھی ہوتا ہے کہ مجھے لوگوں کے نام نہ معلوم ہوں، ورنہ میری راتوں

رات بھر بینکار رہتا۔ کسی گھری پر غصہ اتار دیا میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیا سمجھیں؟ کی نیز حرام ہو جاتی ہے۔ میں سونپنے لگتا ہوں کہ اگر اس کا نام تفضل حسین ہے تو اس کے باپ

کا کیا نام ہو گا۔ کیا چھل ہو گا کیونکہ تفضل کا قافیہ تحمل ہی ہو سکتا ہے یا پھر زیادہ سے زیادہ تحمل

”میں کچھ نہیں سمجھی..... تم میرے پیچے کیوں لگے ہو۔“

”مقدرات..... جنہیں کوئی بھی نہیں ٹال سکتا۔“ حمید سخنی سانس لے کر بولا۔ ”میرا بھگا۔ خیر چلے۔ دل کو تھوڑی سی تسلیں ملی اور نیند آگئی۔“ دوسرے دن میاں تفضل حسین سے

نے سوچا تھا کہ اس سال شادی کر داں گا مگر اب دس سال تک کوئی امید نہیں۔“

”پوچھا بھی تھا بے باپ کا کیا نام ہے۔ بولے محمد حیدر بخش..... عکر میرا رچکا گیا۔

”کیوں.....؟“

”ہلو..... روی.....!“ اچاک کسی نے کیبن کے باہر سے روی کو مخاطب کیا۔ حمید ان پرداز کا نام پوچھنے کی بہت نہیں پڑی کہ ممکن ہے کہ اسے سن کر اس سے زیادہ مایوسی ہو۔“

”میں تھا۔“

”آؤ..... آؤ..... ٹلے آؤ.....!“ روی کھل اٹھی۔

”میں خود کش کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ آپ خود سونپے اس تحریبے کے بعد

دونوں کے پیچے لگا رہا تھا۔ یہ کافی قبول صورت اور پرکشش تھا۔ حمید حسوس کر رہا تھا کہ اس کی راتیں کیسی گذری ہوں گی۔ خلا کسی تھوڑی علی سے ملاقات ہوئی۔ جلدی میں ان کے باپ

اسے ضرور پسند کرتی ہوں گی۔“

”تصور علی ہو سکتا ہے کیونکہ قافیہ یہی ہے لیکن پھر خیال آیا کہ جب تفضل حسین کے باپ کا نام محمد

وہ کیبن میں آگیا..... لیکن حمید کو دیکھ کر اس طرح ٹھکا جیسے اب تک وہ روی کو دیکھ رہا تھا ہے تو تھوڑا علی کے باپ کا نام شیخ سلاور کیوں نہ ہو گا۔ بس اختلاج شروع

ہو گی۔ تصور علی اور شخ سلاور میں مٹھن گئی۔ خدا حفظہ رکھے، ساری رات جاگ کر گزرادی۔ پہنچنے دے اسلئے زبردستی اپنے ساتھیوں کو بینچنے دیتا چاہئے۔ کوشش کرتا کہ اضحاہ کو پاس بھی نہ بھکنے دے اسلئے زبردستی اپنے ساتھیوں کو ”اب آپ خواہ خواہ میرا وقت بر باد کر رہے ہیں۔ آپ با تم بڑی ابھی کر لے۔ چیز چھپ کر تباہی لگاتا۔ خوب چھپتا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسے محوس ہونے لگتا کہ وہ تو بڑی بور گر۔..... مجھے جلدی ہے۔ اچھا پھر بھی ملاقات ہو گی۔“ روی نے صافی کے لئے ہامو۔ قدم کی بااغی ہیں۔ مثلاً ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس نے روی کی موجودگی میں چھپتے کی کوشش کی تھی دیا۔ حمید نے اس سے ہاتھ ملا تے وقت ایک طویل سائیں لی اور نشیلی آنکھیں بن کر رکھا۔ اور اب محوس کر رہا تھا جیسے اس نے بہت ہی گھٹایا قسم کی باتمی کی ہوں۔ کسی تمرڈ کا لاس مخترے والے کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ بھی روی کے ساتھ ہی اٹھتا ہوا اسکرا کر بولا۔ ”مجھے ایا زکہتے ہیں۔“

”پھر اس بے نام کی ادائی کو کہاں دفن کروں۔“ وہ آہستہ سے بڑی بڑی اٹھ گیا۔ حمید نے پہلے تو اپنے کافنوں میں انگلیاں ٹھوٹیں لیں پھر بڑا سامنہ بنا کر بڑی بڑی ایا۔ لوگوں کی اب اسے کھلنے لگی تھیں۔ ویسے عادتاً وہ انہیں دیکھ کر بے چین ضرور ہو جاتا تھا۔ ”اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو سن ہی لیا۔ خدا کے لئے اب اپنے والد کا نام لگی۔ لیکن جب کسی سے گفتگو شروع ہو جاتی تو تھوڑی ہی دیر بعد اسے وحشت ہی ہونے لگتی۔ جائیے ورنہ زندگی مجھ پر حرام ہو جائے گی۔“ ”باب پ کا نام تو ہرگز نہ بتاؤں گا.....!“

”چلو.....!“ روی اسے ہلکیتی ہوئی بولی اور وہ دونوں کیسین سے باہر چلے گئے۔ چاہتا تھا۔

حمد نے اس لڑکی کے متعلق سبی رائے قائم کی تھی کہ وہ صرف موڈی ہے۔ نظرنا۔ وہ ذرا ہی دیر میں روی اور اس کے ساتھی کے متعلق سب کچھ بھول گیا حالانکہ اسے ہر حال میں ان دونوں پر نظر رکھنی چاہئے تھی۔ ایا اس نے اپنا نام بتایا تھا۔ پتے نہیں وہ بھی حقیقت نہیں ہے کہ ہر ایک سے بے تکلف ہو جائے بلکہ زبردستی ایسا کرتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ تھا کیا؟ وہ کافی عرصے سے فریڈی کو ایسی لڑکیوں کے چکر میں رکھی یا جھوٹ۔ آدمی مکار قسم کا معلوم ہوا تھا اور پھر اس کا رویہ بھی مشتبہ تھا۔ حمید نے اسے اپنا تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ لڑکیوں میں وقی طور پر بیدا ہو جانے والا وحشیانہ پین کسی زندگی مرفنا اور روی کا تعاقب کرتے دیکھا تھا اور پھر اس طرح ان سے ملا تھا جیسے اسے کیسین میں حمید کی کامیابی نہ رہا ہو۔ مگر حمید کی ادائی تجسس کی جلت پر غالب آگئی تھی۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس بھانت بھانت کی لڑکیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ ویسے فریڈی نے آج پہلے آدمی کی اصلیت کا پتہ لگائے بغیر خچلانہ بیٹھتا۔

فریڈی اس سلسلے میں کیا کر رہا ہے۔ اس کا علم اسے نہیں تھا اور نہ اس نے معلوم کر سکھا۔ ایسی جو شر سے باہر ایک پُر فضام مقام پر واقع تھا اور آج کل گرمیوں کے موسم میں وہاں کی راتیں بڑی خوفگوار ہوا کرتی تھیں۔

وہاں آج کل کھلے آسان کے یچے رقص ہوتا تھا اور رقص گاہ کے گرد پھولدار جھاڑیوں میں رنگ برینگ کے قفقے جگہا کیا کرتے تھے۔ موسیقی کی لہریں دور تک سنائے میں منتشر ہو کر بڑی آج کل وہ مستقل طور پر اکتا ہے۔ کاشکار ہو رہا تھا۔ پتے نہیں کیوں۔ وجہ خود نے کاشکار کیا۔

تقریباً پانچ بجے حمید اسے ایک لیکسی میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔

اس نے سوچا کہ اگر وہ کوشش کرے تو یہ رات بڑی خونگوار ثابت ہو سکتی ہے مگر باہم۔

”بُنْهَرْ تُو جَانَا دِغَا باز.....!“ اُس نے دھاڑ کر اپنی کار اسٹارٹ کر دی اور پھر اتنی جلدی

میں رات گزارنے کے لئے ایونٹ سوٹ ضروری تھا اور ایونٹ سوٹ کے لئے اسے کم؛ انہیں بڑک پڑایا کہ وہ ایک کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ دونوں نے بریک لگائے اور کاروں

کے اگلے حصوں میں صرف ایک فٹ یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

ضرور جانا پڑتا تھا مگر پہنچنے پر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ نیا گرہ تک جاہی نہ سکتا۔

اس کا دل چاہا کہ کسی دیوار سے ٹکرنا کر ہمیشہ کے لئے قصہ ہی فتح کر دے۔ اسے بڑا

”اندھا.....!“ دوسرا کار کا ڈرائیور کھڑکی سے سرٹکال کر چینا۔

بیک فریدی پر غصہ آ گیا جو اسے اپنے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”آج میں ضرور پیسوں گا۔“ وہ جھلانے ہوئے لبجھ میں بڑا بیما۔ ”مجھے شرافت ا

اور جیسے ہی دوسرا کار کے ڈرائیور نے اسے غور سے دیکھا اس کی روح فتاہو گئی۔ شہر میں

انسانیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ قام کے باپ کی تقریباً چار درجن ٹیکلیاں چلتی تھیں اور یہ لیکسی بھی اتفاق سے انہیں میں سے

ایک تھی۔

اس نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور اب وہ لیکسیوں کے اڈے کی طرف بڑھ رہا۔

لیکن اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ ایک ڈبل پٹلا چینی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

”سرے ہی لمحے میں ڈرائیور اسے آندھی اور طوفان کی سی سرعت سے آگے ٹکالے گیا۔ ویسے یہ ضروری نہیں تھا کہ قام اپنے یہاں کام کرنے والے سیکلوں آدمیوں میں سے

کبھی بے خبر ہو کر راہ نہیں چلتا تھا لیکن اس وقت اس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں تھی۔

ہر ایک کو پیچا نہیں تھا۔

اس نے بھی اپنی کار بڑھائی اور دل ہی دل میں حمید کو گالیاں دیتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ

ملکن ہے روہی بھی اس کے ساتھ رہی ہو۔

وہ کار کی رفتار تیز کرتا رہا اور اُس کار کو پیچے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا جس سے ٹکر ہوتے

ہوتے پہنچتی۔

اس کے بعد جو کار دکھائی دی اس کے متعلق قام نے یہی اندازہ کیا کہ وہ ہو سکتی ہے

لیکن کہنے لیے راجس اسٹریٹ کے سامنے سے گزری تھی۔

قام نے رفتار کچھ اور تیز کی اور لیکسی کے برابر پہنچ گیا حمید بچھلی سیٹ پر موجود تھا۔ ”قبر

اوروہ کسی نہ رہے ہی ارادے کے تحت اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس نے لکن کے چوراہے کے

لکھ پیچا نہیں چھوڑوں گا..... سمجھ۔“ قام نے چیخ کر کہا۔

”تم کہاں چلے گئے تھے پیارے.....!“ حمید چیک کر بولا۔ ”دیکھو آخروہ خفا ہو گئی۔

اُس بھاگے کوں تھے۔ وہ کہہ رہی تھی ایسے یہ تو فون سے دور ہو رہتا چاہئے۔

”اب ہم خود یہ تو فوٹاں گا۔“ اپنی گاڑی کو رکواؤ ورنہ لا دوں گا۔“

اُس بھاگے کوں تھے۔ اس نے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اندر کر کھڑی کر دی۔

اوہ سڑک سے گذرنے والی ہر کار کو آنکھیں چھاڑ کر گھورنے لگتا تھا۔

خونگوار بازگشت پیدا کر تیں۔

## بار میں ہنگامہ

قام غصے میں پاگل ہو رہا تھا اسے لیکن تھا کہ حمید نے روہی کو اس کے خلاف وغلابی

اوروہ کسی نہ رہے ہی ارادے کے تحت اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس نے لکن کے چوراہے کے

قریب اپنی بیوک روک دی اور وہیں حمید کا خفتر رہا۔ وہاں اس نے رکا تھا کہ حمید خواہ راجل

اسٹریٹ جائے یا اپنے گھر کی طرف اسے لکن کے چوراہے سے ضرور گزرنے پڑے گا۔

قام تقریباً تین گھنٹے تک رکا رہا۔ اس نے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اندر کر کھڑی کر دی۔

اوہ سڑک سے گذرنے والی ہر کار کو آنکھیں چھاڑ کر گھورنے لگتا تھا۔

حید نے ڈرائیور سے رکنے کو کہا۔ اُس کے ذہن میں ایک نئی شرارت جنم لے رہی تھی۔ پڑی دیر کی ہوت پہنچ ہوئے بچھوٹ بچھوٹ کر پہنچا رہا۔  
تیکسی رک گئی۔ دوسری طرف قام نے بھی کار روک دی تھی۔ اس طرح دونوں کا جید نے اب کاسنے بار جانے اور شراب پینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔  
نے سڑک کی پوری چوڑائی گھبری تھی۔ اس سلسلے میں انہیں پیچھے آنے والی کاروں سے گندی گندی گالیاں سنائی دیں۔ تیکسی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا کر سڑک کے اتار دی۔ دوسری کاروں کو آگے بڑھنے کے لئے راستہ لگا۔ ان میں وہ کار بھی تھی جس پر کا تعاقب کرنے والا چینی بیٹھا ہوا تھا۔

حید تیکسی کا کرایہ ادا کر کے قام کی کار کے قریب آیا۔

”کیا بات ہے۔“ اُس نے قام کی ٹھوڑی میں ہاتھ لگا کر کہا۔ قام نے کسی روشنی سے عورت کی طرح اُس کا ہاتھ جھکتے ہوئے کہا۔  
”ارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ حید بھائی۔ جب کہوت۔ ابھی اگر کسی کو دکھاد تو میں اسی وقت تمہیں اپنا کمال دکھا سکتا ہوں۔“  
”فہیں ابھی صبر کرو۔“

”مگر یا ر حید بھائی وہ کلاک ناول پر پھراؤ کیوں کر رہی تھیں۔“  
”کیا تمہیں یقین ہے کہ انہوں نے کلاک ناول پر پھراؤ کیا تھا۔“  
”ارے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔“ قام نہ کہا۔

”بڑی شریر لاکیاں معلوم ہوتی ہیں۔“  
”ہاں ہیں تو.....!“ حید کچھ سوچتا ہوا بولا۔  
کچھ دریک خاموشی رہی پھر حید نے کہا۔ ”ہم کیوں نہ راجس اسٹریٹ ہی چلیں۔ مجھے ال کامن معلوم ہے۔ وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔“

”کبھی نہیں۔ حید بھائی۔“ میں بہت بد قسمت آدمی ہوں۔“ قام نے گلوگیر آواز میں کہا۔  
”دل نہ ٹھوڑا کرو۔“ حید نے اسے تلی دی۔ ”اے فضل کرتے ور نہیں لگتی یا ر!“  
”میں تو سوچتا ہوں کہ اب مر رہی جاؤں۔“

”ہرگز نہیں۔“ حید بخوبی سے بولا۔ ”ایسا نہ کرنا۔ نہیں تو تمہاری بیوی کو بڑی خوشی ہوگی۔“  
”اکمل۔“ قام نے پھر اس کا تذکرہ چھیڑا۔“ قام نے غصیل آواز میں کہا۔  
”حید آہستہ آہستہ پھر بوریت محسوس کرنے لگا تھا لہذا اُس نے تیری بار اپنا ارادہ بدل

”تم مجھے انہیں بنا سکتے..... ہاں.....!“  
”میں نے تمہارے ساتھ کوئی بُرانی نہیں کی بلکہ تقریباً دو گھنٹے تک اسے تمہاری خصوصیات بتانا رہا ہوں، مگر اسے یقین نہیں آتا۔“

”کیا بتایا تھا تم نے۔“ قام نے اشتیاق ظاہر کیا۔

”یہی کہ شاید تم دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہو۔“  
”ہاں..... ارے..... ہی ہی ہی..... میں کیا۔“

”واہ..... کیا میں نے غلط کہا تھا۔“ حید نے انگلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر ہوئے کہا۔ ”میں نے اسے تمہارے درجنوں کا رہنا سے سنا ہے۔“

”بھر اس نے کیا کہا۔“ قام نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

”کہنے لگی اب میں قام صاحب کو بہت قریب سے دیکھوں گی۔“

”قام صاحب!..... کیا کہا تھا۔“ قام نے پر اشتیاق لجھ میں کہا۔

”دو ایک بار بے خودی میں قام پیارے بھی کہہ گئی تھی۔“

”ارے..... نہیں..... جھوٹ..... ہی ہی ہی۔“

”خیر آئندہ ملاقات ہونے پر تم خود ہی حقیقت معلوم کرلو گے۔“ حید نے کہا۔

”میر بھی آؤں۔“ قاسم نے پوچھا۔

.....اب تم جاؤ۔ میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔“

وہ اُن دوسری لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے۔ ” قاسم نے آہتہ سے پوچھا۔

کھا بگا کہ بتم سمجھتے کر نے لگئے۔ اب درفعہ ہو جاؤ۔“

اس سے ہوں گے۔ لیکن قاسم کی کار جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے  
مہمید آگے بڑھ گیا۔ ”چاہئے، حصہ یہ گا۔“

جید پیل ہی سنگ بار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس بار کامالک پی سنگ نامی ایک کوئی بار کا سزا مانع اور کافی بدنام بھی تھا۔

بچے ہی حمید نے بار کے اندر قدم رکھا، مریل سے ایگلو اٹھیں بار شڈر نے اُسے خوفزدہ سے دکھ کر کاؤنٹر پر پھیلی ہوئی چیزوں کو رکھنا اٹھانا شروع کر دیا۔

لیکن حید کا دھر کی طرف نہیں گیا۔ چونکہ یہ مینے کی آخری تاریخیں تھیں اس لئے یہاں ہیز بھی نہیں تھی۔ کئی میزیں خالی نظر آ رہی تھیں۔ ورنہ ویسے یہاں شام کوٹل رکھنے کی بھی

س ہوا کرتی تھی۔ حمید دروازے کے قریب کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ آج کل یہاں کاروبار پر معلوم ہوتا تھا کیونکہ ایک چھوڑ میں تین وینٹن فلٹ آ رہے تھے۔ درستہ پہلے تو ایک بھی وینٹر ہوا

میں اور کاشتہ بارش نہ رہی ویٹر کا کام کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ یہ دنوں نے ویٹر جیسی تھے۔ جیسی تھے اور کاشتہ بارش نہ رہی ویٹر کا کام کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار پھر اس کی نظریں بارش نہ رکی نظریوں سے ملیں اور بارش نہ رکی۔

نے سر جھکایا۔ حمید نے اسے دوفوں چینی و شہروں کو پچھہ اشارہ کرتے دیلھا۔ اسے یعنی خدا کے تھے۔

ایسا ناٹھیر جمیں کی طرف بڑھا۔

”اور نیز اسکوائش.....!“، ”حمد نے کہا۔  
اپ لے لئے کیا لوں۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔

”نہیں ہے۔“

دیا۔ اب وہ راجس اسٹریٹ بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ اُس نے سوچا تھا کہ قاسم کو ایک بار بڑے ہاتھوں پٹوادے گا۔ لیکن ان دنوں کسی ایک بات پر طبیعت جتنی ہی نہیں تھی۔ حیدر کو شر کر اپنے ذہن کو کرید کر اس بیزاری کی وجہ دریافت کر لے، مگر کامیابی نہ ہوتی۔

وہ سوچنے لگا کہ اب اسے ان نعمیات کو چھوڑ کر کوئی ٹھوس کام کرنا چاہئے۔ ممکن ہے طرح بیزاری رفع ہو سکے۔ اسے یاد آیا کہ فریدی ان دنوں اکثر سنگ سنگ بار کے چکر کے

ہے اور فریدی سے تصحیح اوقات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ لہذا وہ کسی خاص ہم قسم کا چکر ہو گا۔“ دفتار اس نے قام سے کہا۔ ” مجھے بندرگاہ کے علاقے میں لے چلو۔“

”راجس اسٹریٹ نہیں۔“ قائم بولا۔  
”نہیں اس وقت مناسب نہیں ہے۔ اگر اس کے باپ سے مدد ہیز ہو گئی تو سارا کھلیا۔

”باپ ہے اُس کا؟“ قام نے پوچھا۔ اس کے لمحے میں بڑی مایوسی تھی۔

”نہ صرف باپ میلہ دادا ہیں۔ بھی خان بہادر سجاد کا نام سناتے ہے۔“  
”ہاں..... ہاں کیوں نہیں۔“  
”جس سے کام کرے۔“

”ہات تیری تقدیر کی .....!“ قاسم بسور کر بولا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگا۔ ”میں بھائی، گھنی نہیں، حلگا۔ مالا کرتا۔“

”تم جانو.....!“ حمید نے اکتائے ہوئے لمحہ میں کہا۔ وہ دراصل اب اس موضوع پر کوئی بات اخراج نہ کر سکتا تھا۔

قائم نے گرینگ روڈ پر کار موڑی اور اب وہ بندرگاہ کے علاقے کی طرف جائے تھے۔ محمد سنگھ مارٹک حادثہ میں اپنے بیٹے، گاموئی، کراں، قم، تھانے، وال، کالا

غذیں بارٹر فریدی اور حمید سے اسی طرح واقف تھا جیسے دنیا کے سارے آدمی ملک اپنے سے واقف ہیں۔

حمد نے سنگ بار سے کافی فاصلے پر کارکوائی اور نیچے اتر گیا۔

”تو پھر سادہ پانی میں برف ڈال لاؤ۔“

”گستاخی معاف! یہ بار ہے۔“ ویٹر بولا۔

دفعتاً حمید نے ایک چینی سنی، جو کسی بند کمرے میں گنجی تھی۔ دوسرے لوگ بھی پھر آہستہ سے بولا۔ ”تم کاؤنٹر کے پیچے والے دروازے کو توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش کرتا۔ یہ چاروں طرف دیکھنے لگے تھے۔

بارٹنڈر نے بلند اور کلپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کوئی خاص بات نہیں ہے حضرات!“ چنپھر سنائی دی اور یک بیک حمید نے کھڑے ہو کر بارٹنڈر سے کہا۔ ”یہ کون ہے؟ میں ایک ملازم جن کی پوری بوتل پر جرا کر صاف کر گیا ہے۔ اسی کی مرمت ہو رہی ہے۔“ اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

لوگ پھر اپنے گلاسوں اور بوتوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ”تم سے مطلب.....!“ ایک چینی غرا کر اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”چپ چاپ بیٹھو حمید ایک بند دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آواز دراصل اسی کے پیچے سے آئی تھی ورنہ باہر چلے جاؤ۔“

دوسرا ہی لمحے میں حمید کا گھونسہ اس کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ ایک میز سے ٹکرنا کر میز نہ جانے کیوں اُسے وہ آواز پچھے جانی پہچانی معلوم ہوئی تھی۔ ”یہ سرکاری کام ہو رہا ہے۔“ اچانک اُس نے قاسم کی آواز سنی اور چونکہ کاؤنٹر کی طرف جھپٹنا اور ساتھ ہی سامنے آتی ہوئی ہر پر جھکنا ہوا مسکرا رہا تھا۔

”میں کرٹل صاحب کو اس کی اطلاع ضرور دوں گا۔“ قاسم نے اسمانہ بنا کر بولا۔ ”بر جید بڑی پھر تی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ چینی نے اس حملے پر اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی۔“

پارسا بنتے ہیں۔“ ”بیٹھو! بیٹھو!“ حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

قاسم اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی پشت کاؤنٹر کی طرف تھی اور وہ بند دروازے جو کے پر پڑا۔

”دوسری طرف قاسم نے بارٹنڈر کو اٹھا کر کاؤنٹر کے باہر پھینک دیا تھا اور اب دروازے پر کریں مار رہا تھا۔ اُسے تو یہی محسوس ہوا جیسے وہ دروازہ توڑ کر اندر جا پڑا ہو۔ لیکن وہ محض اس کا پر استعمال کرتا ہے۔“

”چھاؤ..... چھاؤ.....!“ چنپھر سنائی دی اور حمید اس بار میسانندہ اچھل پڑا۔ اب اس نے آواز پہچان لی تھی۔ یہ آواز فریدی کے دوسرے استثنی سرجنٹ سرجنٹ ریش کی تھی۔ تیری چینی توڑ ہے ہے شہابت بھی زائل کر دیئے۔

”قاسم.....!“ حمید قاسم کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ ”تم یہ چینی سن رہے ہو۔“

”ہاں..... سن رہا ہوں۔“

”یہاں جھکڑا بھی ہو سکتا ہے۔“

”سیکون! کون کرے گا جھکڑا۔“

”سیکھو! میں شروع کرتا ہوں۔“ حمید نے چاروں طرف گھوڑتی ہوئی نظروں سے دیکھا

دفعتاً حمید نے ایک چینی سنی، جو کسی بند کمرے میں گنجی تھی۔ دوسرے لوگ بھی پھر آہستہ سے بولا۔ ”تم کاؤنٹر کے پیچے والے دروازے کو توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش کرتا۔ یہ

چینی سرجنٹ ریش کی تھی۔“

بارٹنڈر نے بلند اور کلپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کوئی خاص بات نہیں ہے حضرات!“ چنپھر سنائی دی اور یک بیک حمید نے کھڑے ہو کر بارٹنڈر سے کہا۔ ”یہ کون ہے؟ میں

ایک ملازم جن کی پوری بوتل پر جرا کر صاف کر گیا ہے۔ اسی کی مرمت ہو رہی ہے۔“ اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

لوگ پھر اپنے گلاسوں اور بوتوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ”تم سے مطلب.....!“ ایک چینی غرا کر اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”چپ چاپ بیٹھو

حمدی ایک بند دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آواز دراصل اسی کے پیچے سے آئی تھی ورنہ باہر چلے جاؤ۔“

نہ جانے کیوں اُسے وہ آواز پچھے جانی پہچانی معلوم ہوئی تھی۔

”یہ سرکاری کام ہو رہا ہے۔“ اچانک اُس نے قاسم کی آواز سنی اور چونکہ کرمزا۔ وہاں سیت دوسری طرف الٹ گیا۔ قاسم اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف جھپٹنا اور ساتھ ہی سامنے آتی ہوئی ہر پر جھکنا ہوا مسکرا رہا تھا۔

”میں کرٹل صاحب کو اس کی اطلاع ضرور دوں گا۔“ قاسم نے اسمانہ بنا کر بولا۔ ”بر جید بڑی پھر تی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ چینی نے اس حملے پر اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی۔“

”لہذا اور خالی جانے پر وہ اپنے ہی زور میں منہ کے مل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ تیرے ویٹر نے حمید پر ٹوٹے کی بوتل کھینچ ماری لیکن حمید غافل نہیں تھا۔ اس نے اُسے بھی خالی دیا اور وہ ایک گاہک پارسا بنتے ہیں۔“

”بیٹھو! بیٹھو!“ حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

قاسم اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی پشت کاؤنٹر کی طرف تھی اور وہ بند دروازے جو کے پر پڑا۔

”دوسری طرف قاسم نے بارٹنڈر کو اٹھا کر کاؤنٹر کے باہر پھینک دیا تھا اور ساتھ ہی سامنے آتی ہوئی ہر پر جھکنا ہوا مسکرا رہا تھا۔“

”چھاؤ..... چھاؤ.....!“ چنپھر سنائی دی اور حمید اس بار میسانندہ اچھل پڑا۔ اب اس نے آواز پہچان لی تھی۔ یہ آواز فریدی کے دوسرے استثنی سرجنٹ سرجنٹ ریش کی تھی۔ تیری چینی توڑ ہے ہے شہابت بھی زائل کر دیئے۔

”قاسم.....!“ حمید قاسم کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ ”تم یہ چینی سن رہے ہو۔“

”ہاں..... سن رہا ہوں۔“

”یہاں جھکڑا بھی ہو سکتا ہے۔“

”آسے ہٹا لے جاؤ۔“ دفعتاً حمید نے پی سگ کی آواز سنی اور ایک طرف سرجنٹ ریش کو

بیہوش پڑا دیکھا۔

اُس کمرے میں وہی پانچ آدمی تھے اور چھٹا خود پی سنگ تھا۔ حمید کو شش کرنے لایا۔ حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے مس جوزف کو گھر رہا تھا۔ اتنا قسم جزو کی

طرح قسم کو اٹھنے میں مددے۔ قام طاقتو ر ضرور تھا لیکن اُس میں پھر تی نہیں تھی۔ ہوئی اندریں پھر اس کی طرف اٹھ گئیں اور حمید نے بے تحاشہ اُسے آنکھ مار دی۔ لڑکی کے منہ سے کیسے..... کیونکہ وہ حد سے زیادہ جسم آدمی تھا۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔“ حمید نے پی سنگ کی آواز سنی اور اسے اسی لئے آنکھ مارتی تھی کہ موجودہ حالت میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہو جائے۔ جیسے علی پی بھی۔ وہ سامنے کھڑا تھا اور اُس کے دامنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوال کارخ حمید کی طرف تو پی سنگ کی نظر اس پر سے ہٹی اس نے پی سنگ پر چھلانگ لگادی۔ پی سنگ دیوار سے جاگنکرایا لیکن حمید نے اپنے دونوں ہاتھ اور اٹھا دیئے۔ پانچوں آدمی بھی قسم کو چھوڑ کر الگ ریوال حمید کے ہاتھ میں نہیں آسکا۔ وہ اب پی سنگ کے ہاتھ میں بھی نہیں تھا۔ حمید نے اس کی گئے۔ قام ہانپا ہوا اٹھا اور پی سنگ کے ہاتھ میں ریوال دیکھ کر اُس کے دیوتا کوچ کر گئے تھے۔ قام اُن لوگوں پر ثوٹ پڑا تھا، جو نیش کو اٹھا کر وہاں سے دھماکے والے اسلحے سے بہت ڈرتا تھا۔ البتہ ہاتھ پیر کی لاٹی میں وہ شاید رستم سے بھی پیچے لے جا رہے تھے۔

ہتا۔ اُس نے بھی ہانتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

”اے لے جاؤ۔“ پی سنگ نے بیہوش ریمش کی طرف اشارہ کر کے اپنے آدمیوں۔ ”زرا عی سی دری میں بُری طرح ہائپنے لگا۔ وہ اُسے اپنے نیچے دبائے رکھنا چاہتا تھا۔ کہا۔“ ”گلی میں وین کھڑی ہے۔“

”پی سنگ کو شامت آئی ہے۔“ حمید نے اسے لکارا۔

”شامت کا حال ابھی معلوم ہوگا۔ میں پی سنگ ہوں سمجھے۔ یہ ریمش تو یہاں آیا ہے۔“ ”دو رازہ کھولو۔۔۔ پولیس ہے۔“ کسی نے بھاری بھر کرم آواز میں کہا۔

”پی سنگ کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے لیکن نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ خائن ہو گیا ہے کیونکہ قما اور تم دونوں میری یکریٹری مس جوزف کو چھیڑ رہے تھے۔“

”سرے لئے میں اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔“ ریمش کو نہیں رہنے دو۔ مس جوزف کا دروازہ بند کر دے کیونکہ باہر سے بھی لوگ بار میں داخل ہونے لگے تھے۔

”یہ دونوں تمہیں چھیڑ رہے تھے مس جوزف۔“

”لڑکی نے انہیں خور سے دیکھا اور بولی۔“ ”ہاں! انہوں نے مجھے زبردست اٹھا لے جائے کو شش کی تھی۔“

”قام۔۔۔“ حمید نے جلدی سے کہا۔ ”یہ پانچوں یہاں سے نکلنے پائیں۔“

”ان کے باپ بھی نہیں نکل سکتے۔“ قام داہنی طرف کے دروازے پر جمٹا ہوا بولا۔

ایک بار پھر جدوجہد شروع ہو گئی لیکن دروازہ ٹوٹنے ہی والا تھا، مس جوزف اپنا اسکرٹ پہاڑ ریتھی۔ اچانک دروازہ ٹوٹا اور آدمی اندر آگئے، ان میں دو کافیشیں بھی تھے۔

”دیکھا تم نے۔“ پی سنگ نے حمید سے کہا۔

”تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اس کی شایان شان سلوک کیا جائے گا۔“

”اُس کی نظریں اُس لڑکی پر تھیں اور وہ اپنے ہوت چاث رہا تھا۔

فخار میش نے کراہ کر کروٹ بدی اور حمید اس کی طرف جھپٹا۔ میش اٹھنے کی کوشش کر رہا

اچانک مس جوزف نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا اور پی سنگ دہانے لگا۔ حمید نے سہارادے کر اُسے بھاٹا دیا لیکن اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں اور وہ دونوں

ہے۔ یہ سراسر زیادتی ہے۔ ان لوگوں نے میری سیکریٹری کو زبردستی لے جانا چاہا تو انہوں نے اپنی کپنیاں دبائے ہوئے تھا۔

بہت پچھے ہوئے تھا۔ وہ ادھر پہاڑا ہوا ہے، اور یہ دونوں ہم پر زبردستیاں کر رہے تھے۔ ”میش.....!“ حمید نے اُسے ہلایا۔

”پی سنگ تمہاری بکواس کام نہیں آئے گی۔“ حمید نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

”ہاں ہاں..... آپ لوگ بادشاہ ٹھہرے، جو چاہیں کرتے پھریں۔“ پی سنگ ہاتھ پر ہوا۔

”تمہارے پاس اس روایو کا لائنس ہے۔“ حمید نے فرش پر پڑے ہوئے رہا۔ ”آپ انہیں سن جائے۔“ حمید نے سب انکش سے کہا۔ ”میں میش کو لے جائیا

طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”تم یہ نہیں کہہ سکو گے کہ اسے ہم نے استعمال کیا تھا کیونکہ اُس اس کی حالت تھیک نہیں ہے۔“ پھر وہ قاسم کی طرف مڑ کر بولا۔

”کیا تمہاری کار کہیں قریب ہی ہے۔“

”آں.....!“ قاسم چوک پڑا۔ وہ لڑکی کو گھوڑنے میں محظا اور کسی اسکی چگاڑی کی طرح

پلکن جوچکار رہا تھا جو اندر ہیرے سے اجائے میں پکڑ لائی گئی ہو۔

”اپنی گاڑی بیہاں لاو۔“

”اچھا.....!“ قاسم نے بھاڑسا منہ کھوں کر کہا اور لڑکڑاتے ہوئے تدموں سے

روازے کی طرف بڑھنے لگا۔

”اُن میں سے ایک کو بھی چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ حمید میش کی بغلوں میں

لڑکی چیخ چیخ کر رونے لگی۔ وہ حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر مغلقات بھی سناریو ہاتھ پر کھو دے کر اخوتا ہوا بولا۔

باہر قاسم کی کار موجود تھی۔ اس نے میش کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ میش ابھی تک کچھ بولا

”سب فراڈ ہے۔ اب یہ لوگ کیس بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ وہ روایو نہیں تھا۔ لہذا کہا مسئلہ تھا کہ وہ ہوش ہی میں ہے۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

وہ سولہ پہنچاں میں آئے اور وہیں سے حمید نے فریدی کو بھی فون کیا لیکن وہ گھر پر موجود

نہیں تھا۔ مدرسی بھجوں میں بھی جہاں اس کے ملنے کے امکانات تھے پوچھ چکھ کی گئی۔.....

”میں لایا تھا۔“ پی سنگ غصیلی آواز میں بولا۔ ”تم لوگ زیادتی بھی کرنے۔“ فریدی کہنے بھی نہ مل سکا۔

پھر آٹھوں کا شبیل اندر گھس آئے ان میں ایک سب انکش بھی تھا۔

”ارے آپ.....!“ اُس نے حمید کو دیکھ کر کہا۔

”ہاں! یہ لوگ سارجنٹ ریش کو پکڑ لائے تھے۔“ حمید نے کہا۔

اچانک مس جوزف نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا اور پی سنگ دہانے لگا۔ حمید نے سہارادے کر اُسے بھاٹا دیا لیکن اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں اور وہ دونوں

ہے۔ یہ سراسر زیادتی ہے۔ ان لوگوں نے میری سیکریٹری کو زبردستی لے جانا چاہا تو انہوں نے اپنی کپنیاں دبائے ہوئے تھا۔

بہت پچھے ہوئے تھا۔ وہ ادھر پہاڑا ہوا ہے، اور یہ دونوں ہم پر زبردستیاں کر رہے تھے۔ ”میش.....!“ حمید نے اُسے ہلایا۔

”پی سنگ تمہاری بکواس کام نہیں آئے گی۔“ حمید نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

”ہاں ہاں..... آپ لوگ بادشاہ ٹھہرے، جو چاہیں کرتے پھریں۔“ پی سنگ ہاتھ پر ہوا۔

”تمہارے پاس اس روایو کا لائنس ہے۔“ حمید نے فرش پر پڑے ہوئے رہا۔ ”آپ انہیں سن جائے۔“ حمید نے سب انکش سے کہا۔

”کیا تمہاری کار کہیں قریب ہی ہے۔“

”دستے پر صرف تمہاری عی انگلیوں کے نشانات ملیں گے۔“

”لی سنگ کا چھروہ اُتر گیا۔“

”آں.....!“ قاسم چوک پڑا۔ وہ لڑکی کو گھوڑنے میں محظا اور کسی اسکی چگاڑی کی طرح

پلکن جوچکار رہا تھا جو اندر ہیرے سے اجائے میں پکڑ لائی گئی ہو۔

”اپنی گاڑی بیہاں لاو۔“

”اچھا.....!“ قاسم نے بھاڑسا منہ کھوں کر کہا اور لڑکڑاتے ہوئے تدموں سے

روازے کی طرف بڑھنے لگا۔

”اُن میں سے ایک کو بھی چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ حمید میش کی بغلوں میں

لڑکی چیخ چیخ کر رونے لگی۔ وہ حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر مغلقات بھی سناریو ہاتھ پر کھو دے کر اخوتا ہوا بولا۔

باہر قاسم کی کار موجود تھی۔ اس نے میش کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ میش ابھی تک کچھ بولا

”سب فراڈ ہے۔ اب یہ لوگ کیس بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ وہ روایو نہیں تھا۔ لہذا کہا مسئلہ تھا کہ وہ ہوش ہی میں ہے۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

وہ سولہ پہنچاں میں آئے اور وہیں سے حمید نے فریدی کو بھی فون کیا لیکن وہ گھر پر موجود

نہیں تھا۔ مدرسی بھجوں میں بھی جہاں اس کے ملنے کے امکانات تھے پوچھ چکھ کی گئی۔.....

”میں لایا تھا۔“ پی سنگ غصیلی آواز میں بولا۔ ”تم لوگ زیادتی بھی کرنے۔“ فریدی کہنے بھی نہ مل سکا۔

پھنسا گئی دیتے ہو۔ مس جوزف ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہے۔

## قاسم اور تیسرا لڑکی

”کیا قصہ ہے جتاب۔“ سب انکش نے حمید سے پوچھا۔

””سب فراڈ ہے۔ اب یہ لوگ کیس بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ وہ روایو نہیں تھا۔ لہذا کہا مسئلہ تھا کہ وہ ہوش ہی میں ہے۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

وہ سولہ پہنچاں میں آئے اور وہیں سے حمید نے فریدی کو بھی فون کیا لیکن وہ گھر پر موجود

نہیں تھا۔ مدرسی بھجوں میں بھی جہاں اس کے ملنے کے امکانات تھے پوچھ چکھ کی گئی۔.....

”میں لایا تھا۔“ پی سنگ غصیلی آواز میں بولا۔ ”تم لوگ زیادتی بھی کرنے۔“ فریدی کہنے بھی نہ مل سکا۔

پھنسا گئی دیتے ہو۔ مس جوزف ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہے۔

رمیش کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ تمہوڑی تمہوڑی دیر بعد اپنی سرخ سرخ آنکھیں کھولتا۔ بلند نمبر ۱۷ بے اے کیٹی لے والا حادثہ بیش آیا تھا وہ کچھ اسی قسم کا ہو گیا تھا۔ اس کے اندر طرح خلاء میں گھومنے لگتا جیسے اسے کچھ دکھائی ہی نہ دنے رہا ہو۔ نہ وہ کسی کی آواز سن، ب زندگی کی لہر عموماً اسی وقت پیدا ہوتی تھی جب زندگی ہی خطرے میں ہو۔ سنگ سنگ بار میں کی طرف دیکھتا اور نہ اس کے ہونٹ ہی ملتے۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہماری سمت کے پنچے نے اس میں نئی روح پھوک دی تھی۔

بصارت سے محروم ہو گیا ہو۔ ڈاکٹر نے اس کی پیشانی پر ابھری ہوئی نیلے رنگ کی دھاری۔ اس نے قام کو اسٹرینگ پر سے ہٹا دیا تھا اور خود ہی کارڈ رائیو کر رہا تھا اور اسے وحشیانہ طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ ”جمید صاحب! انہیں بہت سخت قسم کی اذیت دی گئی ہے۔“ اداز میں ڈرائیو کر رہا تھا کہ قام کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ بار بار اسے ایکیڈنٹ کا خطرہ رسی پھنسا کر اس کا حلقة اتنا سنگ کیا گیا ہے کہ یہ بیہوش ہو گئے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ بیوی ہوئے لگا مگر جو نکل بیکر قسم کا آدمی تھا اس نے اپنی کمزوری کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔ کہہ سکتا کہ یہ انھے یا ہبرے نہیں ہو جائیں گے۔“ اور جمید سوچ رہا تھا کہ آخر اسے اذیت۔ وہ جلدی سنگ سنگ بار کے سامنے پہنچ گئے جہاں اب پہلے سے بھی زیادہ بھیز نظر آری ہی کیوں گئی تھی۔ یہ طریقہ تو کچھ اگلوالے ہی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ آخر وہ لوگ اس فی۔ جمید اور قامِ مجع میں گھستے چلے گئے۔ اندر نشانا تھا۔ صرف دو کاشیبل وہاں نظر آرہے کیا معلوم کرنا چاہتے تھے اور وہاں کیا ہی کیوں تھا۔

”خیجید کو دیکھتے ہی ایک بولا۔“  
وہ اسے ہسپتال میں چھوڑ کر پھر بندراگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ قامر ”صاحب وہ چینی بھاگ گیا۔“

بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے ایک بار بھی جمید سے یہ نہیں کہا کہ اب اسے واپس جانا چاہئے ”لیا.....!“

”اب کہاں!“ قام نے اس سے پوچھا۔  
”لیاں اور دوسروے تھانے میں ہیں۔ ہم انہیں یونہی لے جا رہے تھے۔ کیونکہ ہمارے“  
”وہیں سنگ سنگ بار۔“

”یار جمید بھائی مجھے افسوس ہے کہ ان میں سے ایک بھی نہیں مرسکا۔ مگر یار!“ ”غائب ہو گیا۔“ جمید نے حیرت سے دہرا یا۔  
”لیاں! ہمیں تو بالکل یہی معلوم ہوا جیسے وہ یا تو ہوا میں گھل گیا یا پھر اسے زمین نگل جو جو..... الاقام..... کیا چیز تھی۔“

”مس جوزف.....!“ جمید نے صحیح کی۔

”کیسی زہر لی گالیاں دے رہی تھی۔“ قام ہنسنے لگا۔ ”چلو ہم دونوں قریب قریب!“ جمید سوچ میں پڑ گیا۔ اسے ابھی تک ان حالات کا علم نہیں تھا جن کے تحت رمیش کی ہو گئے۔ میں نے لوگوں کے ہاتھ سے مار کھائی تھی۔ تم نے گالیاں سن لیں۔“ ”لگتے ہیں گئی تھی۔ بہر حال وہ کوئی خاص ہی معاملہ رہا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق فریدی کی جمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ مذاق کے موڑ میں نہیں تھا۔ مگر یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ ذات سے ہو۔

ہنگے نے اس کی طبیعت کو پہلے سے بھی زیادہ مکدر کر دیا ہو گا۔ یہ بات نہیں تھی۔ وہ نہایت پہنچے جسے جنم لئے کچھ سوچتا رہا پھر اس کی نظر سنگ بار کی بالائی منزل کی طرف اٹھ گئی۔ اس اب ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی روح پر سے اداسی کا بوجہ اتر گیا ہو۔ وہ بیزاری دھوکہ۔ نے بارڈی کو دیکھا جو اپر بار بجے پر کھڑا سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ شہر کے شورہ پشت قم طرح اڑ گئی تھی، جو پچھلے چند ہفتوں سے اس کے ذہن پر مسلط رہی تھی اور اب وہ خود کو پہنچا دیا۔ کوئی بدمخاشوں میں سے تھا اور بندراگاہ کے علاقے میں خصوصیت سے اس کی دھاک پیشی ہوئی کی طرح کاسہ ابھار محسوس کر رہا تھا۔

تمی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے ہارڈی ہی اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکے۔ اُسے یاد آیا فریدی نے ہارڈی کو ایک بہت بڑے جنجال سے بچایا تھا۔ ویسے اُس نے خود اس کا سرت ضرور کر دی تھی۔ فریدی تھا تھا اور ہارڈی اپنے چار ساتھیوں سمیت اپنے علاوہ بندی سانس لے کر اس نے اپنے پیٹ پر بھی ہاتھ پھیرا۔ جسمانی ورزش نے اُس کی بھوک بیٹھا شراب پر رہا تھا۔ اُس نے فریدی پر بھی بندرگاہ کے علاقے میں اپنی حکومت کا رچکا دی تھی۔

”آپ کی تعریف.....!“ دفتار ہارڈی نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کرنل ناوار“، حمید نے سبیکری سے کہا اور قاسم گدھے کی طرح پھول گیا اور ہارڈی کی معاف کر دیا تھا بلکہ اُسے بہت بڑی مصیبت سے نجات بھی دلائی تھی۔

”محکمے میں نہیں۔“ ہارڈی نے پوچھا۔

”تم مجھ سے پی سنگ کی بات کرو ہارڈی۔“

”پی سنگ۔“ ہارڈی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ اُس نے اپنی مٹی پلید کر لی۔ اب

زدہ شہر چھوڑ کے گا اور نہ یہی ممکن ہو گا کہ مظہر عالم پر آئے۔ اُس نے بھاگ کر خخت غلطی کی۔

”کام ادھورا رہا کپتان صاحب۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”مگر یہ سب کچھ کہا۔ ایک نہیں ہزار بہانے تھے۔“

”بہانہ تو اس نے برا شاندار پیدا کیا تھا۔“ حمید نے مسکرا کر کہا مگر پھر ایک غلطی کر دیتا۔

”اوہ! تو کیا آج کل پی سنگ سے تمہارے تعلقات اچھے نہیں تھے۔“ روپر بغیر لا انس کا تھا

اور اس کے دست پر صرف اسی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ وہ محض اس روپر کی وجہ سے

بھاگ لکھا دوئے۔ ورنہ ہمیں تارے نظر آ جاتے۔“

”میں کچھ نہیں سمجھا کپتان صاحب۔“ ہارڈی نے پر اشتیاق لجھ میں کہا۔

اس پر حمید نے بے کم و کاست پوری داستان دہرا دی۔ قاسم کو برا غصہ آیا۔ اُسے بھوک

گل ہوئی تھی اور وہ اس انتظار میں تھا کہ ہارڈی کھسکے تو وہ حمید سے کسی ہوٹ میں چلنے کی فرماش

کرے۔ مگر بات تھی کہ بڑھتی ہی جاری تھی۔

”اچھا میں! خواہ خواہ بے تکی ہاٹک رہے ہو۔“ قاسم غریبا۔

”میں آپ لوگوں کا بدانش نہیں ہوں جتاب۔“ ہارڈی نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کام ہی

آجاں۔“

”اویسے مجرم کو انپکٹر صاحب نے نکل جانے دیا۔“ ہارڈی نے متینہ لجھ میا تک ہوش نہیں آیا۔“

آہستہ سے بولا۔ ”یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے دو چار ہزار کے نوٹ تھا دیے ہوں۔“

”خدا جانے.....!“ حمید بولا۔ ”کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکو گے۔“

”بھلا میں کیا مدد کر سکتا ہوں۔“

”پی سنگ نے شہر تو نہ چھوڑ دیا ہو گا۔“

”اے وقت کام آؤ گے؟“ قاسم نے ٹھال سی آواز میں پوچھا۔

ہارڈی اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ وہ تو اسے حکم سراغ رسانی کا کوئی آفسر سمجھتا تھا۔ قام بنتے لگا۔ مگر اس کی ہنسی بڑی بے جان تھی، قہقہے کے اختتام پر بالکل ایسی ہی آواز اس کے کروہ اُس جملے کیوضاحت چاہتا حیدر بول پڑا۔  
آن کے طلن سے نکلی جیسے کوئی گدھاریک رہا ہو۔  
”چلو.....یہاں کوئی ایسا ہوٹل نہیں ہے جہاں تمہارے معیار کے مطابق کھانا مل سکے۔“

”دیکھئے.....میرا خیال ہے کہ پی سنگ اس وقت کارپینٹر کے قمار خانے میں ہو گا۔“ حیدر کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔  
نے غلط نہیں کہا تھا کہ پی سنگ شہر نہیں چھوڑ سکتا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کارپینٹر کے قمار خانے دہاں سے دونوں آرچجوں میں آئے جہاں ان کی شخصیتیں گمان نہیں تھیں۔ خصوصاً قاسم تو کامالک دراصل پی سنگ ہی ہے۔  
دہڑوں سے لے کر نبیر ٹک کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہ یہاں پہنچ کر بے تحاشہ کھاتا اور بے تحاشہ  
پے باٹا۔ کاؤنٹر کلرک ایک اینگلو بریز لڑکی تھی اس نے قاسم بلانگ یہاں آتا تھا۔ قاسم ایک  
”ہے ؟!“ ہارڈی چپک کر بولا۔ ”پی سنگ کروڑوں کا آدمی ہے اور اس نے فخر بڑھ گیا اور حیدر کاؤنٹر پر بیٹھ کر سول ہسپتال کے نمبر لگ کرنے لگا۔ اسے معلوم کرنا تھا کہ  
ناموں سے درجنوں کا رو بار کر رکھے ہیں۔“

”اچھا تو پھر ہم کارپینٹر کے قمار خانے ہی میں کیوں نہ چلیں۔“  
”ابھی نہیں.....ایک بجے سے پہلے ہرگز نہیں۔“  
”ان بجے۔“ قاسم دہڑا۔  
”تم زہر مار کر و.....میں جا رہا ہوں۔“  
تموزی دیر کے بعد فریدی کی آواز آئی جو اسے سول ہسپتال بیٹھنے کے لئے کہہ رہا تھا۔  
”جید بیور کر کر قاسم کی میز پر آیا۔“

”جی ہاں.....احتیاط.....!“ ہارڈی جلدی سے بولا۔ وہ اسکے ذمیل ڈول سے بہت مرغی  
معلوم ہو رہا تھا۔ حیدر نے پھر اسے اپنی طرف مخاطب کرنے کیلئے کہا۔ ”اچھا تم کہاں ملے گے۔“  
”جاوے.....!“ قاسم نے بڑے مخاہد انداز میں کہا۔ اُس نے کاؤنٹر کلرک کو حیدر کی طرف  
دیکھ کر بڑے دلا دیز انداز میں مسکراتے دیکھا تھا اور اس کی ہڈیاں سلگ گئی تھیں۔ یہ اینگلو بریز  
لڑکی قاسم کو بہت پسند تھی کیونکہ وہ اُس سے بھی مسکرا کر ہی گفتگو کرتی تھی۔ وہ ہرگاہ کب سے مکرا  
کر گفتگو کرتی تھی لیکن قاسم کے لئے یہ بھی ناقابل برداشت تھا۔ وہ ہر اس لڑکی کو اپنی ملکیت  
کھلائتا جو اس سے سیدھے منہ بول لیتی۔

حیدر چلا گیا۔ قاسم بیٹھا کھانے پر باتھ صاف کرتا رہا۔ اس کی میز پر ہمیشہ دو ویٹر ہوا  
کرتے تھے۔ پڑھنیں کہ کسی آرڈر کے سلسلے میں ایک کی غیر حاضری دوسرا۔ آرڈر کی تھیں  
مگر حارج ہو جائے۔ کھانے کے دوران میں اس کی فرمائشات کا سلسلہ بر ایر جاری رہا کرتا تھا۔  
اور آج تو اس نے بھوک کی شدت کی وجہ سے حد عی کر دی تھی۔ پوری میز پلٹیوں

”نہیں جناب ایسا بھی کیا۔“ ہارڈی نے کہا اور اپنے فلیٹ کی طرف چلا گیا۔

”غیر معمولی۔“ قاسم کے حلق سے ایک دردناک سی آواز نکلی۔

”بھوکے ہو!“ حیدر نے پوچھا۔

”ہاں.....!“

گاسوں اور قابوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود بھی اگر ایک دیر موجودتو دوسرا لازمی نہ تھا، تو پڑو دوں گا۔“  
پر غائب ہوتا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک کھاتا رہا۔  
”تھی لوں اپنی میزوں سے اٹھ کر ان کے قریب آگئے اور قاسم زہری زہر کے فرے۔

آرکھو کے پرانے گاہوں کے لئے تواب وہ عجوب نہیں رہ گیا تھا۔ مگر نئے آنے والے ہارہا۔“  
کے لئے تو وہ خاصی دچپی کا سامان بن جایا کرتا تھا۔ عورتیں خاص طور سے اُسے دیکھتیں اور انہیں جلدی اس کی آواز دب گئی کیونکہ وہ اٹھو نیشی لڑکی بھی اٹھ کر اس کی میز کے قریب نہیں کر اپنے ساتھیوں سے سرگوشیاں کرنے لگتیں۔ اس وقت قاسم کو احساس ہوتا کہ وہ انکو می خی۔ اس کی رنگت گندی تھی اور چہرہ ملتح تھا۔ ہفتون پر بھلے رنگ کی لپ اشک اس کی پر لے سرے کا یہ توف نظر آتا ہوا۔ بس پھر اس سے بوكلا ہیں سرزد ہونے لگتیں۔ بھی شوہر بیٹھکی دیل تھی۔

کی پلیٹ اپنے اوپر الٹ لیتا۔ بھی پانی کی بوتل کی بجائے سر کے کی بوتل گلاس میں الٹ کرے۔ قاسم اُسے قریب دیکھ کر یکخت خاموش ہو گیا اور اس نے مسکرا کر پوچھا۔  
خیالی میں پینے لگتا اور پھر جب غلطی کا احساس ہوتا تو برا سامنہ بنتے وقت سارا سر کر پھواری۔ ”کیا بات ہے؟“  
شکل میں اس کے ہفتون سے اُمل پڑتا۔

”ک..... کافی.....!“ قاسم ہکلایا۔ ”آٹھ آف..... آرڈر..... معلوم ہوتی ہے۔“  
آج بھی کچھ اسی قسم کی واردات ہو گئی۔ ہوا یہ کہ قاسم نے کھانے کے بعد کافی طلب کر۔ ”اوہ..... تو اس پر اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ لڑکی المحتلائی۔ ”آدمی کو اور اس اٹھو نیشی لڑکی میں دچپی لیتا رہا، جو اس کے قریب ہی کی ایک میز پر تھا بیٹھی تھی۔ انہیں کے جائے سے باہر نہ ہوتا چاہئے۔“

کے ہونٹ اور آنکھوں کے نیچے کے ابھار قاسم کو بہت پسند آئے تھے۔ وہ لڑکی بھی بخیکھیوں سے ”ئے..... جی..... ہاں..... جہاں..... شیخ ہے۔“ قاسم اس وقت صحیح الفاظ ادا کرنے کی بھی قاسم کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ قاسم نے اُسے محبوں کر لیا تھا۔ وہ ایک بار نظریں نیپ سے ہاتھ تھا۔ وہ ہاتھ پر ہوا بیٹھ گیا۔ لوگ اپنی میزوں کی طرف واپس گئے لیکن لڑکی وہیں کھڑی کر کے مسکرائی بھی تھی۔ قاسم اُسے دیکھنے میں اتنا محظا کہ اس نے کافی میں شکر کی بجائے غربی اور قاسم نے ٹھوک نکل کر بدقت تمام کیا۔ ”ترشیف..... تشریف..... رور کھئے۔“  
شیچے دانے دار نمک کے ڈال لئے اور پھر عادت کے مطابق ایک بڑا سا گھونٹ لیا، جو منہ مل۔ ”نمیں محبوں کر رہی ہوں کہ آپکی اصلاح کی ضرورت ہے۔“ لڑکی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔  
”ئے..... جی..... ہاں اور کیا۔“ قاسم نے رومال سے اپنے چہرے کا پسند خلک کرتے رکے بغیر حلق سے نیچے اڑ گیا۔ \*

”اع..... عی..... عی.....!“ اس نے ہونٹ پھیلا دیئے اور ابکاریاں لینے لگا۔ خوب ہے کہا۔  
بھی ہوئی کہ کپ ہاتھ سے چھوٹ فرش پر نہیں گرا۔

”خدا..... تم..... غو..... غارت کرے۔“ وہ دیر کی طرف مڑ کر دہاڑا۔  
”جی صاحب!“ دیر کو نکل کر بولا۔  
”یہ کیسی شکر ہے۔“ قاسم کی غراہت پوزے ڈائینگ ہال میں سی گئی۔

”شکر ہے صاحب۔“ دیر نے بوكلا کر جواب دیا۔  
”زہر ہے۔“ قاسم اُسی آواز میں چینا۔ ”چکھو..... اسے..... چکھو..... ورنہ ملنا۔“

”میرا ایک اصلاح خانہ ہے۔ میں آپ کو آدمی بنا دوں گی۔“

قائم خوش بھی تھا اور بد حواس بھی۔ اس نے بڑی پھر تی سے مل کے دام چکار کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ تھوڑی در بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھنے کی ہاں کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ کم از کم قاسم کے لئے تو وہ ”منزل“ نامعلوم عین تھی۔ اب بھی پوچھنے کی رسمت گوارا نہیں کی تھی کہ وہ اسے کہاں لے جائی ہے۔

یہ سفر شاید ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ قاسم راستے پر چکلی سیٹ پر پڑا آنکھیں ہانپتا رہا تھا۔ اس لئے وہ نہ دیکھ سکا تھا کہ ٹیکسی شہر سے نکل کر دیرانے کی طرف جا رہی۔ دیسے اگر دیکھ بھی لیتا تو اس سے کوئی فرق نہیں پہنچتا تھا۔ ٹیکسی ایک جگہ رکی اور اسے متربع آواز سنائی دی، جو اس سے نیچے اترنے کو کہہ رہی تھی۔ وہ شہر سے بیہاں تک ٹکیں کے پہلو میں بیٹھ کر آئی تھی، جیسے ہی قاسم کار سے اتنا اس کی آنکھوں کے سامنے چلا۔ اڑنے لگے اور وہ دوسرے ہی لمحے میں کسی تاثور درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ لگنے والی ضرباتی ہی شدید تھی۔

## کیا فریدی پا گل تھا

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے تھے۔ تھا۔ تھا۔ تھا۔ تھا۔ تھا۔ تھا۔

”رمیش کی حالت قابلِطمیان نہیں ہے۔“

”یعنی.....!“ حیدر بوكھلا گیا۔ اسے رمیش سے بڑی محبت تھی۔

”ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ شاید اس کا ذہنی توازن ہمیشہ کے لئے بگز جائے۔“

”بھیج میں نہیں آتا کہ پی سگ نے ایسی جرأت کس طرح کی۔“ حیدر نے کہا۔

”پی سگ.....!“ فریدی نے اپنا نچلا ہونٹ پھر دانتوں سے دبایا اور کہا۔

”پی سگ پر بہت عرصہ سے میری نظر تھی۔ رمیش عرصہ سے اس کی گھرانی کر رہا تھا۔ میں نہیں کہ لے کر موجودہ کیس سے پی سگ کیا تعلق ہے۔“  
”موجودہ کیس سے آپ کی کیا مراد ہے؟“  
”وہی لوکیاں۔“ فریدی آہستہ سے بڑی بڑی اور خاموش ہو گیا۔  
”میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیس کس طرح سے ہے۔“  
”کیوں.....!“

”آپ کا یہی خیال ہے تاکہ یہ کوئی مرض نہیں ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے وہ ناخن اکھاڑتا کوئی مرض نہیں تھی۔“  
”ہاں میرا خیال یہی ہے۔“  
”مگر آپ نے اس کے مقصد پر بھی غور کیا ہے۔“  
”یہ بجائے خود مقصد ہے۔“

”وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی میں.....!“

”وضاحت! قبل از وقت ہو گی۔ تم اسکی پرواہ نہ کرو۔ ہو سکتا ہے میں غلطی ہی پر ہوں۔“

”خبر..... جانے دیجئے! ویسے میری دافنت میں اگر لڑکوں کا یہ دھیانہ پن بجائے خود ایک مقصد ہے تو اس میں جرم کہاں سے آئے گا اور اگر جرم ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے۔ اگر ایک لڑکی کسی دوکاندار کو چاقو مار دیتی ہے یا اگر کوئی لڑکی اپنے باپ پر چاقو لے کر دوڑتی ہے یا کلاک ناول پر تھراو کرتی ہے تو آپ ان سارے واقعات کو ایک ہی رشتہ میں کیسے مسلک کریں گے۔ ناخن اکھاڑتا وباء کا شکار تو ملک کے بہت بڑے بڑے لوگ ہوتے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو بہترین قسم کے دماغوں سے محروم کر دیا جائے۔ مگر اس کیس میں!“

”ہاں ٹھیک ہے! واقعات ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انہیں ایک رشتہ میں مسلک نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن کیا یہ بہت جبرت انگیز نہیں ہے کہ صرف طالب علم لڑکیاں ہی اس وباء کا شکار ہو رہی ہیں اور لڑکیاں بھی وہ جو مالدار بیٹتے سے تعلق رکھتی ہیں۔“  
”تیک تو میں پوچھ رہا ہوں کہ مقصد کیا ہے۔“

”یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔ خود مجھے بھی معلوم نہیں..... لیکن۔“

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

حید نے اپنے پاپ میں تباہ کو بھری اور اسے سلکتا ہوا بولا۔ ”ویسے جہاں تک روئی کر رہی ہے اور کچھ اس انداز میں کہ ساتھ ہی ساتھ چیخ بھی کرتی جاتی تھی کہ سرکاری سراغر سال ٹاؤنکن گاڑی نہ لے جانا۔“ بھی اسے نہ معلوم کر سکیں گے جو کچھ وہ چھانے کی کوشش کر رہی ہے۔“

”لیکن تم اسے یاد رکھنا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”وہ لڑکی ہماری معلومات کا ذریعہ ضرور ہے۔“ حید لباس تبدیل کر کے باہر آیا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ایک ٹھیکی لی اور کشم بنتے گی۔“

کرانگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہارڈی کے معاملے میں اس نے فریدی کو مطمئن کرنے کی کوشش ضرور کی تھی۔ مگر اب خود بھی مطمئن نہیں تھا۔ فریدی کے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوا کرتے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ہارڈی کی کچھ نہ دھوکا دے جائے گراب تو چل ہی پڑا تھا۔ واپسی پر بڑی متعکد خیز ہوتا۔ فریدی اس پر ضرور پہنچتا ہے۔ اس نے سوچا کہ وہ کارپیٹر کے قمارخانے میں قدم بھی نہ کے گا۔ اس طرح ہارڈی کا بھی امتحان ہو جائے گا۔“

کشم کرانگ پر ہارڈی اس کا خطرناک تھا۔

”کیا آپ تھا ہیں۔“ اس نے حید سے پوچھا۔

”نہیں تم بھی تو ہمیرے ساتھ.....!“ حید اس کا شانہ چکتا ہوا بولا۔

”تب پھر میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا کہ آپ کارپیٹر کے قمارخانے میں قدم بھی رکھیں۔ وہ بہت بُری جگہ ہے۔ آپ کو اس کا علم ہے کہ وہاں غیر قانونی طور پر جواہوتا ہے لیکن کیا ایک بار بھی پولیس کا چھاپ کامیاب ہو سکا ہے؟“

”تمیک ہے! ابھی تک ہم اسے قمارخانے نہیں ثابت کر سکے۔“ حید بولا۔

”مگر یہ کہاں کی تھیں ہے کہ آپ وہاں تھا جائیں۔“

”میں بھیز بھاڑ بالکل نہیں پسند کرتا۔“ حید نے جواب دیا۔

”یعنی آپ کو موقع ہے کہ وہ خود ہی سب کچھ اگلی دے گی۔ برضاور جنت۔“

”نہیں بلکہ وہ ہمیں شکست دینے کے خط میں جلتا ہو کر یقینی طور پر جماقتیں کرے گی۔“

”یہ ستاروں کی چال کے مطابق پیشیں گوئی ہے یا آپ کی جمالیاتی حس۔“

”تم مجھ پر طڑکرہے ہو۔“ فریدی مسکرا یا۔

”نہیں میں نہایت شرافت سے گفتگو کر رہا ہوں۔“ ویسے میں آپ کو مطلع کر دوں کہ قام

اے اپنی طرف متوجہ کی فرمیں ہے۔“

”بکواس مت کرو۔ یہ پیشیں گوئی محض اس کی افتادیجی کی بناء پر تھی۔“

”خیر! حید اٹھتا ہوا بولا۔“ اب میں ہارڈی سے ملنے جا رہا ہوں۔“

”جا.....!“ فریدی بولا۔ ”مگر میرا دل نہیں چاہتا کہ ہارڈی پر اعتماد کرلوں۔“

”پی سنگ سے اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔“ حید نے کہا۔ ”مجھے اس کا علم ہے۔ ہارڈی سمجھتا ہے کہ بندرگاہ کے علاقے پر خود چھایا ہوا ہے، اور پی سنگ! وہ تو وہاں کا بے ناخدا شہزادی جاتا رہا ہے حالانکہ دونوں میں آج تک حکم کھلا کرنا اونہیں ہوا، مگر اندر ورنی حالات سے میں بے خبر نہیں ہوں۔“

”تمہاری مرضی..... ویسے مختار اپنے کی ضرورت ہے۔“

”تو آپ بھی چلے گا۔“

"میں کب کہتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھ دس پانچ آدمی اندر لے جائیے۔ وہاں تو ہر کلکٹکل ہو جائے گا۔"

"پھر تم کیا کہتا چاہتے ہو۔"

"کم از کم دس آدمیوں کو باہر موجود رہنا چاہئے جو ضرورت پڑنے پر اندر بلائے جائیں گے۔"

"لیکن اس وقت ایسے آدمیوں کا مہیا ہونا ممکن نہیں ہے۔ ویسے غالباً تمہاری موارد اچھا تو پھر ایک دوسرا صورت بھی ہے۔" حید نے کہا۔ "اس طرح شاید میں کسی قسم لباس والوں سے ہے۔"

"جی ہاں! میں بھی چاہتا ہوں۔ کم از کم دس سادہ لباس والے۔"

"بہت مشکل ہے۔ آؤ تم ذرتے کیوں ہو۔"

"میں ذرتا نہیں ہوں۔" ہارڈی نے ناخنگوار لمحے میں کہا۔ "میں نے تو آپ سے نہ نکل سکیں گے۔" "صرف تم اندر جاؤ۔۔۔ اگر پی سنگ موجود ہو تو مجھے مطلع کر دینا۔ پھر اس کے فرشتے بھی بھلے کے لئے کہا تھا۔ رہ گیا میرا معاملہ تو وہ خود کار پینٹر کا قمارخانہ ہو خواہ تکمہ سراغرسانی کا فن۔ اب آپ آئے ہیں قرینے پر۔" بھی میں بھی چاہتا ہوں۔ اچھا آپ پچھن بار میں میرا میں ہر جگہ اپنی ہی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہوں۔"

"چلو بیٹھو۔۔۔!" حید نے اسے ٹیکسی میں دھکلتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی سب جان بیری بیت میں فتوڑ نہ نظر آنے لگے۔" "خواہ وہ کار پینٹر کا قمارخانہ ہو خواہ کسی درزی کی درکان۔"

"آپ کی مرضی۔" ہارڈی ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بڑا یا اور ٹیکسی پھر چل پڑی۔ حید ہارڈی کیوں اور اگر آتا بھی تو تمہا بھی نہ آتا۔" کے پاس ہی چھپلی سیٹ پر موجود تھا۔

"سارجنٹ ریش والے معاملے کے متعلق کریل صاحب کا کیا خیال ہے۔" ہارڈی نے پوچھا۔ "پتے نہیں! شام سے اب تک میری اور ان کی ملاقات نہیں ہو سکی۔ ریش کی حالت بہت نازک ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد وہ پاگل ہو جائے گا۔" "ذلتا ہواں کے قریب سے نکلا اور کسی چیز سے ٹھوک کھا کر فٹ پاٹھ پر گر پڑا۔"

"یعنی واقعی۔۔۔ پی سنگ کی شامت آگئی ہے۔" ہارڈی اس طرح بڑا یا جیسے خود مخاطب ہو۔

ٹیکسی ہو سکتا تھا۔ حید جھپٹ کر اسے اٹھانے لگا۔

"اوہ۔۔۔ کیپشن!،" ہارڈی بڑی طرح ہاپ رہا تھا۔ "وہ نکلا جا رہا ہے۔ وہ اُدھر۔" اس نے بڑی تیزی سے ہر کوچاف سمت میں اشارہ کیا۔ سڑک سنان تھی اور تھوڑے ہی فاصلے پر میں ایک بار پھر آپ کو باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔ اگر پی سنگ وہاں موجود ہو تو وہاں کریں۔ ایک چوتھی ہوئی کار کا عقبی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔"

پھر وہ اچھل کر کھڑا ہوتا ہوا متناسفانہ لبجے میں بولا۔ ”کیا کریں ..... وہ نکل جائیں۔“  
نیکی بھی نہیں ہے۔“

پھر دفتار وہ سڑک کے دوسرے کنارے کی طرف دوڑنے لگا۔ حمید نے بھی اس  
دیا۔ دوسری طرف فٹ پاٹھی الگی ہوئی ایک موڑ سائکل کھڑی تھی۔

ہارڈی نے اُسے بڑی پھرتی سے اشارت کیا اور کپکاپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”بینجا  
”پتہ نہیں کس کی ہو۔“ حمید بڑھایا۔

”قانون آپ کا ساتھ دے گا کیونکہ آپ ایک مجرم کا تعاقب کر رہے ہیں ..... ٹپ۔  
حید کیرر پر بیٹھ گیا اور دوسرے ہی لمحے میں موڑ سائکل ہوا سے باقل کرنے لگی۔  
”واہ رے مقدر ..... !“ ہارڈی بنس کر بولا۔ ”موڑ سائکل بھی واٹر کول انہن کی  
باکل بے آواز۔“

اگلی کار شہر سے دیوار کی طرف جاری تھی۔ شہر سے نکلتے ہی ہارڈی نے موڑ سائکل  
ہیڈ لائٹ بچا دی۔

”یار کہیں ایکیٹنٹ نہ کر بیٹھنا۔“ حمید بڑھایا۔  
”میں اندازی نہیں ہوں کپتان صاحب!“

حید دل ہی دل میں اس کی پھرتی اور مستعدی کی تعریف کر رہا تھا۔ اگلی کار کی روشنائی  
تیز تھی۔ اس میں اور موڑ سائکل کے درمیان دو فرلاگ کا فاصلہ ضرور رہا ہوگا۔ اچانک ایکہ  
کار رک گئی اور ادھر ہارڈی نے بھی بریک پر ہلاکا سادباڑا۔ موڑ سائکل کی رنگارک ہو گئی۔

”ہوشیار ..... !“ ہارڈی نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔ حمید نے پر بیچے لٹکا دیے۔  
سائکل رک گئی۔ وہ اب بھی کار سے کچھ فاصلے پر تھی۔

حید کیرر سے اُتر ہی رہا تھا کہ اچانک اُسے گھٹن کا احساس ہوا۔ کوئی چیز تیزی سے  
پر گری تھی اور پھر اسے ہاتھ پر بیڑا لانے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ سرے پر بیٹھ ایک کمل ملہ  
تھا۔ اس نے یکنخت اپنے پورے جنم کا زور صرف کر کے اس و بال سے نکلنے کی کوشش کی  
کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ لوگ تعداد میں پانچ تھے اور پانچوں نے کیکڑوں کی طرح اپنے

اُن کے گرد جمادیتے تھے۔ حمید نے ہارڈی کے قیقہے کی آواز سنی جس میں کسی درندے کی سی  
غراہت بھی شامل تھی۔

پھر اُس کے پیروز میں سے خود بخود اٹھ گئے۔ حمید نے ایک بار پھر رہائی کے لئے جدوجہد  
کی لیکن بے سود۔ کمبل میں اس کا دم گھٹ رہا تھا  
لیکن جب وہ لوگ اسے اٹھا کر جلنے لگے تو اس کے چہرے پر بلکل ہی مٹھنڈی ہوا گی جس  
کی بنا پر اوس ان بخار کرنے میں مدد مل گئی۔

پھر ایک جگہ اُسے زمین پر بیٹھ دیا گیا۔ حمید نے بے خاشہ جست لگائی اور کمبل سے نکل  
گیا۔ ساتھ ہی اُسے کئی تسلیخ آمیز قیقہے سنائی دیے لیکن اسے حرث نکالنے کا موقع نہ مل سکا  
کیونکہ اُس کی طرف پانچ رویا لوکی نالیں اٹھی ہوئی تھیں۔ ہارڈی نے بڑھ کر اس کی جیب سے  
روپا والوں کا کال لیا۔

یہ کچی دیواروں کا ایک وسیع کمرہ تھا اور یہاں آٹھ آدمی تھے۔ پانچ وہ جن کے ہاتھوں  
میں روپا والوں تھے۔ چھٹا ہارڈی ساتواں پی سنگ جس کے ہونتوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقص  
کر رہا تھا۔ سب سے زیادہ جبرت حید کو آٹھویں آدمی پر ہوئی۔ یہ آٹھواں آدمی قاسم تھا جسے  
ایک کری میں بٹھا کر رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر خون نظر آ رہا تھا اور قیض  
بھی سینے تک خون میں بھیگی ہوئی تھی۔ لیکن وہ بیہوٹیں نہیں تھا۔ تیل سے جلنے والے لیپ کی  
روشنی میں اس کا چہرہ بڑا ذرا دنیا معلوم ہو رہا تھا۔

”حمید صاحب۔“ ہارڈی نے مسکرا کر کہا۔ ”یہ جگہ بڑی پر فضا ہے۔ تھوڑی ہی دور پر ایک  
تالا ہے جہاں مولسری کے کئی درخت ہیں۔ وہیں میں نے آپکی قبر کیلئے جگہ منتخب کر لی ہے۔“  
”نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔“ حمید نے غصیلے لبجے میں کہا۔ ”میں پہلے طوائفوں کے محلے میں  
اپنے لئے زمین الات کراچکا ہوں۔“

”ذرائعی دیر میں ساری زبانی طراریاں دھری رہ جائیں گی کپتان صاحب۔“

”خبار حید بھائی۔“ دفتار قائم دھاڑا۔ ”ان حرامزادوں کو وہ بات ہرگز نہ بتانا۔“

حمد کوچھ گیا کہ وہ اُس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں مگر قاسم کو کہ، بات کا علم

بلجنبر 17

تھا؟ حید سوچنے لگا۔ مگر پھر حقیقت اس پر روشن ہو گئی۔۔۔ موٹی عقل والے بھی اپنی رنگ اپنے دل میں دیکھ کر حیرت انگیز طور پر عقائد ہو جاتے ہیں۔ قاسم نے شاید اسی میں اپنی بہتری کی۔ ”ابے تم لوگ بالکل عورت ہو۔“ قاسم بڑیڑا۔ ”صرف میرا ایک ہاتھ کھول دو پھر میں تھی کہ خواہ مخواہ جھوٹ بولتا رہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اُن سے بیکی کہا ہو کہ وہ کوئی اہم بارہ تھیں تھا۔ لکھا دکھا دیں۔“

جانا تھا۔ مگر بتائے گئیں کیونکہ ایسی صورت میں عموماً خاموشی میں پر زندگی کا انحصار ہوا کرتا ہے۔ ”تمہاری یہ حضرت بھی پوری کردی جائے گی۔“ ہارڈی مسکرا کر بولا۔ ”مگر سب سے بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کرو تو بہتر ہے۔“ پی سنگ نے ہارڈی سے کہا۔

”محضے تمہارے معاملات سے کوئی چیز نہیں ہے۔“ ہارڈی خشک لبجھ میں بولا۔ ”میرا ایک آدمی باہر چلا گیا۔ غالباً وہ انگیٹھی میں کوئی دہکانے کے لئے گیا تھا۔ ہارڈی پھر نے تو یہ سب کچھ اپنی روح کی تکمین کے لئے کیا ہے۔ ان میں سے اگر ایک کو بھی میں جان لے کر بے نی والاتھا کر اچانک سنائی میں ایک نسوانی چیخ گئی۔“ ”بچاؤ۔۔۔ بچاؤ۔“ سے مار سکتا تو سمجھوں گا کہ میری زندگی فضول نہیں ضائع ہوئی۔“

”یہ کون ہے؟“ پی سنگ نے ہارڈی سے پوچھا جو دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”پچھے نہیں۔“ ہارڈی نے رک کر کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر پی سنگ کی طرف

”اوے بغیر بولا۔“ کیا یہاں کوئی عورت بھی تھی۔“

”کیپشن حید!“ پی سنگ کی آواز ہارڈی کی آواز پر حاوی ہو گئی اور ہارڈی اپنا نچلا ہون۔ ”تمی۔۔۔ پی سنگ نے تشویش آمیز لبجھ میں کہا۔“ ”مگر اب نہیں ہو سکتی۔ میں نے اُسے چبانے لگا۔ وہ خاموش ہو گیا لیکن نفرت سے ہونٹ سکوت تھے ہوئے دوسرا طرف دیکھتا رہا۔ والدین جانے کی تاکید کردی تھی۔۔۔ اور!“

”کیپشن حید!“ پی سنگ بولا۔ ”تم لوگ کس چکر میں ہو۔“

”میں تو مس جوزف کے چکر میں ہوں۔ دوسروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”شباب حید بھائی۔“ قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ”ڈر نامت۔“

قاسم نے یہ قہقہہ زبردستی لگایا تھا۔ حید نے اسے محسوس کر لیا۔

”یہ کبھی نہیں بتائیں گے۔“ دفتار پی سنگ کا چچہ رخ سے سرخ ہو گیا اور اس نے اپنے

آدمیوں سے کہا۔ ”اسے بھی باندھ دو اور انگیٹھی میں کوئی دہکانے دیکھا کا۔“

”آہا۔۔۔ اب تم نے کام کی بات کی ہے۔“ ہارڈی میساختہ نہیں پڑا۔ ”یہ خدمت مجھے

سوپ دو۔ میں اس کے جسم کی ساری چیزیں نکال لوں گا۔“

”میں تم تو میری محظیہ کے نوکر کے باپ ہو۔“ حید نے سمجھی گی سے کہا۔ ”ویسے پی کی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں لیکن یہ مجال تھا کیونکہ بیک وقت چھ آدمی اُس سے کچھ بچا رہتا تھا۔ مار کر تمہارا بھر کس نکال دیتا۔“

”مشت اپ.....!“ پی سنگ چینا۔

”سچی بات کڑوی لگتی ہے۔ ہارڈی تم سے کمزور نہیں ہے۔“ حمید بولا۔  
اس وقت پی سنگ کے ہاتھ میں ریوالور نہیں تھا۔ اُسے وہ پہلے ہی جیب میں، ”میں کھل دوں گا۔“ ہارڈی نے کہا۔ ”لیکن آپ پی سنگ کو دیکھئے۔ اگر اسے موقع مل  
تھا۔ فتحا ہارڈی نے پی سنگ پر چھلاگ لگادی لیکن پی سنگ کی بجائے وہ دیوار سے ٹکتا ہوا یہاں سے نکلا مشکل ہو جائے گا۔“  
پی سنگ دور کھڑا جیب سے ریوالور نکال رہا تھا۔ ”میں تمہارے مشورے کا محتاج نہیں ہوں۔“ فریدی نے خنک لجھ میں کہا۔ ”جو میں  
”تم اپنی جگہ سے جبش بھی نہیں کرو گے۔“ اس نے آہستہ سے کہا اور ہارڈی جو کہ رہا ہوں کرو۔“

”ثاید آپ میری طرف سے بدگمان ہیں۔“

”پی سنگ..... ریوالور زمین پر ڈال دو۔“ دروازے سے فریدی کی آواز آئی۔ ”ہارڈی!“ فریدی غریبا۔  
پی سنگ کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ ہارڈی چپ چاپ آگے بڑھا اور حمید کو کھونے لگا۔ وہ بخوبیوں سے فریدی کی طرف بھی  
پی سنگ نے چپ چاپ ریوالور زمین پر ڈال دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایسا یہاں جا رہا تھا لیکن فریدی خاموش کھڑا رہا البتہ ریوالور کا رخ اب بھی ہارڈی ہی کی طرف تھا۔  
ہوا جیسے واڑ کر کھڑکی سے گزر گیا ہو۔ ساتھ ہی ایک فائر بھی ہوا لیکن حمید کی دانت میں جید نے چوتھے ہی ہارڈی پر حملہ کر دیا۔  
نے کارتوں سے بر باد کیا تھا۔ پی سنگ کے مقابلے میں وہ اس وقت کم پھر تیلا ثابت ہوا تھا۔ ”نیبردار..... نہیں۔“ فریدی نے سخت لجھ میں کہا اور حمید نے اسامنہ بنائے ہوئے پیچھے  
ہٹا کیا۔

## حوالات میں حُسن

ہارڈی کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ وہ فریدی جیسے آدمی کی طرف سے مطمئن  
ہیں ہو کرنا تھا۔ اچانک باہر قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پی سنگ کے پانچوں آدمی کمرے  
”آہا..... ہارڈی! تم اس کی نقل کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔“ فریدی نے کہا۔ ”الملافل ہوئے۔“ لیکن جیسے ہی انکی نظر فریدی پر پڑی انہوں نے دروازے کی طرف پلٹنا چاہا۔  
مال جیا۔ ایسا احمد نہیں ہے کہ دوبارہ پلت کر خود کو خطرے میں ڈالے۔ ”ٹھہرو.....!“ فریدی نے انہیں للاکارا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“  
”نہیں کریں۔“ ہارڈی جواباً مسکرا یا۔ ”مجھے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے، میری نیت صاف ہے۔“ سب جہاں تھے وہیں رک گئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ بھی اٹھا دیئے۔ کیونکہ وہ اس  
”ذرا اس کی بھی وضاحت کر دو۔“ بیٹھ خالی ہاتھ تھے۔

”میں جانتا تھا کہ آپ آئیں گے۔ اگر میں ڈرامہ نہ کھیتا تو پی سنگ کا بھنسا۔“ ”تم لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہو گے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”میری عادتوں سے  
لیکن آپ کی جلد بازی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔“ ”اوہ! تو گویا تم نے مصلحتاً یہ سب کچھ کیا تھا۔“  
”میں کچھ نہیں بولے۔“ چپ چاپ ہاتھ اٹھانے کھڑے رہے۔ اتنی دیر میں حمید قاسم کو بھی  
”میں ہاں! اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔ اگر میں کپتان صاحب کو پہلے یا کملا چاہا اور قاسم ان پانچوں کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچھ اسی چا جائے گا۔“

”فریدی صاحب! کیا میں ان سالوں کو سنچال لوں۔“ قاسم نے پوچھا۔

”فریدی صاحب! کیا میں ان سالوں کو سنچال لوں۔“ قاسم نے پوچھا۔  
”تینیں.....!“ فریدی نے جواب دیا۔ پھر حمید سے بولا۔ ”انکی جیبوں سے ریوالز کا۔ ان میں سے ایک کی فلت ہیئت اڑگی اور وہ بدحواسی میں اچھل کر ہارڈی پر جا پڑا۔ ہارڈی حمید نے بڑی تیزی سے ان کی جامہ تلاشی لے کر پانچ روپالوں برآمد کرنے لے پڑا۔ کھانا نے فریدی کی طرف دھکیل دیا۔ فریدی سونہیں رہا تھا۔ اُس نے پیچھے ہٹ کر ایک لات کا اشارہ پا کر ہارڈی کو بھی نہ لگا لیکن اُس کے پاس سے ایک بڑے چاقو کے علاوہ اُنے رسید کری اور وہ پھر ہارڈی میں پر جا گرا۔ لیکن اس بار اُس نے ہارڈی کی کرگدن پکڑ لی اور نہ لکلا۔ اب فریدی نے ان پانچوں کو مخاطب کر کے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔  
ہارڈی نے اس کے جڑیے پر دو تین کے رسید کر دیئے بس پھر کیا تھا۔ جنگ شروع ہو گئی۔ وہ ”ہارڈی کو مارو۔“

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔“ ہارڈی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔  
چاروں ہی بارڈی پر پناہ پڑی۔  
جید فریڈی کی اس حرکت کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک بالکل ہی انوکھا خیال تھا  
”دوسری صورت میں تم ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاؤ گے ہارڈی۔ فریڈی کی خانہ بیوی فریڈی ہارڈی کو ان لوگوں سے پتوار رہا تھا جن کی اس نے مدد کی تھی۔ ہارڈی کے لئے اس اختیاری کے سلسلے میں ایک نہیں دل آدمیوں کو جان سے مار سکتا ہے اور میں تم لوگوں کو زیادہ بُخ تجربہ اور کیا ہوتا۔ وہ غصے سے آگ ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دری میں اس کا لباس تار ہوں کہ میرے حکم کے خلاف تمہارا ایک قدم بھی تمہیں موت ہی کی طرف لے جائے گا۔ ویسے وہ کسی دشی درندے کی طرح ان لوگوں سے نپٹ رہا تھا۔ ان لوگوں کے انداز مارو..... ہارڈی کو۔ نہیں قاسم! تم صرف دیکھو گے۔ پیچھے ہٹو۔“  
ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے ختم ہی کر کے دم لیں گے۔ ان کے پیروے لہو لہان تھے  
”بُخ کوہر ر حصہ اور بُخ بُخ اور بُخ اور بُخ۔“  
قاسم بُرا سامنہ بنائے ہوئے پیچھے ہٹ گا۔

”اچھا تو پھر تم ہی ان لوگوں کو مارو۔“ فریدی بولا لیکن اس کی سنجیدگی میں ذرہ بھی نہیں تھی۔ ”روواہ مت کرو۔ کلام کھلیل رجیسٹر نہیں ہے۔“ اُس پر ہاتھ اختانے کی بھی جرأت کر سکیں گے۔

فرق نہیں آیا تھا۔  
”آخراً اپ کی غنائے کیا ہے۔“  
”کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکتے۔“ فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔ ”حالانکہ مل،“ طاقت صرف کرنے لگے۔

زبان میں گستگو کر رہا ہوں۔ خیر چلو تھاری خاطر ایک بار پھر دھرا دوں۔ کم سے کم <sup>الظاهر</sup> باہر تاریکی اور سنائے کی حکمرانی تھی اور یہاں اس کرے میں موت و حیات کی کشمکش جاری تھی۔ ایک بار ان دونوں نے مارڈی کو گراہی لایا لیکن شاید اب ان میں اتنی سکت ہی نہیں مطلب یہ ہے کہ یا تو تم ان لوگوں کے ہاتھوں پوچھو پاؤ نہیں پیٹو۔“

”میں پہلے دوں سب سالوں کو۔“ قاسم نے حاجت آمیز بھجے میں پوچھا۔  
”نہیں! میں نہیں چاہتا کہ ہارڈی جیسے ذمیل احسان فراموش کے کوکلی شرف  
ہاتھ بھی لگائے۔“

کے کس اٹچ سے گزر رہے تھے۔ حید کو تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ تمن بے بُس پر فخر ہے، قام کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر وہ سڑک کی طرف چلتے گا۔ قاسم کھانتا کے سارے پر کسی شریر پیچے نے نوج کر سکنے کے لئے چھوڑ دیا ہو۔

اس نے فریدی کی طرف دیکھا اور کانپ کر رہا گیا۔ اُسے اس کی آنکھوں میں بہت سڑک پر ان کا منتظر تھا۔

چک نظر آرہی تھی۔ ہونتوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو عموماً شریر ہی بچوں کے ہے۔ ”تم ہی کارڈ رائیوں کرو گے۔“ فریدی نے اس سے کہا۔ پھر قاسم سے بلند آواز میں بولا۔

”نم ہی آگے ہی بیٹھو۔ میں پچھلی سیٹ پر چھوڑی دیر سوتا چاہتا ہوں۔“

”آؤ! واپس چلیں۔“ فریدی نے حید اور قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

”او..... یا!“ حید نے زخمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

”ابن بُری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس کی دافنت میں ابھی تک فریدی کی ساری حرکتیں ہوشمندی

”انہیں بیٹھیں مرنے دو۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا کہ منانی رہی تھیں۔ ان لوگوں کو اس طرح آپس میں لڑانا۔ پھر انہیں اس حال میں وہیں چھوڑ

قاسم اور حید بھی باہر آئے۔ حید نے مڑکر اس عمارت کی طرف دیکھا۔ یہ مٹا کر ٹپے آئا۔ اس قسم کی حرکتیں کسی ہوشمند آدمی سے نہیں سرزد ہو سکتیں۔ آخر فریدی کیا کرنا

تھی۔ اندر ہرے میں بھی اس کا بینہ ہنگا پن محسوس کیا جا سکتا تھا۔ چاروں طرف رونگڑا ہے۔ حید سوچتا رہا لیکن فریدی سے پوچھنے کی رحمت نہیں گوارا کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ

جهازیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔

وہ دونوں خاموشی سے فریدی کے پیچھے چلتے رہے۔ ایک گلہ رک کر فریدی نے اٹھکل سے پرواقد ہرایا۔ وہ دراصل اس موضوع ہی کو نہال جانا چاہتا تھا۔

روشن کی اور پھر چلنے لگا۔ جهازیوں میں فریدی کی چھوٹی سی آسٹن کار موجود تھی۔ ”تم کسی دن لڑکیوں کے چکر میں اپنی موٹی کی جان سے ہاتھ دھون بیٹھو گے۔“ حید بولا۔

”اُسے سڑک پر لے چلو۔“ اس نے حید سے کہا۔ ”آگے جل کر جہاں جا لیا۔“ یہی فریدی صاحب نے بھی کہا تھا۔ قاسم نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اب مجھے ذر معلوم

سلسلہ ختم ہوتا ہے وہی طرف مڑ جانا۔“

”یہاں کسی عورت کی چھینیں.....!“

”ہاں! چلو اپنا کام کرو۔ وہ میری روح چیخ رہی تھی تھارے لئے۔“

حید کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے لگا اور فریدی نے قاسم سے پوچھا۔ ”ہاں نہیں تو۔“

پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ کار جنگل کے سنانے میں دوڑتی رہی۔

حید کا زان پھر کچھ دیر قبلي پیش آئے ہوئے واقعات میں الجھ گیا۔ پی سنگ اور ہارڈی کا باہمی

تفاوں اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا جب کہ دونوں آپس ہی میں لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

”بھی ہاں..... وہ..... بس پھنس گیا۔“

”کوئی لڑکی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”مل..... ہی..... ہی..... نہیں تو.....!“

”تم دونوں کسی دن لڑکیوں ہی کے چکر میں ختم کر دیے جاؤ گے۔“

پکھ لائیں پاگل ہو کر دوسروں کو مارنے تھی ہیں تو اس سے پی سنگ یا کسی دوسرے اُن فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“

”میرا گھر راستے ہی میں پڑتا ہے حید بھائی۔“ دفعٹا قاسم بڑا بڑا۔

”پھٹا ہوا سر لے کر گھر جاؤ گے۔ اگر بیوی پوچھنے تھی تو۔“

”لخت ہے سالی پر..... اسی کی بدولت تو.....!“ قاسم جملہ پورا کئے بغیر خاموش۔

”بچک مارتے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتا۔“ حید نے کہا۔ ”تم جھوٹے ہو۔“

”تمہاری کون لگتی ہے..... کیوں؟“ قاسم جھخٹا گیا۔

”خواہ مخواہ بیچاری کو بدنام کرتے پھرتے ہو۔“

”اچھا بس خاموش رہو، ورنہ مجھے غصہ آجائے گا۔ تم کیا جانو اے۔ ابھی پرسوں نے تھا۔ بچپلی سیٹ خالی تھی۔ حید نے اندر روشنی کر دی اور ہوتوں ہی ہوتوں میں کچھ بڑا نے لگا۔ خالہ سے کہہ رہی تھی کہ میں بالکل گدھا ہوں۔ میں نے چھپ کر سنا تھا۔ پھر مجھے غصہ۔“

”میں دھڑ دھڑا ہوا کمرے میں چلا گیا اور کہا کہ وہ ثابت کرے۔ کیا کرتی بیچاری اپنا سارا کر رہ گئی۔ میں نے ڈانت پالائی تو کہنے لگی میں چوچا جان کو پھون کر دوں گی۔“

بیوی کے لجھ کی نقل اتنا نے کے سلسلے میں قاسم بڑی دیریک پلتا رہا۔

”تو وہ تمہیں گدھا ثابت نہیں کر سکی۔“ حید نے پوچھا۔

”اس کا باپ بھی نہیں کر سکتا۔“

”اس کا باپ تمہارا چچا ہے۔“

”ہو گا سالا! تم طرفداری نہ کیا کرو ان لوگوں کی سمجھے!“ قاسم نے غصیلے لمحے تما

پکھ دیر خاموش رہا پھر مختدی سانس لے کر دردناک آداز میں بولا۔ ”تم نہیں سمجھتے کہ

کس طرح اپنی زندگی گزار رہا ہوں۔ تم کبھی نہ سمجھو گے۔ اگر معنے حل کرنے کی عادت نہ

میں کبھی کامر گیا ہوتا۔ اسی میں اپنا دماغ انجھائے رکھتا ہوں۔ بچپلی بار میرا پہلا انعام آ۔“

”مگر سابلے نے لگور کی بجائے انگور دے دیا۔ اچھا یہ بتاؤ اگر عورت بیوی یا بیوہ ہو جائے۔“

”پڑوں کے شوہر سے نق کر رہنا چاہئے۔ بولو..... بیوی ہو گایا یہ وہ۔“

”مجھے معنوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ حید نے بیزاری سے کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ..... سمندر یا مچھندر کے سینے سب رازوں کا بالیما بہت مشکل ہے۔ سمندر

”اوپر سے نیچے سر پت یا مر گھٹ بنتا ہے۔“

”بوجا گھندر..... مت بکواس کرو۔“

”اچھا فریدی صاحب..... آپ بتا دیجئے۔“ قاسم بچپلی سیٹ کی طرف مڑا۔

”ہمیں.....!“ وہ ہاتھ بڑھا کر بچپلی سیٹ کو ٹوٹا ہوا بولا۔ ”ارے باپ رے۔“

”کیا ہوا.....؟“ حید نے مڑے بغیر پوچھا۔

”نف..... ری..... دی..... صص..... صاحب۔“

”وسرے ہی لمحے میں حید نے فقار کم کر کے کار روک دی۔ قاسم کا الجھنہ جانے کیا کہہ رہا

”اچھا بس خاموش رہو، ورنہ مجھے غصہ آجائے گا۔ تم کیا جانو اے۔ ابھی پرسوں نے تھا۔“

”کوئی اٹھا لے گیا۔“ قاسم نے پوچھا۔ ”وہ تو سور ہے تھے۔“

”حید کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیریک بُرا سامنہ بنائے بیٹھا رہا پھر کار اسٹارٹ کر دی۔“

”ہمیں..... علاش نہیں کرو گے۔“ قاسم نے کہا۔

”بیٹھی رہو، چپ چاپ۔“ حید جھخٹا گیا۔ قاسم خاموش ہو گیا۔ اس کے سر میں تکلیف

”تمیں اس لمحے یوں بھی اب وہ خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔ ابھی تک زخم کھلا ہوا تھا۔ حید نے قاسم

کو آرکھو کے پھاٹک پر چھوڑ کر گھر کی راہ لی۔ قاسم پہلے تو گھر ہی جانا چاہتا تھا لیکن پھر اسے یاد

آگیا تھا کہ اس کی کار آرکھو کے کپا و ٹم ہی میں رہ گئی تھی۔ انڈو یعنیں لڑکی کے ساتھ جاتے

وقت وہ اپنی کارو بیس چھوڑ گیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بوکھلا ہٹ میں اسے یاد ہی نہیں آیا تھا کہ

تینک اس کی کار بھی موجود ہے۔ بہر حال وہ اس کے ساتھ بھی میں گیا تھا۔

”حید نے گھر آ کر سونا چاہا لیکن نیند نہ آئی۔ باور بھی کو جگا کر کافی کے لئے کہا۔ نو کروں

کے معاملے میں وہ فریدی سے بہت مختلف تھا۔ فریدی کبھی کسی نوکر کو نادقت جھکاتا نہیں تھا۔ اگر

بھی رات گئے کافی کی خواہش ہوتی تو خود ہی پکن میں جا گھستا۔

کافی پینے کے بعد بھی اسے نیند نہ آسکی۔ پھر شاید چار بجے اس کی آنکھ گل گئی۔ ظاہر

ہے کہ اسکی صورت میں وہ گھوڑے نیچ کر سویا ہو گا۔

پھر نیز کیے اچٹ گئی۔ یہ بات تھوڑی دیر تک سمجھ میں آئی نہ سکی۔ ویسے فون کی کہ معلوم ہوتی ہے۔ آپ اُسے دیکھ کر یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ اس نے کاشیل پر حملہ کیا ہو گا۔“  
بہت دیر سے نج رہی تھی۔

”ہیلو.....!“ حمید مسکری سے چلا گکار کردہا۔ پھر رسیور اخفا کر ماڈم تھوڑی بول۔ ”اس نے حملہ کیا تھا۔“ قدری نے کہا۔ ”کاشیل نے اُسے سڑک پار کرنے سے روکا تھا۔  
بہادر اُس پر ٹوٹ پڑی اس کا چھروں نوچ ڈالا۔ دانتوں سے وردی کی دھیان اڑادیں۔“

”ہاب تو آپ بھی بہت زیادہ خائف رہے ہوں گے۔“

”اب تو بھیکی ملی بن گئی ہے۔ کچھ دیر تک روتنی بھی رہی تھی۔ البتہ اپنا نام اور پتہ بتانے کی طرح تیار نہیں ہوتی۔“

”انچھا میں دیکھتا ہوں۔“ حمید نے کہا اور زنانہ حوالات کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلاخوں کے پچھے لڑکی موجود تھی، لیکن حمید اس کی شکل نہیں دیکھ سکا، کیونکہ وہ گھنٹوں میں  
بریے بیٹھی تھی اور پھر جیسے ہی اس نے حمید کی آہٹ پر سراخایا حمید کی آنکھوں میں بجلی سی  
چک گئی۔ پہلی نظر میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کتنی حسین ہے۔ دوسرا نظر بھی تفصیلی جائزے  
کیلئے کافی تھی اور تیسری نظر کو اتنا ہوش کہاں کہ وہ تفصیل میں جا سکتی۔ حمید اُنکی ادا اس آنکھوں  
میں گوکلیا۔ اسے ایسا محسوں ہونے لگا جیسے وہ کسی سنان مقام پر کھڑا ہو۔ خاموشی سے پرواز  
کرنا لے پرندوں کی تھاریں افق کی سرفی میں ہمارے ہوں اور کسی پر سکون حصل میں افق کے  
تمکن ہے۔ حمید نے رسیور رکھ دیا۔ گھری ساڑھے دس بجاء ہی تھی۔ سب سے پہلے اس نے فریڈ  
لیکن ہریے آنکھ جوکی مکھیل رہے ہوں۔ لیکن ان سب پر ایک خوب آگیں سی ادا ہی بھی مسلط ہو۔  
حمد کے اشارے پر سلاخوں دار دروازہ کھول دیا گیا۔ لڑکی زمین سے اٹھ گئی۔ اس  
نمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اپنا منہ دوسرا طرف پھیر لیا۔

”بہر آئیے۔“ حمید نے زم لجھ میں کہا اور وہ چپ چاپ سلاخوں کے باہر چلی آئی۔

”آپ جہاں جانا چاہتی ہوں چلی جائیے۔ آپ سے کوئی کچھ نہیں پوچھے گا۔“

”وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر آہستہ سے بوی۔“ ”شکر یہ۔“

حمد باہر جانے کے راستے میں آیا جہاں اسکے قدری بیٹھا ہوا تھا۔

”وہ صدر دروازے سے نکل گئی ہے۔“ حمید نے اُس سے کہا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ ایک  
واردہ بیس والا اس کا تعاقب کرے..... جلدی کرو۔“

لیکن اچاک وہ خاموش ہو گیا کیونکہ روشنداں میں دھوپ نظر آ رہی تھی۔

”میں قدری ہوں۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”دولت گنج تھانے سے بول رہا ہو۔

یہاں ایک اُنکی لڑکی موجود ہے جس نے ایک ٹرینک کا شیل کو مارا پیا ہے۔“

”کاشیل زندہ ہے یا مر گیا۔“ حمید نے جھلا کر کہا۔

”کون صاحب بول رہے ہیں۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”میں بول رہا ہوں۔“

”پتان صاحب۔“

”ارے ہاں ہاں۔“

”تو بُس آجائیے۔ کیا آپ نے نہیں پہچانا۔ میں قدری ہوں۔“

”آہا..... قدری صاحب..... اچھا..... اچھا..... میں آدمی گھنٹے تک پہنچ سکوں گا۔“

حمد نے رسیور رکھ دیا۔ گھری ساڑھے دس بجاء ہی تھی۔ سب سے پہلے اس نے فریڈ  
لیکن ہریے آنکھ جوکی مکھیل رہے ہوں۔ لیکن ان سب پر ایک خوب آگیں سی ادا ہی بھی مسلط ہو۔  
کے متعلق معلوم کیا جو کچھیل رات سے اب تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ پھر دولت گنج جانے کا  
تیاری کرنے لگا۔

شہر کے سارے تھانوں کے لئے فریڈی کے خاص احکامات تھے کہ جب بھی کوئی اُن  
کی لڑکی آئے اُسے یا حمید کو براہ راست مطلع کیا جائے۔

قدیر دولت گنج کے تھانے کا انچارج تھا۔ حمید نے اُسے اپنا منتظر پایا۔

”یہ کیا مصیبت ہے جتاب۔“ ”قدیر نے کہا۔“ اپنے یہاں یہ پہلا ہی کیس آیا ہے۔

”اور بھی آئیں گے مطمئن رہئے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”لڑکی کہاں ہے۔“

”زناثہ حوالات میں ..... مجھے اس پر بہت ترس آ رہا ہے۔ کسی اچھے خاندان کی لڑکی

"زنانہ فورس کی کسی لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے جسے اُس نے دیکھا ہو۔" قدریز نے پاہی اسی وکی کو چھوڑ دینے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تھا۔ وہ تو اس سے متاثر ہوا تھا اور اس "بہت اچھا خیال ہے..... یہ اور بھی اچھا ہے گا مگر جلدی کیجئے۔" حید نے خود کو ٹوپی دی کے لئے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عی رخصت ہو گئی تھی اور وہ تعاقب والا معاملہ تو انداز میں کپتا۔

حالات عی کچھ ایسے تھے کہ ایسی لڑکیوں کے خلاف سخت قسم کے اقدامات ممکن نہیں۔ "لڑکی ایسی عی تھی، جو اسے صحیح معنوں میں عورت معلوم ہوئی تھی اور اس سے نظر ملنے عام آدمی اسے کوئی دبائی ذہنی مرض سمجھتے تھے۔" ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ کسی مستقل مرض کا نہیں، بلکہ بولٹا گیا تھا۔ شاید برسوں کے بعد ایسی لڑکی ملی تھی۔ ویسے تو روز عی ایک آدھ سے سابقہ تک موجود نہیں ہے ان کی دانست میں وہ ایک وقتی ذہنی تبدیلی تھی جس کی وجہ جذباتی الجھا لیکن حید کا خیال تھا کہ وہ لڑکیاں نہیں بلکہ "لوگ" ہوا کرتے تھے۔ بالکل ایسے ہی ہو سکتا تھا اور اعصابی اختلال بھی۔ لیکن اعصابی اختلال کی شکار لڑکیاں بتشکل تمام دو فیورا میں اس کے دوسرا مرد دوست تھے۔ ان لڑکیوں میں عورت پن نام کو بھی نہ ہوتا۔ ان میں سکی تھیں۔ ابھی تک جتنے بھی کیس ڈاکٹروں کے علم میں لائے گئے تھے۔ ان میں تربیز ایک پیچرے بھی ایسی نظر نہ آتی جس کی بجائے پرانیں جنس مقابل کی صفت میں جگہ دی جاسکتی۔ بعض ساری عی لڑکیاں صحت مند اور صحیح الدماغ تھیں۔ اعصابی کمزوری کے آثار بھی نہیں ملے تھے۔ اتنا تو وہ حید کو سو فیصدی "یقین" معلوم ہوتی۔ بہر حال وہ انہیں عورتیں نہیں سمجھتا تھا۔

محکمہ سراغ رسانی اس سلسلے میں کسی جرم کے امکانات پر غور کر رہا تھا بہر حال کی طرف۔

آرائیں موجود تھیں اس لئے فی الحال ایسی لڑکیوں کو زیادہ تر سرکاری اصلاح خانوں میں بخواہ جاتا تھا اور ان کے رویہ کی یومیر پورٹ محکمہ سراغ رسانی کو ملتی رہتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے۔ آج کل "محکمہ سراغ رسانی" صرف فریدی کی میزیں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا..... اور ہماری بیکی چاہئے تھا کیونکہ یہ فریدی عی کی ایج تھی، ورنہ بات کسی دبائی ذہنی مرض پر مل گئی ہوئی۔ حید دولت گنج کے تھانے سے سیدھا آفس پہنچا۔ فریدی بھاں بھی موجود نہیں تھا۔

اس کی میز پر اصلاح خانوں کی رپورٹوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ حید بیٹھ کر انہیں دیکھنے کا ان رپورٹوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کسی لڑکی پر بھی ابھی تک کسی اصلاح خانے میں قسم کا دورہ نہیں ڈپا تھا۔ حید پچھلی رپورٹ بھی دیکھتا ہاتھا لیکن ایک بھی مثال ایسی نہیں تھا۔ اصلاح خانوں میں کسی لڑکی کی معمول کی ذہنی حالت میں کوئی تغیر واقع ہوا ہو۔ وہ بڑی ہے۔ اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ ایسی لڑکیوں میں سے ابھی تک صرف تین لڑکیاں اصلاح خانوں میں بھیجی گئی تھیں۔ وہ کتو فریدی عی نے چھوڑ دیا تھا۔ روی اور سارہ جنہیں شی مجبز بے سفارش پر چھوڑا گیا تھا اور تیرنی آج حید کی وجہ سے نیچ گئی تھی۔ سارہ اور روی کی براہ راست لئے فریدی نے یہ جواز پیش کیا تھا کہ وہ ان کے ذریعہ بہت کچھ معلوم کر سکے گا لیکن چہ

## چھلانگ

"فائلیں انتباہ اور اس کے ذہن پر وہی لڑکی مسلط رہی۔ اچاک اُس کی نظر میش کے لیکن کی طرف اٹھ گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ پڑا ہو۔ اسے ابھی نکر میش کے متعلق نہیں معلوم ہوا کا تھا کہ وہ کس حال میں ہے۔ اس نے فائل رکھ کر فون کا رسیور اٹھایا اور سوپر سیپیل کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔"

وہاں سے اطمینان بخش اطلاع ملی۔ میش اب ہوش میں تھا۔ لیکن احتیاطاً ابھی اُس سے کسی کو سفکو کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔

حید رسیور رکھ کر پھر فائل اٹھنے لگا۔ اس پر پھر اکتا ہٹ کا حملہ ہونے لگا تھا وہ وہاں سے اٹھنے والا تھا کہ فون کی گھٹنی بھی۔ حید نے رسیور اٹھایا۔

"یلوو!"

"کریل صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔  
"نہیں میں حید ہوں۔"



یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔“

بلد نمبر ۱۷

”ہرڑی وغیرہ کے خلاف آپ نے جورو یہ اختیار کیا تھا۔“

”وہ تم سے زیادہ حسین نہیں۔“ حمید نے عادت کے مطابق ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

ریکھا جانے کے لئے تیار ہو گئی تھی، لیکن شاید اب بھی اُسے حمید کے بیان میں بشر قرار ملے۔

”مگر دیکھو،“ حمید نے کہا۔ ”تم صرف گمراہی کرو گی۔ اسکے خلاف کوئی کاروائی نہ کر بیٹھے رہیں۔“ اسی ای قابل ہے کہ اسے گھٹیا سے گھٹیا آدمیوں سے پوچھا جائے۔ وہ خود کو بندراگاہ کے

کابلے کا باب سے بڑا غنڈہ سمجھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ پانچوں آدمی اس سے کبھی آنکھ کی بھت نہ کر سکتے۔ یہ صدمہ ہارڈی کے لئے بڑا جان لیوا ثابت ہو گا۔“

”شاید فریدی صاحب کو کسی دوسرے معاملے میں بھی اس کی ضرورت ہے۔ تم فوڑا۔“ لیکن آپ سے پہنچنا کون سا سرزد ہوا۔“

حالات سے آگاہ کرتی رہنا۔“

یام خیالی ہے کہ پی سنگ ان کی خبر لینے کے لئے دوبارہ وہاں آئے گا۔ یہی سوچ ریکھا چلی گئی اور حمید پھر اپنے کمرے کی طرف واپس آیا لیکن دروازے ہی پر اُلٹا۔ کرمی نے ساری رات جگل میں گزار دی۔ تمہیں کار میں دھوکہ دیا۔ خیال یہ تھا کہ پی سنگ

محسوس کر لیا کہ فریدی واپس آگیا ہے۔ اس کا قیاس غلط نہیں تھا۔ فریدی وہاں موجود تھا۔ وہیں کہاں پہنچا ہو گا۔ لہذا اسے دھوکہ میں رکھنے کے لئے مجھے کار والی حرکت کرنی پڑی۔ ویسے

کے چہرے پر جلا ہٹ کے آثار تھے، جو حمید کو دیکھتے ہیں اور زیادہ گھرے ہو گئے۔

”یہ فائل کس نے بھیرے ہیں۔“ اس نے نیز لجھ میں پوچھا۔

”میں نے۔“ حمید سمجھی گی سے بولا۔ ”اور میں ان میں میر قلن میر کی کوئی غزل تلاش نہیں۔“

”آخراً آپ پی سنگ کے چکر میں کیوں ہیں۔“

”آخراً سے اتنی کلر کیوں ہے کہ میں اس کی گمراہی کر ا رہا ہوں۔“ یقیناً وہ کوئی بہت ہی اہم

”نہیں۔“ وہ اطلاع اُسی صورت میں آپ تک پہنچ سکتی ہے جب آپ مجھے ہارڈی کا ماحلاہ گا۔ جس کے لئے اُس نے محکمہ سراجِ رسانی کے ایک آفسر کو پکڑا کر اڑیت دینے کی

کوشش کی تھی۔ پی سنگ کی گمراہی میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ تقریباً ایک سال سے میرے

کے حشر سے آگاہ کر دیں۔“

”او.....!“ فریدی کے ہوتوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ غودا رہوئی اور پھر وہ اُلٹا اس کے پیچھے ہیں۔“

”چھپل رات میں نے بہت نری طرح وقت برپا کیا ہے۔“

”آخراً کا دوڑہ پڑ گیا ہے تم پر۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کوئی خاص بات نہیں ہے۔ شہر کے

لائے ہوئے جس کے خلاف میں کوئی ثبوت بھی نہیں پہنچا تا میری گمراہی میں رہتے ہیں۔ ان

میں سے بیکرے اس سے واقف بھی ہیں لیکن آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ میرے کسی

اُلٹا پر ہاتھ دال سکتا۔“

”تو پی سنگ اب روپوش ہو گیا۔“

”کیوں..... میں تو سمجھا تھا شاید آپ بھی ہوش میں نہیں ہیں۔“

”چلو یہی سمجھ لو.....“ مگر اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ بعض اوقات مجھے

پہنچنا سرزد ہو جایا کرتا ہے۔“

”شرط پوری کئے بغیر آپ اُس نئی اطلاع سے محروم ہو جائیں گے۔“

”چلو..... بتاؤ..... کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“ فریدی بے دلی سے بولا۔

”قطیعی بھی بات ہے۔“

حید نے پھر کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔  
”بس! ہاں تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔“

”آج صبح ایک خوبصورت سی لاکی دولت گنج کی حوالات میں تھی۔ مجھے وہ اتنی  
کہ میں نے اُسے رہا کر دیا۔“

”کیوں.....؟“

”آپ نے اُن دونوں کو کیوں چھوڑ دیا تھا۔ آپ دو کو چھوڑ دیں اور میں ایک اکیں رہوں گا۔ مگر شام تک اُنے کوئی سنبھلی خبر اطلاع نہیں سن لی۔ تقریباً چھ بجے فریدی واپس آیا لیکن اُنکے دینے کا حق نہیں برکھتا۔ ہائے وہ کتنا حسین تھی۔“ حید ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ پھر پتوش کے آثار دیکھ کر حید کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اسکا یہی مطلب تھا کہ ابھی کامیابی کو سوں چند لمحے خاموش رہا اور پھر فریدی کی عضیلی انسکھوں کی پروادہ کئے بغیر بولا۔ ”میرے“ راگ محل بڑی اچھی جگہ ہے حید۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”تم شاید وہاں بھی نہ گئے اس کی تصوری بھی موجود ہے۔“

”بکواس مت کرو۔“ فریدی نے کہا اور اس کی بکواس سے پیچھا چھڑانے کے لئے اس کے لئے بھی کم از کم تین پرانے ممبروں کی سفارش ضروری ہوتی ہے۔ شہر کے بہت اصلاح خانوں کی روپریش دیکھنے لگا۔

”بے بڑے آدمی اُس کے ممبر ہیں۔“

حید نے فتحی کا فائل کھول کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ آپ بھی دیکھئے ہاں میں نے اس کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔“ حید نے کہا۔ ”شاید وہ مختلف قسم کے فریدی کی نظر سرلا کی تصویر پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔“ کیا مطلب!

”اوٹوں کا کوئی ادارہ ہے۔ وہاں راگ رنگ کی محفلیں زیادہ ہو اکرتی ہیں۔“ ”وہ یہی تھی لیکن نکل گئی۔“

”گدھے!“ فریدی دہڑا۔

”گدھے تو موجود ہیں لیکن وہ نکل گئی۔“ حید نے بڑی مصصومیت سے کہا۔ ”تم آج کل بہت اداس ہو۔“ اس نے پھر کہا۔ ”کیا تم نے کبھی راگ محل کے پلک دیہیں تم بکواس کر رہے ہو۔“ فریدی کے ہونتوں پر ایک ایسی مسکراہٹ نظر آئی۔ مطلوب میں بھی شرکت نہیں کی۔“

میں جھنگلا ہٹ بھی شامل تھی۔ اس کے بعد ہی حید نے گراموفون کے ریکارڈ کی طرح ”مجھے پکے گانوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے جب کبھی سننے کو دل چاہتا ہے اپنے بکرے شروع کر دیا اور پھر جیسے ہی راگ محل کا نام اس کی زبان پر آیا، فریدی نے کری سے جھٹکا کیوں پارڑ ٹھٹے لگا دیتا ہوں۔“

”حید تم وہاں ضرور جاؤ۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”بلکہ اگر مستقل ممبر ہی بن جاؤ تو نیا ہو بہتر ہے۔“

”میں سمجھا۔“ حید سر ہلا کر بولا۔ ”مگر میری سفارش کون کرے گا۔“

ہدیٰ نے ایک فائل حید کے سامنے ڈال دیا جس میں دوسرے شہروں کے مفروضہ مجرموں کی  
دادیٰ بھیج گیا کہ یہ کوئی گہری چال ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک فائل کے صفحات اللہ تراہ  
دادیٰ بھیجیں۔ حید بھیج گیا کہ یہ کوئی گہری چال ہے۔

”سب کچھ تیار ہے۔ مجری کے فارم پر تین پرانے مجرداں  
بہت ہی مقبول قسم کا مجرم تھیں اپنے ساتھ وہاں لے جائے گا۔“  
”میرا وہاں کیا کام ہو گا۔“

”کوئی آسان سا کام، جو بھی تمہیں پسند ہو۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”مولاں گھنٹے تقریباً ڈبڑھنے تک اس کے چہرے کی مرمت ہوتی رہی۔ پھر فریدی اُسے گردن سے سیکھنا..... حالانکہ تم بہت اچھا و ایکن بجا تے ہو مگر ذرا خود کو مندی ہی ظاہر کرنا۔ اس پر پوچھ کر کسی سے اٹھانا ہوا بوللا۔  
جو تھہار ادل چاہے۔ اب اٹھو! میں بہت جلدی میں ہوں۔“

جو تمہارا دل چاہے۔ اب اٹھو! میں بہت جلدی میں ہوں۔“

کتاب بھی.....!

”فی الحال تجربہ گاہ تک۔“

”میک اپ.....!“ ہمید نے میرا سامنہ بنایا۔ ”نہیں۔ ہوں۔ گرمیوں میں پلاسٹک کے ٹکڑے ..... خدا کی پناہ۔“

”ڈریہیں..... کم سے کم پلاسٹک استعمال کروں گا۔“

لیکن میں کوئی بدنام چہرہ نہیں پرداشت کر سکوں گا۔“

”چلو! متعدد تصویر س تمہارے سامنے ہوا گا، جو سندا آ جائے اُن اللہ“

دوجدید کے سراغ رسانوں کے لئے میک اپ وغیرہ بڑی بھوٹی چیزیں ہیں۔“ تفیش کی بیانات متعلق اور جرام کی نفایات پر رکھتے ہیں۔ مگر بہترے کسی ایسے ہوتے ہیں کوئینیں کرو گے جب تک کہ تمہیں دوسرا ہدایات نہ ملیں۔ خراب سنو کہ تم وہاں کس طرح میں یہ دونوں ہی چیزیں کارامہ نہیں ثابت ہوتیں۔ کیونکہ بعض مجرم ایسے بھی ہوتے ہیں جن پہنچنے کے تھیں دس بجے تمہیں فردوس منزل کے گیارہویں فلیٹ میں پہنچنا ہے۔ وہاں مشرپی خلاف شہوت بھرم پہنچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی مجرموں کے لئے یہ طریقہ کی صورت کا میاب ہوتا ہے۔ فریدی میک اپ کو کامیابی کا ذریعہ بنانے میں خوش نہیں محسوس کر رہا۔ بعض اوقات مجروراً اس کا سہارا لیتا ہی پڑتا تھا۔ ویسے اس نے میک اپ کا ان خامیوں پر قابو پالیا تھا جن کی بناء پر میک اپ کرنے والوں کو دوسروں سے دور ہی دور رہا۔

اس وقت بھی اُسے حمید کے چہرے پر ایسا ہی میک اپ اپ کرنا تھا۔ تجربہ گاہ ملما۔ اسی وقت بھی اسے حمید کے چہرے پر ایسا ہی میک اپ کئے ہوئے تھے۔ اس کے میک اپ کے ہوئے چہرے کو ایک فٹ کے فاصلے سے لگا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے میک اپ کے ہوئے چہرے کو ایک فٹ کے فاصلے سے لگا۔ پہنچانا جا سکتا۔

حید نے ٹھیک دس بجے فردوں منزل کے دروازے پر دستک دی۔ پیسی رائی نہ کر سکیں۔ سارا ہال بچنے نور بنا ہوا تھا۔ شاید اس وقت یہاں رقص کی مشق ہونے والی تھی کیونکہ وہ سوچتا آیا تھا کہ وہ کوئی دبلا پتلا خوبصورت سا بوزہ ہو گا۔ فریدی نے اسے بتایا تھا کہ ”لئے پڑیں“ درجن لیکیاں رقص کے لباس میں نظر آ رہی تھیں۔

برا فکار ہے۔ اس کی نکر کا پیانٹ کم از کم اس شہر میں تو ملتا مشکل ہی ہے، لہذا حیدر ہال بہت برا تھا اور پر بھی چاروں طرف گلریاں تھیں۔ حید سر جھکائے رائی کے ساتھ میں اس کی تصویر فنکاروں ہی کی تھی۔

دستک دینے کے دو تین منٹ بعد دروازہ کھلا۔ دوسراے ہی لمحے میں حید کے سارے بچھا اٹھا کر اسے سلام کر رہی تھیں۔ لمبا تر نگاہ اور سیاہ قام آدمی کھڑا تھا۔ اس کے اگلے دو دانت خپلے ہوت پر کھے ہوئے تھے۔ وہ حید کو سیکریٹری کے کمرے میں لا لیا اور ممبر بننے کے سارے مرافق جلد ہی طے ہو گئے، ”مجھے رائی صاحب سے ملتا ہے۔“ حید نے کہا۔

”مل لجھے۔“ وہ سکرا کر بولا۔ اس کی مسکراہٹ بھی بڑی کریب تھی۔ ”آپ ہی ہیں۔“ حید نے حیرت سے کہا۔ کیونکہ وہ اسے ذکار کی وجائے کوئی جلا۔ اسی کچھ اچھی نہیں لگتی تھی۔ دیے گئی اس کی آنکھوں کی بناوٹ علم اور بردبار آدمیوں کی ہو رہا تھا۔

اٹ سے بہت مختلف تھی۔ حالانکہ وہ اپنے انداز گفتگو سے یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ ایک اچھے لارا کا باصول آدمی ہے۔ وہ حید سے رکی گفتگو کرنے کے بعد بولا۔

”بھی ہاں..... میں ہی ہوں..... فرمائیے۔“ حید نے جیب سے وہی فارم نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جس پر راگ محل۔ ”میرا خیال ہے کہ میں اس سے پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں لیکن یاد نہیں پڑتا کہ ممبروں کے سفارشی نوٹ تھے۔

”اوہ..... اچھا..... اندر آ جائیے۔ میں آپ کا منتظر تھا۔ صرف دس منٹ بعد ہم کرنے ہوئے کہا۔ میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں۔“ حید نے اپنی آواز بدلتے کی کوشش ہو جائیں گے۔“ وہ پیچھے ہٹتا ہوا بولा۔ حید کرے میں چلا گیا۔

راگی اسے وہیں چھوڑ کر دوسراے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حید دیوار سے لگی ہوئی آنکھیں میٹھے کھڑا۔ ”تو آپ کا مستقل قیام یہاں نہیں رہتا۔“ دیکھنے لگا۔ اسے حیرت تھی کہ ایسا بد صورت اور بے ذہنگا آدمی اتنا خوش مزاج کیسے ہو سکتا۔ ”اب تو مستقل ہی ہے۔ میں دراصل.....!“ حید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر نہ کریں۔

”کیا یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ میرا پیشہ کیا ہے۔“ راگی حسب وعدہ دس منٹ بعد تیار ہو کر آ گیا۔ وہ دونوں باہر آئے۔ ایک نیکی لے راگ محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

راگ محل ایک بہت بڑے ہال کا نام تھا۔ یہاں وہ سب کچھ تھا جو ایک بیت یا نام تفریغ گاہ کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جیسے ہی وہ گیٹ پر پہنچنے والے آدمیوں نے ان کا استبل اور پھر اصل عمارت کے دروازے پر قدم رکھتے ہی حید کے کانوں سے موسيقی کی لہذا

”نہیں..... قطعی نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تین مهز زمبر اپنا اطمینان کر لینے کے بعد ہی سفارش کر سکتے ہیں اور پھر رائی صاحب جیسے گریٹ آرٹ کی تھی۔ نہیں مسٹر جاوید پر بھی یہ کلا نہ ہے۔ یہاں صرف وہیں دیکھی اور پر بھی جاتی ہیں۔ جسم اگر آلوچوں لے بھی بیچتا ہو تو ہمیں اُنکی کلیں رکرو کار نہیں۔ اگر آپ اپنے پیشے کے متعلق مجھے نہیں بتانا چاہے تو میں آپ کو موجود ہیں کروں گا۔“

حید جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا..... ایک لڑکی چھن چھن کرتی ہوئی کمر سے آئی۔ اس کے پیروں میں گھنگھروں بند ہے ہوئے تھے اور وہ رقص کے لباس میں تھی۔ ”بائی..... آواز کے انہائی نقطے عروج پر ساز خاموش ہو گئے اور صرف گھنگھروں کی ”چھنا یہ کون ہیں؟“ اس نے حید کی طرف اشارہ کر کے سیکرٹری سے پوچھا۔ انہار کی طرح گوئنچے لگے۔

بھولا پن تھا لیکن لجئے کی ذرا سی لغزش اسے بھوٹے پن میں بھی تبدیل کر کی تھی۔ فاماں اور بد صورت رائگی کی آنکھیں ادا کاری کے اس حسن کو محسوں کے بغیر نہ رہ سکا۔

لوکی بڑی دلکش تھی۔ آنکھیں کنوں تھیں اور ہونٹ گلب کی پنکھیاں۔ حید جلا میں کی دیرانے میں سانپ ریک رہا ہو۔ صرف تیہی دشیمیں سوچ سکا کیونکہ اس کے جسم کی ہر جنبش پر کسی نہ کسی عضو کا حسن الیک انداز میں ظاہر ہو رہا تھا اور حید کا ذہن تشبیہات کے الترام میں اتنی تجزیہ رفتاری کا ثبوت سے قاصر تھا۔

”یہ ہمارے نئے ساتھی مسٹر پریکی ہیں۔“

”ہااا!“ وہ ایک سریلی ہی تیخ کیا تھا حید کی طرف ہاتھ بڑھاتی ہوئی بولی۔ ”میں رانگی ہوا۔“

”آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“ حید نے گرم جوشی سے مصافی کیا۔

”کیوں رائگی صاحب۔“ وہ حید کو کچھ اور سکھنے کا موقع دیے بغیر رائگی سے بولی۔

وقت اجنبی والا رقص کیا رہے گا۔“

”ہوں..... میں کیا بتا سکتا ہوں۔“ رائگی نے ناخنگوار لجھے میں کہا۔ حید سمجھ گیا کہ

رائگی کی بے تکلفی گراں گذری ہے۔ رائگی چھن چھن کرتی دوڑتی چلی گئی اور پھر فوراً انی

باریک سی آواز ساز کے پر دوں پر لہرائی چلی گئی۔

”ارے..... اجنبی.....!“

شاید یہ رائگی کی آواز تھی۔ ”اجنبی“ کو اتنا کھینچا گیا کہ آواز بترنچ باریک ہوتے۔

نائٹے میں گم ہو گئی اور پھر مختلف قسم کے سازوں کی موسیقی کا طوفان سامنڈ پڑا۔ ساتھ میں سریلی آوازوں کا کورس بھی گونجا۔

”تو کون ہے..... تو کون ہے۔“

تمستے ہوئے سازوں کے درمیاں سے وہی باریک سی آواز پھر بترنچ بلند ہو رہی۔

”سے اڑشوں کی باقیں کر رہے ہیں۔“

”ہاا! رائگی نے نیک لجھے میں کہا۔“ اور بعض اوقات وہ اس سرستی کے عالم میں فاختہ گروپوں سے بھی بدرت ہو جاتی ہے۔ سیکرٹری صاحب! سچا آرشٹ کبھی خود کو پوزنیں کرتا۔ اس کا رقص ہر وقت ہاتھتی رہتی ہے لیکن اوپر سے وہ کسی جھیل کی طرح پر سکون نظر آتا ہے۔ اس کی انگوٹھیوں میں بے چینی کے بجائے ایک پرقدار قسم کا نہبرہ اور ہوتا ہے۔“

”اک کے لئے ہرے طرف کی ضرورت ہے مسٹر رائگی۔“ سیکرٹری نے کہا۔ آپ بہت

"میں اس کامندر کے ہر آرٹسٹ کو بڑا دیکھنا چاہتا ہوں۔"  
"ہر آرٹسٹ بڑا نہیں ہو سکتا۔"

"اگر نہیں ہو سکتا تو رائی کو یہاں سے ہمیشہ کے لئے جانا پڑے گا۔"

"ارر..... نہیں..... مسٹر رائی! سکریٹری بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔" اپنے دلخیل ہوا۔

بغیر رائگ محل فن کا مقبرہ بن جائے گا۔ نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"میں کب چاہتا ہوں کہ ایسا کروں..... مگر..... آپ حالات کو دیکھئے رہے ہیں۔"

پیال کی رائگ روپیوں میں پڑ کر یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وہ ایک مغروف مجرم کے میک اپ میں

"اچھا دیکھئے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ مگر آپ ہمیں نہیں چھوڑ سکتے۔ اب

ہے ورنہ شاید اُس کے چونکنے کے انداز میں اتنی بیساکھی نہ پیدا ہو سکتی۔ بہر حال وہ دوسرے ہی

لئے میکرا کر بولا۔ رائگ محل کی زندگی ہیں نہ۔"

یہ گفتگو رائی کی خاموشی پر ختم ہو گئی۔

اس واقعے کو ایک ہفتہ گزر گیا۔ حمید اس دوران میں برابر رائگ محل جاتا رہتا تھا لیکن ابادی پر یہی ہے۔"

اس چیز کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ ہمیشہ رائی کے ساتھ ہی وہاں جاتا۔ کئی لاکیاں

سے کافی گھنی تھیں لیکن سرلا اسے ایک دن بھی نظر نہ آئی۔ اس نے اس کے متعلق،

غور کیا لیکن کچھ بھی سمجھنہ آیا۔ وہ اپنے بھلے کے سادہ لباس والوں کو رائگ محل کے گرد منڈلا

دیکھتا اور سوچتا شاید یہ سب کچھ سرلا ہی کے لئے ہو رہا ہے مگر سرلا تھی کہاں؟ رائگ محل کا چچا

حمد نے دیکھ دیا تھا اور یہ چیز اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی کہ وہاں کوئی چھپنے کا

بھی ہوگی۔ وہ سوچتا شاید فریدی سرلا کے معاملے میں اپنی ہی کسی غلطی کا شکار ہو گیا ہے۔

اوے دھوکا دے کر یہاں سے نکل گئی اور وہ شاید یہی سوچتا رہ گیا کہ وہ وہیں چھپی ہو گی۔

کے علاوہ حمید اور کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ دیکھ کر دوسرے پبلو سے رائگ محل کے متعلق

سوچنا فضول ہی تھا۔ فریدی اسے وہاں اس لئے نہیں بھیج سکتا تھا کہ خود رائگ محل ہی کام

سوچنا فضول ہی تھا۔ فریدی اسے وہاں اس لئے نہیں بھیج سکتا تھا کہ خود رائگ محل ہی کام

برائی کا مرکز ہے۔ وہاں تو صحیح ممنون میں مختلف قسم کے فون کی خدمت ہو رہی تھی اور

صرف چیدہ چیدہ ہستیوں کا گذر ہو سکتا تھا۔ اسی بناء پر اکثر رائگ محل کے خلاف طوفان بھی

کرتے تھے لیکن انہیں بڑی ختنی سے دبا دیا جاتا تھا کیونکہ شہر کے سر بر آور دہ دینا

کے سر پرست تھے۔

لیکن وہ شام حمید کے لئے بڑی سختی خیز تھی جب اسے رائگ محل میں ایک نیا تجوہ ہوا۔

وہ ایک رقص کرنے والی لڑکی کے لئے وائیلن بجارتا تھا کہ ایک ملازم نے اسے سیکریٹری کا

پیام دیا۔ وہ اس سے اپنے آفس میں ملتا چاہتا تھا حمید اپنا شغل ترک کر کے اُس کے کمرے

بیٹھا۔

"اوہ آئیے مسٹر سٹیشن.....!" سکریٹری نے میکرا کر کہا اور حمید بیساختہ چوک پڑا۔ وہ

"میں کب چاہتا ہوں کہ ایسا کروں..... مگر..... آپ حالات کو دیکھئے رہے ہیں۔"

پیال کی رائگ روپیوں میں پڑ کر یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وہ ایک مغروف مجرم کے میک اپ میں

"اچھا دیکھئے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ مگر آپ ہمیں نہیں چھوڑ سکتے۔ اب

ہے ورنہ شاید اُس کے چونکنے کے انداز میں اتنی بیساکھی نہ پیدا ہو سکتی۔ بہر حال وہ دوسرے ہی

لئے میکرا کر بولا۔ رائگ محل کی زندگی ہیں نہ۔"

"مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ مجھے غلط نام سے مخاطب کر رہے ہیں۔ میرا نام

اس واقعے کو ایک ہفتہ گزر گیا۔ حمید اس دوران میں برابر رائگ محل جاتا رہتا تھا لیکن ابادی پر یہی ہے۔"

اس چیز کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ ہمیشہ رائی کے ساتھ ہی وہاں جاتا۔ کئی لاکیاں

سے کافی گھنی تھیں لیکن سرلا اسے ایک دن بھی نظر نہ آئی۔ اس نے اس کے متعلق،

"کیا آپ نئے میں ہیں مسٹر سکریٹری۔" حمید نے بُرا اسم نہ بنا کر کہا۔

"نہیں مائی ڈیزیر مسٹر سٹیشن.....!"

اب حمید کو مح索ں ہوا کہ فریدی نے اسے اس میک اپ میں وہاں کیوں بھجا تھا کیونکہ وہ

سکریٹری کے ہاتھ میں ایک روپا اور دیکھ رہا تھا۔ بھلا رائگ محل میں روپا اور کام کیا کام؟ سکریٹری

سے روپا کا دے کر یہاں سے نکل گئی اور وہ شاید یہی سوچتا رہ گیا کہ وہ وہیں چھپی ہو گی۔

اوے دھوکا دے کر یہاں سے نکل گئی اور وہ شاید یہی سوچتا رہ گیا کہ خود رائگ محل ہی کام

سوچنا فضول ہی تھا۔ فریدی اسے وہاں اس لئے نہیں بھیج سکتا تھا کہ خود رائگ محل ہی کام

برائی کا مرکز ہے۔ وہاں تو صحیح ممنون میں مختلف قسم کے فون کی خدمت ہو رہی تھی اور

صرف چیدہ چیدہ ہستیوں کا گذر ہو سکتا تھا۔ اسی بناء پر اکثر رائگ محل کے خلاف طوفان بھی

کرتے تھے لیکن انہیں بڑی ختنی سے دبا دیا جاتا تھا کیونکہ شہر کے سر بر آور دہ دینا

کے سر پرست تھے۔

"اوے نکاروں کو اکٹھا کر کے اسے بے نقاب کر دوں تو کیسی رہے۔"

آہستہ آہستہ حید کو عتلن آری تھی۔ اچانک اُس نے سرد اور سفاک قسم کے لمحے میں بھاٹ پہنچنے لگے۔ جب بھی ارادہ کیا جہاں کہیں بھی ہو گے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے اُس سے پہلے یا تو تم مر جاؤ گے یا تیش ہی مر جائے گا۔

”بھاٹے آدمی ہر وقت تمہاری گمراہی کریں گے۔“  
”میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔“ سیکریٹری نے سکرا کر کہا۔  
”تمہاری معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ جسے میں لے لیں ہو کر نہ ہو، ورنہ میں بخشا تو جانتا ہی نہیں۔“

”تمہارا اس کے ساتھ چھ آدمی تھے۔ اگر میں ان میں سے ایک کو قتل نہ کر دیتا تو میرا قلی۔“ تھیں ریگل لاج میں ایک چھوٹا سا پیکٹ پہنچانا ہو گا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں تمہیں لازمی تھا۔“

”تُب تو تم نے اُسے خفاقت خود انتیاری کے تحت قتل کیا تھا۔“ سیکریٹری نے جو ہے دہراتے کرے میں لے گیا۔  
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ایسی صورت میں تمہیں فرار نہ ہوتا چاہئے تھا۔“

## راگ اور خون

”تم تھا تھے۔“ سیکریٹری نے پوچھا اور اثبات میں جواب پا کر دوبارہ سوال کیا۔  
”تریباڈ گھنٹے بعد حید راگ محل کے باہر آیا۔ اس کے ساتھ میں ایک خوبصورت سا بھی تھا۔“

”بُك تھا۔“ بُك کا پیکٹ۔ وہ اُسے یونی کھلے عام ہاتھ میں دبائے ہوئے چل رہا تھا۔ اس ”ہاں میں اب بھی تھا ہوں لیکن تم نے مجھے اس طرح پہچانا ہے جیسے میری تلاش بُك کے لئے اتنی راز داری! حید سے کہا گیا تھا کہ وہ اُسے آٹھ دس آدمیوں کی گمراہی میں رہے ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے پاس اس ریوالور کا لائسنس ہے۔“

”لائچ تک لے جائے گا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس کی گمراہی کر رہے ہوں گے لیکن وہ اُن کاٹھیتوں سے ناواقف تھا۔ ویسے اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ بیچ سڑک پر بھی قتل کیا ریوالور..... ریوالور کی بات جانے دو۔ میں تم سے فی الحال ایک سودا کرنا چاہتا ہو۔“

”ابھی تک یہ سودا نہ ہے لیکن انکار کی صورت میں حکم بن جائے گا اور اس کے بعد تمہارے مقدمہ جاگتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس پیکٹ میں ہے کیا؟ وہ اسے اجنبی ہاتھوں میں دینے جا رہا یا تو ہھکڑیاں ہوں گی یا کسی ریوالور کی گولی تمہارے خط تقدیر میں سرخ تحریر کا اضافہ کر دیگی۔“

”لائچ جا رہا ہے وہ خود ہی اُسے پہچان کر اس سے لے لے گا۔ اس اتنے سے کام کی اجرت پانچ ”یار سیکریٹری صاحب۔“ حید ہنس کر بولا۔ ”تم تو شیکپیئر کے کسی ولین کی طرح؟“

”ٹوپوں کی شکل میں دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ بڑی عجیب بات تھی۔ وہ پیکٹ علاوہ یہ طور پر ”مجھے اور زیادہ خوشی ہوئی۔ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔“ سیکریٹری نے خٹک لجھ میا۔

”دیکھ بھی ہو تھا بھی ہو تھیں ساتھیوں کی ضرورت ہے۔ تم جانتے ہو کہ راگ محل کی دیواریں اسے پیدل ہیں۔“  
”اب بُك ایک میل تک پیدل چل چکا تھا۔“

”ال وقت شہر کے ایک بھرے پورے حصے سے گزرتے وقت بھی موت اُس کی آنکھوں کے نامنے ناچ رہی تھی۔ اچانک ایک گلی سے ایک چھوٹا سا جلوس نکلا۔ حید پہلے ہی سے اس ”پھر تمہیں فی الحال ہمارا ایک کام کرنا ہو گا۔ خوشی سے نہ کرو گے تو زبردستی۔“

کے نفرے سختارہا تھا۔ غالباً یہ جلوس کارپوریشن کے ایکشن سے تعلق رکھتا تھا۔

”اپنا وٹ کس کو دو گے؟“ ایک آدمی چیڑا۔

”بندے علی کو۔“ درجنوں آوازیں ہم آہنگ ہو جاتیں۔

وہ جلوس کچھ اس طوفانِ بد تینزی کی طرح لگی سے نکلا کہ حمید کے پاؤں اکھر گئے۔ کیونکہ

”بیک وقت اس سے آنکھ رائے تھے اور پھر.....“ لیکن کیا پیکٹ بھی اُس کی گرفت سے نکلے۔  
وہ آدھِ گھنٹے تک بے سدھ پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر دو تین گاں پانی چڑھا گیا۔ لیکن بیک  
بس پھر کیا تھا..... کھوپڑی ہوا ہو گئی۔ بوکھلا ہٹ میں اسکا ہاتھ ایک ایک کے گریبان پر پڑا۔ لیکن اس کے ذہن میں تھا۔ اس وقت اس کے اعصاب پر فریدی سوار تھا، جو کچھ سوچے سمجھے  
جلوس تتر تتر ہو گیا۔  
کیا ہے؟ کیا ہے۔“ کسی نے چیخ کر پوچھا۔  
”مخالف پارٹی کا آدمی..... شش چھتائی کا آدمی۔“  
”مارو سالے کو....!“

ویسے اُس کی ذرہ برا بر بھی پرواد نہیں تھی کیونکہ اس کی دانست میں وہ اُسی آدمی کے  
انکھاں بھاگ جس کے لئے بھیجا گیا تھا۔

سالے کے حواس غائب ہو گئے اور وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ جلوس چھٹا چھڑا تھا۔  
کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اندر ہر اپنیل پکا تھا اور سر کیس جگہ گاری تھیں۔ لیکن یہاں ایسا معلوم ہوا کہ اب ایسا تبدیل کر کے سو جائے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔  
تھا جیسے قیامت آگئی۔ بعض راگبیروں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا لیکن وہ خوف کی وجہ سے ”اوے..... کیا مصیبت آگئی ہے۔“ وہ بڑا بڑا ہوا دروازے کے قریب آیا اور چھٹی بھاگ رہے تھے۔ درودوں کو بھاگتے دیکھا، خود بھی بھاگ لئے۔ دو کافیں دھڑا دھڑا بندھا۔ لیکن دروازہ کھلا اور سامنے راگ محل کے دواہیے آرٹسٹ کھڑے نظر آئے جن سے حمید لگیں تھیں۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اگر ایسے موقع پر کسی کے ہاتھ آ گیا تو کچھر نکل جائے۔ کلقطات بہت اتنے تھے۔

اچانک وہ ایک گلی میں مڑ گیا۔ لیکن اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ یہاں ”تمہیں راگ محل نکل چلنا ہے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔  
غیر ارادی طور پر سرزد ہوا تھا۔ بہر حال اس کے ستارے اچھے ہی تھے کہ آگے چل کر گئی تھا۔ اس کا الجہ اتنا خراب تھا کہ حمید کو غصہ آ گیا۔ اس نے گزر کر کھا۔ ”ضروری نہیں ہے۔ اب ہو گئی تھی۔ وہ بے تھاشہ دوڑتا ہی رہا۔ اس کے پیروں میں کریپ سول جوتے تھے اور ”گھر ہاتا چاہتا ہوں۔“

کے مل دوڑ رہا تھا۔ اس لئے آواز بھی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک تاریکی۔ لیکن دوسرا سوئی لمحے میں اس نے دیکھا کہ ان کے کٹوں کی جیبوں سے روپ اور کی میں چکراتا رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ اب اسے سڑک پر نکل جانا چاہیے۔ تعاقب کرنے ”اہل جماں کر رہی ہیں اور آنکھوں میں سفا کی اور درندگی تو پہلے ہی سے نظر آ رہی تھی۔“

کی آوازیں بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔  
اسے اچھی طرح یاد نہیں کر وہ کس طرح اپنی قیام گاہ تک پہنچا۔ یہ اسی عمارت کا سکرپٹھ بٹھ لے گا۔ وہ ان دونوں کے بیچ میں تھا اور وہ اس سے لگے ہوئے چل رہے تھے۔ باہر پر ایک کار موجود تھی ایک نے حمید کو پچھلی سینٹ پر میٹھے کا اشارہ کیا اور دوسرا اسٹریگ کے فلیٹ تھا جہاں فریدی نے اسے ٹھہر نے کو کہا تھا۔

جلد نمبر ۱۷  
”بیچھے لاٹوں سے خوف نہیں معلوم ہوتا اور میں بالکل سمجھدی گی سے گفتگو کر رہا ہوں۔“  
”بوجھ بھی کرنا ہے جلدی سمجھے۔“ سرلا نے خبر سے کہا۔

اپنے قریب پیشے ہوئے آرٹسٹ کو دیکھا پھر اس طرح نشست کی پشت گاہ سے نکل گیا۔ سمجھیں  
”بوجھ سے عشق نہیں کریں گے مترس۔“ حمید اسے آنکھ مار کر بولا اور سرلا پوکھلا کر دوسرا  
کچھ مذاق ہی ہو۔ حمید انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ذرہ برابر بھی خاف نہیں  
کرنے دیکھنے آتی۔

راگ محل میں اس وقت صرف تین لڑکیاں پیانو اور طبلے پر رقص کی مشق کر رہی تھیں۔ میں  
”تم زیادہ بکواس نہ کرو۔ پیکٹ واپس کر دو۔“  
”کچھ اس درجہ پوکھلایا ہوا تھا کہ نہ تو اسے پیانو کی آواز سنائی دی اور نہ وہ رقص کرتی ہوئی لے لے  
عی دکھائی دیں۔“

حمد کو سیکریٹری کے آفس میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا لیکن یہاں پہنچنے  
عورت پر اس کی نظر فوراً پڑ گئی۔ یہ سرلا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ سیکریٹری کے علاوہ اپرائیس میں بھی سے وہ پیکٹ لے لیا ہو۔  
آدمی اور بھی تھا جس کے چہرے پر سرخ رنگ کی داڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشیں۔  
”میں احمق نہیں ہوں۔“ غیر غریباً۔  
”اگر میں تمہیں احمق سمجھتا ہوں تو مجھے یقیناً گولی مار دو.....!“

”تم نہیں بتاؤ گے۔“

حمد نہ جانے کیوں یہاں پہنچ کر مطمئن ہو گیا تھا۔ اس نے چاروں طرف اپنی ہل  
نظر ڈالی اور پھر جواب طلب نظرلوں سے سیکریٹری کی طرف دیکھنے لگا۔  
”کیا تمہارے آدمی انہی تھے جن کی نگرانی میں مجھے ریگل لاج بھیجا گیا تھا۔ کیا انہوں  
ہیں دیکھا تھا۔ کیا انہوں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں نے کس طرح اس غول بیابانی سے  
جان بچائی تھی۔ آخر کوئی دوسرا وہ پیکٹ چھیننے ہی کیوں لگا۔ بظاہر وہ بسکٹوں کا پیکٹ تھا۔“  
”لیکن حقیقتاً کیا تھا۔“ غیر نے سوال کیا۔

”میں کیا جانوں..... میں نے اسے کھول کر دیکھا نہیں تھا۔ کیا نگرانی کرنے والوں نے  
ذمہ دکھایا۔“

”اچھا دوست تم بھی کیا یاد کرو گے۔“ سیکریٹری نے بڑا کر سرخ داڑھی والے کی طرف  
لما اور سرخ داڑھی والے نے اپنے سر کو خفیہ سی جنبش دی۔

”کرلا.....!“ سیکریٹری نے سرلا سے کہا۔ ”تم باہر جاؤ..... تم نے آج تک کسی کو قتل  
نہ کیا ہو گا۔“

”چلے پیکٹ کا سراغ ملتا چاہئے۔“ سرلا بولی۔ ”قتل کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ اگر وہ غلط  
یہیں تمہاری لاش پہنچنے لے۔“

سامنے جا بیٹھا۔ کارچل پڑی۔

حمد اپنی بائیں پسلی میں روپور کی نال کی جھین محسوس کر رہا تھا۔ اس نے سمجھیں

اپنے قریب پیشے ہوئے آرٹسٹ کو دیکھا پھر اس طرح نشست کی پشت گاہ سے نکل گیا۔ سمجھیں  
کچھ مذاق ہی ہو۔ حمید انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ذرہ برابر بھی خاف نہیں  
کرنے دیکھنے آتی۔

راگ محل میں اس وقت صرف تین لڑکیاں پیانو اور طبلے پر رقص کی مشق کر رہی تھیں۔ میں  
”تم زیادہ بکواس نہ کرو۔ پیکٹ واپس کر دو۔“

”اگر وہ میرے پاس ہو تو ضرور واپس لے لو۔“  
”کس کے پاس ہے۔“

حمد کو سیکریٹری کے آفس میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا لیکن یہاں پہنچنے  
عورت پر اس کی نظر فوراً پڑ گئی۔ یہ سرلا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ سیکریٹری کے علاوہ اپرائیس میں بھی سے وہ پیکٹ لے لیا ہو۔

آدمی اور بھی تھا جس کے چہرے پر سرخ رنگ کی داڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشیں۔  
”میں احمق نہیں ہوں۔“ غیر غریباً۔

عنیک۔ حمید نے اس پہلے پہل دیکھا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ سیکریٹری نے تحملانہ لجھے میں کہا۔

حمد نہ جانے کیوں یہاں پہنچ کر مطمئن ہو گیا تھا۔ اس نے چاروں طرف اپنی ہل  
نظر ڈالی اور پھر جواب طلب نظرلوں سے سیکریٹری کی طرف دیکھنے لگا۔

”وہ پیکٹ کہاں ہے؟“ سیکریٹری نے گرج کر پوچھا۔

”یہ کہو کہ اب تمہاری نیت میں فتو آگیا ہے۔“ حمید نے بھی بالکل اُسی کے سے  
میں جواب دیا۔

”کیا مطلب.....؟“

”بھی کتم وعدہ کے مطابق مجھے پانچ سوروں پر نہیں دینا چاہتے۔“

”کیا تم نے اُسے ریگل لاج تک پہنچا دیا تھا۔“

”نہیں وہ راستے ہی سے خود بخود ریگل لاج تک جا پہنچا۔“

سیکریٹری اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”سنجیدگی سے گفتگو کرو، ورنہ ہو سکتا  
ہے۔“

یہیں تمہاری لاش پہنچنے لے۔“

ہاتھوں میں پہنچ گیا تو۔“

”تم جاؤ تو.....!“

آپ کہاں چلے جمید صاحب۔“ اُس نے طنزیہ لمحے میں کہا۔ ”آپ یہاں بھیں بدل کر عباتی کرنے آئے تھے لیکن یہ کلامندر ہے۔ آوارہ پر یوں کا اکھاڑہ نہیں۔ آپ کی شامت

جمید اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ آپ کہاں لے آئی تھی۔“

شام ہی کو میز کی دراز سے ایک ریوالور نکلا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی دیں موجود ہو۔ ”فٹا سرخ داڑھی والا خبر سمجھ کر اُس کی طرف چھپتا۔ لیکن قریب پہنچنے سے پہلے ہی راگی دفتار کی نے دروازے کو دھکا دیا۔

”کون ہے؟“ سیکریٹری نے غصیل آواز میں کہا۔

کلات اُس کے پیٹ پر پڑی اور وہ خبر سمجھنک کر دوہرا ہو گیا۔

سیکریٹری میز کی دراز سے ریوالور نکال چکا تھا۔ وہ اُس کا رخ ان دونوں کی طرف کرتا یکن دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھل گیا۔ سامنے راگی کھڑا تھا۔ وہ کمرے میں پا پاؤں والا ”تو مشر راگی تم لازمی طور پر کرٹل فریدی ہو۔“

”مشر راگی۔“ سیکریٹری نے مسکرا کر کہا۔ ”مجھے افسوس ہے اس وقت ہم ایک پا۔“ ”اب آپ کوشای خواب آ رہے ہیں۔“ راگی مسکرا کر بولا۔ ”میں تو اس عورت خور کو اچھا موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔“

”اوہ اچھا! میں جا رہا ہوں۔“ راگی دروازے کی طرف مڑا۔

”جس پر مشر ہیں تو جعلی یہی سکی۔ میں چھ ماہ سے آپ کے کلامندر کی سیوا کر رہا ہوں۔“

”ٹھہریے مشر راگی۔“ مجمید نے بلند آواز میں کہا۔ ”بھلا مجھے ان کے پا پاؤں پر سیکریٹری پے درپے ریوالور کا ٹریگر دباتا ہی چلا گیا۔ کھٹ کھٹ کی آواز کے علاوہ اور موضوعات سے کیا سوکا رہا ہو۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔“

”تو پھر چلے۔“ راگی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔

”میں مشر راگی آپ جائیے۔“ سیکریٹری جھنجلا کر بولا۔ ”میں ان حضرت کی طبقہ بہان فریدی ہو، وہاں بغیر لا تسلیں کے ریوالوروں کا دم نکل جاتا ہے۔ مشر سیکریٹری سے واقف ہو گیا ہوں۔“

”اوہ! تو آپ بھی واقف ہو گئے ہیں۔“ راگی نے حیرت سے کہا۔

”اوے مشر راگی تو کیا آپ جان بوجھ کر ایک مفرور قاتل کو آرٹٹ بنا لائے فے ظریپا کن خبر کی طرف ہاتھ پڑھانے لگا۔ اور اُس کا ہاتھ خبر کے دستے پر پڑا اور ادھر فریدی سیکریٹری شکایت آمیز لمحے میں بولا۔“

”مفرور قاتل..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ راگی نے پھر حیرت کا اظہار کیا۔ ”لاراں میں فریدی بڑی پھرتی سے جھک نہ گیا ہوتا تو سیکریٹری کے چیلکے ہوئے ریوالور کا اس تو شہر کا سب سے بڑا عورت خور کی پہنچ ہے۔“

”کیا.....؟“ سیکریٹری اچھل پڑا۔ سرخ داڑھی والا بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ سرلا کامنہ ”جمید تم دروازے پر ٹھہرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”تنا ہے سیکریٹری صاحب کو اپنی طاقت پر سے کھل گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں جمید نے دروازے کی طرف چلا گک لگادی لیکن را۔“ بہت ہزار ہے۔ مجھوں ہے کہ یہ پی سنگ کی بڑیاں کتنی دیر میں توڑ سکتے ہیں۔“

”لہاسنگ..... کہاں ہے۔“ جمید نے حیرت سے کہا۔

”اوے اس طرح اپنے بازوں میں جکڑ لایا جیسے کسی شریر بچے کو دوڑتے میں پکڑ لے۔“

"اس کی عینک اتار دو اور داڑھی نوچ ڈالو۔ پی سنگ کا دیدار نصیب ہو جائے گا۔" "بیٹے پا سنگ..... میں ایک سال سے تمہارے چکر میں ہوں۔ اگر اس میں نہیں تو کسی سیکریٹری گھونسانا تاکر فریدی کی طرف جھپٹنا لیکن فریدی جیب سے رویا اور نکالتا ہے۔ "درست ممالی میں پھنس جاؤ گے۔ تم نے قتل کرائے ہیں اور اب اس عرق کے ذریعہ شہر کو جنم بجا ہو۔ لڑکوں کو اس کی لٹ پڑھنی ہے۔ وہ اپنے گھروں سے بڑی بڑی رقیں غائب پھر حمید سے کہا۔ "روازہ بند کر دو۔ یہ تو میرے اصول کے خلاف ہے کہ کوئی بھروسہ کر کے خریدتی ہیں، اسی لئے یہ وباء غریب گھرانوں کی لڑکوں میں نہیں پھیل سکی۔"

پھوٹے بغیر شریف آدمیوں کی طرح حوالات میں چلا جائے۔" سب جھوٹ ہے! بکواس ہے۔ پتے نہیں کیا کہہ رہے ہو۔ تم میرے پرانے دشمنوں میں سے ہو۔"

حمید نے جھپٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ پھر تیلانظر آنے لائز۔ "میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اسے عدالت میں ثابت کرنے کے لئے میرے پاس بے "ہاں تو سکریٹری صاحب آپ بہت طاقتور ہیں..... اوہ ہو! آپ مطمئن رہئے۔ نہایت ہیں۔ ڈاکٹر زیدی نے حقیقتی عرق طالب علموں ہی کے لئے بنانے کی کوشش کی تھی۔

وقت راگ محل میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ میں آپ کے آدمیوں کو پیارے ہوں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے ہیچے ذہن پر جلا ہو گئی اور پھر یاد داشت حیرت انگیز طور پر ڈہن بھاں سے باہر ہاٹک چکا ہوں۔ وہ کسی سڑے سے بار میں اس وقت شراب پی رہے۔ لیکن زیادہ نشہ آور ہو گیا تھا اور دوسرا یہ کہ اگر اس کے نشے کی حالت میں آدمی کو غصہ گے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا سکریٹری صاحب کہ آپ بہت طاقتور ہیں لہذا سرلا کے بال پر جیسی زیادہ نشہ آور ہو گیا تھا اور دوسرا یہ کہ اگر اس کے نشے کی حالت میں آدمی کو غصہ آجائے تو وہ کتوں سے بھی بدرت ہو جاتا ہے، ڈاکٹر زیدی کو دوسری خاتی کا علم نہیں تھا۔ یہ سو اسے زمین سے اٹھا لے جائے۔"

سکریٹری بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

"چلے! چلے! ورنہ میرے رویا اور کی گولی کم از کم آپ کی ران کی ہٹی ضرور توڑے۔" مادر نے نیوپار کے متعلق مشورہ لیا۔ تم اس پر روپیہ لگانے کے لئے تیار ہو گئے۔ سرلا تمہارے اور ابھی آپ کو پی سنگ پر بھی قوت آزمائی کرنی پڑے گی۔ گو کہ آپ اس کے ایک اتنا نیا عرق کشید کرتی رہی اور تم اسے اپنے چند خوبصورت ایجینٹوں کے ذریعہ مالدار گھرانوں کی ایک میں کھپاتے رہے۔ وہ شروع میں اپنی قوت حافظہ بڑھانے کے لئے اسے استعمال کرتی ہیں۔ سرلا یعنی وہ مجرم ہے جس کی وجہ سے لڑکوں میں پاگل پن کی وباء پھیلی ہے۔" "نہیں..... نہیں۔" سرلا خوفزدہ آواز میں چھپی۔

"اوہو..... کیا تم نے ڈاکٹر زیدی کے اس عرق کا فارمولائیں چرایا تھا جو وہ قوت کے لئے تیار کر رہے تھے۔"

سرلا کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ کھڑی کا بنتی رہی۔ فریدی نے سکریٹری سے کہا۔ "ہے وہ عرق اسے نکالو۔ تم بھی پیو اور پی سنگ کو بھی پااؤ۔ ظاہر ہے تم دونوں کو بھی مجھ پر آھی رہا ہو گا۔ اسے پی کر تم یہ بھی بھول جاؤ گے کہ میرے ہاتھ میں رویا اور ہے۔ پھر اپنا نہایت آسانی سے انجام دے سکو گے۔"

"یہ سب بکواس ہے۔" پی سنگ نے چیخ کر کہا۔ "تم خواہ مخواہ میں پھانسے کی کوشش کر رہے۔"

دیکھنا چاہتا تھا کہ بہاں پی سنگ کی سر پر تی میں کیا ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اب تک فرقہ کو ”چیش بنی“ کا نام دے دوں..... خیر ختم کرو۔ مگر نہیں آج کا لطیفہ بھی شنید یہاں اس شکل میں اس لئے لایا گیا تھا کہ تم اس سے کسی قسم کا کام لو۔ تم لو گول بارہوں ہیں، پی سنگ کے ابجت انہیں اپنی ماں میں یا بھنیں نہیں سمجھتے تھے۔ وہ سب طالبات حرف کے کام لیتے ہو۔ ادھر چونکہ تمہارے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ میں تھا میں تھی۔ یہ مقصود پھر تھے کہ عادت میں کھو گیا۔ حمید یچھے ہٹ آؤ۔ میرا بس پڑے تو میں اس سارے آدمیوں سے واقف ہوں اس لئے تم نے اس تقسیم کاری کے لئے راگ محل کو منزہ بنا کر توں سے نخواذ الoul۔“

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تقسیم کرنے والے ایسے آدمیوں کی ضرورت بھی درپیش ہو گئی۔ سرلا پیچھے چینے مضمحل ہو گئی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسکے حوالہ جواب دے رہے ہوں۔ جو بالکل نئے ہوں اور جن پر میری نظر بھی نہ ہو۔ تم نے اپنے پرانے دستور کے مطابق ”اسے نیچے ڈال دو۔“ فریدی نے سیکریٹری کو حکم دیا۔ ”اور اب پی سنگ کو اتنا پیٹھو کرو۔ کوئی م Schroور مجرم سمجھ کر چانسے کی کوشش کی۔ میں بھی چاہتا تھا۔ نہیں پی سنگ تم چپ پڑھنے سے مددور ہو جائے۔“

کھڑے رہو گے۔ ہاں اور وہ جلوں جس کے نرغے میں آ کر حمید نے پیکٹ کھوپیا تھا۔ ”من..... نہیں۔“ سیکریٹری ہانپا ہوا بولا۔ ترتیب دیا ہوا تھا۔ مگر حمید کے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ تھی ورنہ اتنی شاندار ایکنگ نہ کر کر۔ ”میں تمہارے خلاف کوئی قتل نہیں ثابت کر سکوں گا کہ تمہیں چھانی ہی ہو جائے۔“ ”کیا.....!“ حمید طلق پھاڑ کر چینا۔ ”حمد کا شاندار جائزہ کیسا رہے گا۔“ فریدی نے سرد لبھے میں کہا۔ ”لیکن میرے ریوالوں کی گولی تمہیں موت سے ضرور ہمکنار کر سکتی“ ”جلوس ہی کی وجہ سے تم نئے گئے میئے..... ورنہ بیک وقت آٹھ گولیاں تمہارے ہیں۔“ میرا کچھ نہیں بگزارے گا۔ پی سنگ جیسے مجرموں کو پکڑنے کے سلسلے میں ایک نہیں اگر دن چھلنی کر دیتیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا اور پھر اس نے سیکریٹری سے کہا۔ ”میرے پاس وہ ایروں کی جانیں بھی تلف ہو جائیں تو مخالفوں کو خوشی ہی ہو گی..... کیا سمجھے۔“

ہے۔ سرلا کو بال پکڑ کر زمین سے اٹھاؤ۔ چلو.....!“ ساتھ ہی اس نے فائر بھی کر دیا۔ سیکریٹری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پی سنگ پر ٹوٹ پڑا۔ پی سنگ کے منہ سے گالیوں کا اس کی بائیں ران کو چھوٹی ہوئی گزر گئی۔ سیکریٹری اچھل کر ایک طرف ہٹا اور کری سے کڑا طافان امنڈ پڑا۔ ایک بار پھر حمید کی نظروں کے نیچے ویسا ہی ڈرامہ شروع ہو گیا جیسا کچھ دن فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ پا گھوں کی طرح اپنی ران ٹوٹ رہا تھا۔ پھر وہ بوكلا کر کھڑا ہو گیا۔ پلے وہ ایک دیرانے میں دیکھ چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر حلکے کر رہے تھے اور ان کے انداز تھا شہ سرلا کی طرف چھٹا۔ دوسرے ہی لمحے میں سرلا زمین سے ایک فٹ کی اوچائی پر جمیں دو اپنی کتوں کی طرح غرا غرا کر ایک دوسرے پر چھپت رہے تھے اور حمید ہوئی ہندیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

”وقتی تم کافی طاقتور ہو۔“ فریدی سرہلا کر بوا۔ مگر حمید کو فریدی کی اس حرکت پر باڑھ آیا۔ وہ کسی خوبصورت عورت کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے وہ سیکریٹری کی طرف بڑھا۔ ”کہاں چلے؟ چب چاپ اپنی جگہ کھڑے رہو ورنہ میں تمہیں بھی.....!“ حمید جھلا کر پلٹا لیکن فریدی کے چہرے پر نظر پڑتے ہو، اس کے روئے کھڑے ہوئے تو وہ موت کی گوشہ جا سوئے گا۔“

# جاسوسی دنیا نمبر 55

## سماں کے کی لاش

(مکمل ناول)

وہ دونوں ایک دوسرے کو نوچتے اور بھینبھوڑتے رہے۔ پی سنگ کو غالباً اس بات پر اُس کا ایک ملازم اُسے پیٹ رہا ہے اور سکر پیڑی؟ اسے موت کا بھی خوف تھا اور اپنا غصہ بھی کیونکہ وہ انتہائی زیر ک ہونے کے باوجود بھی فریدی کے جال میں پھنس گیا تھا۔ یہ جنگ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ حمید پر اکتاہٹ طاری تھی۔ سرلاہوڑ آگئی تھی اور اب ایک کونے میں منہ ذالے ہوئے کسی سردی کھانے ہوئے بکری کے طرح کانپ رہی تھی۔

پھر دونوں تھک کر گر گئے۔ وہ سر سے پیر ٹک خون میں نہایے ہوئے تھے۔ کمرے کا سنایا بڑا بھیاںک تھا۔ حمید کو ہزارہا سال پہلے کا آدمی یاد آ رہا تھا۔ وہ جانوروں کی سی حس رکھنے والا۔ اُس نے فریدی کی طرف دیکھا اور کانپ گیا۔ سرلاہوڑ بہش تھی۔ دوسری صبح پی سنگ کے سارے اذوں پر چھاپے مارے گئے۔ اُس عرق کی بہت بڑی برآمد ہوئی۔ اس کے علاوہ لا تعداد غیر قاتوفی طور پر مہیا کی ہوئی چیزیں۔ ڈاکٹر زیدی نے اُس کا تجربہ کر کے بتایا کہ وہ سو فیصدی وہی عرق تھا جس کا فارمولہ سرلا نے اس کی لیبارڈی سے تھا۔ پھر فریدی نے اس عرق کا تجربہ خود اپنے اوپر کیا اور اپنی باضابطہ روپوٹ میں اس کا کرتے ہوئے لکھا۔ ”اگر اس کے نشے کی حالت میں غصہ آ جائے تو پھر آدمی کو ہوش نہیں رہتا کیا کر رہا ہے۔ یہ کیفیت صرف تھوڑی دیر ٹک رہتی ہے یا ہو سکتا ہے کہ اس مدت کا انحراف آدمی مزاج اور اس کی جسمانی قوت پر ہو۔ کمزور آدمیوں کو جلد ہی غصہ آتا ہے اور جلد ہی رفع بھی ہے۔“ طاقتور دونوں ہی صورتوں میں زیادہ وقت لیتے ہیں۔ بہر حال غصے کی کیفیت رفع ہونے بعد نشے کے اثرات بھی زائل ہو جاتے ہیں اور نشے سے پہلے کی سی کیفیت لوٹ آتی ہے۔“ حمید کو اس کیس میں صرف دو ہی واقعات زیادہ اہم معلوم ہوئے تھے اور وہ دو ہی واقعات وہی تھے جن میں فریدی نے آدمیوں کو کتوں کی طرح لئے پر مجبور کر دیا تھا۔ حمید اس کی وجہ بہت پوچھی لیکن ہر بار فریدی کا یہی جواب ہوتا۔ ”میں تفریخ کے موڑ میں تھا۔“

ختم شد

## پیشہ

ابن صفائی نے "سائے کی لاش" میں ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ وہ نئی راہیں پیدا کرنے کے عادی ہیں۔ ایک ہی راستہ پر چنانہ اس کا شیوه نہیں ان کے قلم کی عظیتوں کی کہانی آج کے اردو ادب کی تاریخ کا ایک روشن پابند ہے۔ وہ مزاج اور تحریر اور حیرت انگیز واقعات کا جو حسین امترانج پیش کرتے ہیں..... اپنی جگہ پر خود ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کہانی میں مذوہنا اور لیڈی تنویر کے کردار نفیات کے طالب علموں کے لئے ایک درس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتنی کردار نگاری صرف عظیم ابن صفائی کا حصہ ہے۔ گرانڈیل احمد قاسم اور حمید کی شرارتیں اس بار عروج پر ملیں گی اور آپ قہقهہ لگانے پر بھجوڑ ہوں گے۔

### پبلیشور

## چہرہ اسرار عورت

اس بار بہت زور سے بچلی کرڑ کی اور گھوڑا اگرتے گرتے بچا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کا زور..... رات کا اندر ہیرا۔

وہ ایک طوفانی رات تھی مگر شاید گھوڑا بھی طوفان سے کم نہیں تھا۔ وہ اپنے سوار کو اس طرح اڑائے جا رہا تھا جیسے وہ بھی اس ہنگامہ خیز رات کا ایک جزو ہو۔ میں میل کی مسافت طے کرنے کے بعد بھی اس کے پیروں نہیں ہوئے تھے۔ اندر ہیرے میں اس طرح فرائے بھرنے سے تو سکنی علمون ہو رہا تھا کہ وہ اس کا جانا پچانا راستہ ہے، سوار کی حالت البتہ ابتر تھی۔ وہ گھوڑے کی گردان سے لپٹا ہوا تھا، اسے ہوش ہی نہیں تھا کہ لگام کب اور کیسے اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ ظاہر ہے کہ لگام کہیں گر ہی آگئی ہو گی، ورنہ کہیں نہ کہیں گھوڑا اس سے الجھ کر گرا ضرور ہوتا۔

یہی تینست تھا کہ سڑک زمین کی سطح سے کافی اوپر تھی اور اس پر پانی نہیں اکٹھا ہوا تھا، لازم ہے اس رفتار سے دوڑ بھی نہ سکتا۔

سڑک کے دونوں طرف جنکوں کے سلسلے پہلے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی بچلی کی چک ایک لٹک لئے انہیں چڑکا دیتی اور پھر وہ اسی گھنے اندر ہیرے اور بارش کے شور میں کھو جاتے۔

گھوڑے کی ٹاپوں کی "ڑاک.....ڑاک" بارش کے شور کے باوجود بھی دور عیسے نہیں تھی۔ پنڈی کی ساری علامتیں موجود تھیں۔ پتلے پتلے بچھے ہوئے ہوتے، بھاری جڑے، چمکلی اور

گھوڑا دوڑتا رہا۔ بادل چلتگھاڑتے رہے اور ہوا کی شائیں شائیں بارش کے شور کے نہیں معلوم ہوتا تھا جیسے ان سے کوئی غیر نظری قل سرزد ہو رہا ہو۔ یعنی آنسو ہونے کے باوجود بھی وہ روتوں ہوئی سی نہیں معلوم ہو رہی زیادہ بھیاںکے بناتی رہی۔

سوار کو ہوش نہیں کہ گھوڑا کب شہر کی حدود میں داخل ہوا۔ بارش کا بیجان اب کہ کم تھا لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ سڑکیں سنان پڑی ہوئی تھیں تو یہی ابھی اتنی رات نہیں گئی تھی کہ سڑکیں ویران ہو جاتیں۔

"معتمد تغیری.....یہ کسی جانور کے دانتوں کے نشاتات ہیں۔" بارش اوز ہوا کے زور نے بجلی کے تاروں کو جھنجور ڈالا تھا۔ تیتجے کے طور پر شہر کے لئے "اوہو....!" عورت نے جلدی سے آنسو پوچھ ڈالے اور خود بھی جھک کر خون بھرے ہے بالکل عین تاریک ہو گئے تھے۔

گھوڑا اب جس حصے سے گزر رہا تھا وہاں زیادہ تمتوں لوگ آباد تھے، وہ ایک عمارت کی کپاؤٹ کے چھانک میں گھس پڑا۔ اب اس کی رفتارت سے ہو گئی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا اب وہ گرنی پڑے گا۔ پوری کیوں پہنچ کر وہ شاید اپنی پوری قوت سے ہٹھنا یا اور اس کے لامات سے کہاں کا آوازیں نہ لکھتی رہیں۔

اچاک تاریک برآمدے میں بہت سے قدموں کی آوازیں گوئیں لگیں۔ کمی ہار گھنٹہ روشن ہوئیں اور کسی عورت کی چیخ سنائی دی۔ "میرا پچھر۔"

سوار ابھی تک گھوڑے کی گردن ہی سے لپٹا ہوا تھا۔ چار آدمیوں نے اسے اٹارا۔ گھوڑے نے زمین پر بیٹھ کر اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔

غورت سکیاں لے رہی تھیں۔ کیونکہ اس نے یہوش نوجوان کا خون میں بیگا ہوا شکنون شہر تھی۔ ہاں بھیڑیے کے امکانات ہو سکتے ہیں، مگر اپنی طرف کے بھیڑیے اتنے

کھوٹا نہ رہتی۔ ہاں بھیڑیے کے امکانات ہو سکتے ہیں، مگر اپنی طرف کے بھیڑیے اتنے

مہذب تھے۔ انہیں گھر کے ملازموں میں سے نہیں سمجھا جاسکتا تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا وہ سب اس عورت کا احترام کرتے ہوں۔ عورت دراز قدم اور بھرے ہوئے جسم کی خوبی کیوں نہ لیتا ہے۔

"میرا.....!" ایک آدمی نے سوال کیا۔ پیتا لیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرہ اس عمر میں بھی پرکشش تھا، لیکن اس پر اذیت

"تو حضرت ہوش میں آنے کے بعد بتائیں گے۔ کسی کا کہنا مانتا تو جانتے ہی نہیں، جو

تویر اس تاریک گوشے کی طرف بڑھی۔ آوازیں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئیں، تویر نے دیوار سے لٹکا ہوا چڑھے کا ایک بڑا سا چاپک اتارا اور اسے تاریک گوشے کی طرف گھمانے لگا۔ ”شاہیں..... شاہیں..... شاہیں..... شاہیں۔“

آوازیں آفی بند ہو گئیں اور کمرے میں پھر پہلے ہی کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ ”مدونگا.....!“ تویر کی آواز کمرے میں گنجی۔ ”میرے بچے کو کسی جنگلی درندے نے زخمی ہیں۔“

”جیں! وہ اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتی ہیں۔“ ایک آدمی نے درشت لبھ میں کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے وہ سوال ناگوار گزرا ہو۔ یہ ایک عمر مگر تدرست آدمی تھا۔ وہ پھر بیہوش نوجوان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ ایک کافی قبول صورت نوجوان تھا۔ عمر بائیش سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ چہرے پر سخت مندی کے آثار تھے اور جسم گشیلا تھا جب بناوٹ یہی کہتی تھی کہ وہ ورزشوں کا عادی ہے۔

”اوہ.....!“ ایک آدمی نے کہا۔ ”ہم کیا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کوفون کرنا چاہیے۔“ اچاک قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ چوک پڑے۔ تویر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ ”نہیں اب آپ لوگ تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی دیکھ لوں گی۔ آپ اپنے کمروں میں جا سکتے ہیں۔“ اس نے کہا۔

”نہیں بتاؤں گا..... نہیں بتاؤں گا۔“ سیشیاں اور سکیاں پھر گھنیں۔ ”تو مجھے اپنے پیر نہیں چاہئے دیتی۔ میں نہیں بتاؤں گا۔“

تویر نے پھر چاپک گھمایا اور تاریک گوشے سے آواز آئی۔ ”مارڈال..... مجھے مارڈال۔“ ”تجھے بتانا پڑے گا۔“ تویر غرائی۔ ”مدونگا..... جیر چانے گا۔“

تویر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اس نے داہنے پر سے سینڈول اتار کر اسے تاریک کی طرف بڑھا دیا۔ وہ خود روشنی میں تھی اور ایک بیڑ پر کھڑی ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ بڑی کراہیت محسوں کر رہی ہو۔ اندر میں سے عجیب قسم کی غراہت بلند ہو رہی تھی اور ساتھ ہی ”چپڑ چپڑ“ کی آوازیں جیسے کتاب پانی لہارا ہوں۔

”ختم کرو۔“ تھوڑی دیر بعد تویر نے جھنجلا کر کہا اور اپنا پیر کھینچ لیا۔ پیر بھی ہوا تھا اس نے ”ایک دوبارہ سینڈول میں نہیں ڈالا اور ساری کوبی اس طرح نجتوں کے اوپر اٹھائے رہی جیسے وہ پیدا

دھن سوار ہوئی تو ہوئی۔ اس موسم میں انہیں شکار سے باز رہنے کو کہا گیا۔ پتہ نہیں رائفل پر چھوڑی، نوکروں اور خیسے کا کیا حشر ہوا۔“

”محترمہ تویر بہت پریشان ہیں۔“

”لیکن.....!“ ایک آدمی نے آہتہ سے کہا۔ ”کیا اُنکے چہرے پر پریشانی کے اہمیت ہیں۔“

”جیں! وہ اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتی ہیں۔“ ایک آدمی نے درشت لبھ میں کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے وہ سوال ناگوار گزرا ہو۔ یہ ایک عمر مگر تدرست آدمی تھا۔ وہ پھر بیہوش نوجوان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ ایک کافی قبول صورت نوجوان تھا۔ عمر بائیش سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ چہرے پر سخت مندی کے آثار تھے اور جسم گشیلا تھا جب بناوٹ یہی کہتی تھی کہ وہ ورزشوں کا عادی ہے۔

”اوہ.....!“ ایک آدمی نے کہا۔ ”ہم کیا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کوفون کرنا چاہیے۔“ اچاک قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ چوک پڑے۔ تویر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ ”نہیں اب آپ لوگ تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی دیکھ لوں گی۔ آپ اپنے کمروں میں جا سکتے ہیں۔“ اس نے کہا۔

”وہ چاروں چپ چاپ باہر نکل گئے۔ ان کے کمروں میں جانے کا یہ مطلب تھا کہ اب تویر کی اجازت حاصل کئے بغیر رات بھر کمروں سے باہر نہ نکل سکتیں گے۔ ان کے لئے عجیب و غریب عورت کی طرف سے یہی حکم تھا۔“

تویر چند لمحے اپنے بیہوش اکلوتے بیٹھی کی طرف دیکھتی رہی پھر کمرے سے نکل گئی۔ ان کے لہارے سے عجیب قسم کی غراہت بلند ہو رہی تھی اور ساتھ ہی ”چپڑ چپڑ“ کی آوازیں جیسے کتاب پانی لہارا ہوں۔

وہ متعدد کمروں سے گذرتی ہوئی ایک نیم تاریک کرے میں آئی۔ یہاں کے لہارے سے عجیب قسم کا شیڈ لگایا تھا کہ روشنی ایک محدود دائرے میں تھی۔ جیسے ہی وہ اندر دخل کر کچھ اس قسم کا شیڈ لگایا تھا کہ روشنی ایک محدود دائرے میں تھی۔ ایک تاریک گوشے سے عجیب طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ سیشیاں ..... سکاریاں اور لہارے اسی کی آدمی کے بند ہوتے ہوئے حلق سے نکل رہی ہوں۔

بندہ 17  
”اپنے زہر بیلا ہے..... میں رات بھر اس کے زخم چوسوں گا اور یہ صبح تجھے نمیک ملے گا۔

کسی بہت ہی گندی چیز میں جا پڑا تھا۔

”شامیں....! اندر میں پھر ایک بار چاہک گھملایا گیا اور توبیر غرفائی ”مددنگا..... باہر نکل“ یاں کے جلی جا۔“

”تو رات بھر یہاں اس کمرے میں نہیں رہ سکتا۔“ توبیر نے کہا۔

”اچھا تو پھر میں اسے لے جا رہا ہوں۔“

”لیکن اگر اسے ہوش آگیا تو۔“

”میرے کمرے میں اندر ہیرا ہو گا تو۔ اگر اسے ہوش آگیا تو میں اسے باہر ڈال دوں گا۔“

کچھ دیر یک خاموشی رہی پھر توبیر نے کہا۔

”اچھا..... تو یہی کر..... لیکن یاد رکھا اگر میرا پچھر گیا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“

باب میں ایک عجیب سی آواز گونخ کر رہی تھی۔ شاید یہ اس پراسرار ہستی کا قیقهہ تھا۔ توبیر

خاموش رہی۔ پھر ”چٹ چٹ“ کی آواز اس کے قریب سے گذر کر کمرے سے باہر جاتی معلوم

ہوئی۔ جب آواز آنی بند ہو گئی تو توبیر نے سوچ آن کر دیا۔

مہری خالی تھی۔ توبیر نے تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور ایک کرسی میں

اُگی۔ اس کے پھرے پر لگر لئے لئے تھر کے آثار تھے۔

”چٹ چٹ۔“ کی آواز پھر کمرے میں گوئی بخیگی اور پھر چند ہی لمحوں میں وہی پہلی کا

پڑاں شیرودی نے آج پہلے پہل اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے پہلی بار اس کی سکیاں

لگتیں۔ اپنے شناساوں میں وہ ایک پراسرار عورت سمجھی جاتی تھی۔ وہ پراسرار ہی کسی مگر وہ کوئی

”توبیر.....!“ اندر میں تھی۔ اسکی کمی فیکریاں اور میں تھیں۔ شہر کی متول ترین ہستیوں میں شمار ہوتا تھا۔

اُس کا حلقة احباب محدود تھا۔ چند گنے پنے آدمی اکثر اس کی کوئی میں دیکھے جاتے۔ یہ بھی

”اُب تھے جہنوں نے زبردستی مادام توبیر سے تعارف حاصل کیا تھا، ورنہ وہ خود کسی سے کبھی نہیں

لگتا۔“ وہ صرف اپنے ملازموں بلکہ لڑکے کے لئے بھی انتہائی پراسرار تھی۔ اس کی کوئی کا ایک

نامیں ایسا بھی تھا جہاں کوئی نہیں جانے پاتا تھا اور یہ حصہ وہی تھا جہاں کچھ دیر پہلے چاکوں کی

”نمایمیں“ کوختی رہی تھی۔ توبیر کے علاوہ اور کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہے۔ ویسے

”بچالے مددنگا۔“ توبیر گھصیا۔

”مگر میں روزانہ تیرے پیر چاؤں گا۔“

”اچھا نہ رکے پچ۔“

بھن جانے کے بعد ان سے خون پکتا رہے یعنی آدھ کچے پارچے اور وہ سارے کام ادا کر دیا۔ خود تو تیر اٹھا کر عمارت کے اس حصے میں لے جایا کرتی تھی۔

اس کے علاوہ آج تک وہاں پر نہیں پر نہیں مار سکتا۔ اکثر اس حصے کی طرزِ عجیب و غریب آوازیں لوگ سنتے اور کہم جاتے مگر کسی میں اتنی بہت نہیں تھی کہ وہ اس حصے میں لے جائے۔ تیر کا خوف اس طرح ان لوگوں پر غالب تھا۔

دوسروں پر حکومت کرنے والی تیاری کی یہ رات بڑی بے چینیوں میں گذری جا رہی تھی۔ وہ کبھی اٹھ کر ٹھیلنے لگتی..... کبھی بیٹھ جاتی۔ کبھی کھڑکی کے قریب جا کر کھڑی ہو جاتی۔ کپڑا ڈھنڈ میں پھیلے ہوئے اندر ہیرے میں اس طرح گھوڑے نے لگتی جیسے اسے کسی کی طلاق ہو۔

اچاک اس کے کتوں نے آسمان سر پر اٹھایا اور تیر بھیٹ کر ایک الماری کے قریب پہنچی۔ اسے کھول کر ایک ریو اور نکالا۔ کمرے کی روشنی گل کر دینے کے بعد وہ پھر کھڑکی قریب آگئی۔ کہتے بدستور بھوکے جا رہے تھے۔

آج یہ کوئی نی بات نہیں تھی۔ کتنے روز ہی رات کو اسی طرح اچاک بھوکنے لگتے تھے؟ اس سے پہلے کبھی تیر کو روپورنا کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔

انی ماں کی ڈلکشی پر بند نہیں کرتا۔ وہ اسے اُسی کمرے میں لائی جہاں پچھے دری قبل خود لوٹی اور اسے آرام کریں میں دھکیلتی ہوئی بولی۔ ”مجھے بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔“ دو نئے گئے تیر ایک بھی نکل جاگ رہی تھی وہ اپنے لارے کے عدنان کے لئے بہت پریشان تھا۔ ایک فکر مند ماں کی طرح بہتری اچھی اور بُری باتیں سوچ رہی تھی۔

اچاک اس نے عدنان کی چینیں نہیں، روشنی لاو..... روشنی لاو..... میں کہاں ہوں۔ نہ مل۔“

”تم مجھے بتائے بغیر نہیں سو سکو گے، مجھے تمہاری یہ خود سری بالکل بند نہیں ہے۔“ یہاں بہت اندر ہیرا ہے..... کیا میں اندر ہا ہو گیا ہوں۔“

آواز بڑی تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں تیر راہداری ملائی وہ دوڑتی ہوئی عمارت کے اُسی پر اسرار حصے کی طرف جا رہی تھی جہاں اس نے کسی پڑائی پر سائے تھے۔ تاریک راہداریاں منور ہوتی چلی گئیں۔ پھر اسے عدنان نظر آیا۔ جو ایک دیساں سے ہے۔ تیر کھڑا تاہوا چل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

”عدنان.....!“ تیر چھپنے اور عدنان نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ سیدھا کھڑا ہوئے کوشش کر رہا تھا۔ تیر نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

”دو میں گھری میں ہوں۔“ عدنان کے ہونتوں پر چھکی اسی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اپاک ایسا معلوم ہوا جیسے تیر یا لکھت بدل گئی ہو۔ اس نے پیشانی پر مل ڈال کر کہا۔

”میں تم سے بہت ناراض ہوں عدنان۔“

”نہیں! میں اُمی ڈیزیر! تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ میں واپس آگیا۔ میرا گھوڑا کہاں ہے اور معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ تیر کا خوف اس طرح ان لوگوں پر غالب تھا۔

”گھوڑا صبل میں ہو گا..... رائل کے متعلق مجھے علم نہیں۔ میں نے تمہیں اس شکار سے رائل۔“

”کیا تمہیں علم تھامی کر مجھے یہ حادثہ پیش آئے گا۔“ عدنان نے اسے گھوڑ کر پوچھا۔

”چلو..... اپنے کمرے میں چلو۔ تم کمزوری محسوں کر رہے ہو۔“

”میری بات کا جواب دو میں..... کیا تمہیں علم تھا۔“

”مش اپ.....“

عدنان خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر پائے جانے والے آثار بھی کہہ رہے تھے۔

”انی ماں کی ڈلکشی پر بند نہیں کرتا۔ وہ اسے اُسی کمرے میں لائی جہاں پچھے دری قبل خود لوٹی اور اسے آرام کریں میں دھکیلتی ہوئی بولی۔“

”مجھے یاد نہیں..... اُدھ میں..... اب میں سونا چاہتا ہوں۔ اف فوہ..... کتنی جلن ہے میرے“

”تم شاید ہوت کے منہ سے نکل کر آیا ہوں میں!“ عدنان نے خنک لمحے میں کہا۔

”بال میں جاتی ہوں..... مجھے اس کے متعلق بتاؤ۔“

”نکٹا توں گا..... اب مجھے سونے دو۔“

”آتائے بغیر نہیں سو سکتے۔ اگر مجھے تیر سری بار بھی بھی دھرا پڑا تو میں بہت بُری طرح

پیش آؤں گی۔ موت کے منہ میں جانا اور نکل آنا مردوں ہی کا کام ہے۔ اگر تم لاکی ہو،“  
پچھے پوچھے بغیر ہی تمہیں تھپک کر سلاادیتی۔“

”میں نہیں جانتا کہ ماں کی شفقت کس چیز کا نام ہے۔“ عدنان نہ اسامنہ بنا کر براہ  
”تم حقیقتاً بہت بدتریز ہوتے جا رہے ہو۔ میں تم سے کبھی نہ بولوں گی۔“ توریز  
”خدا آئیا۔ اگر تم اس طرح طنز کرو گی تو میں ابھی اور اسی وقت شکار گاہ واپس جاؤں گا۔“  
”خداوش بیٹھو۔“ توریز نے اسے گھڑک دیا۔ چند لمحے چپ رہی پھر پوچھا۔ ”اس کے کے  
”اوہ! می خا ہو گئی۔“ عدنان بے لبی سے بولا۔ ”میں جاؤ۔..... بتاتا ہوں.....  
شکار کے لئے نکل گیا تھا۔ نوکر خیسے میں تھا اور خیر ممحن سے تقریباً ڈیریز میل کے فاصلے  
ایک کتے نے پیچھے سے گھوڑے پر حملہ کیا اور گھوڑا ابدک کر بجا گا۔ میں نے مڑک دیکھا،  
جنگل کتابنیں معلوم ہوتا تھا۔ حقیقتاً کسی کا پالتو تھا۔ مگر جنگل میں۔ میرا مطلب ہے کہ  
آبادیوں میں ایسے کتے نہیں دکھائی دیتے۔ میرا گھوڑا بے تحاشہ دوڑ رہا تھا، لیکن کتے سے  
فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک بار کتے نے چلانگ لگائی اور مجھ پر آ رہا۔ شاید اس کا جملہ میرا  
ہی کے لئے تھا۔ لیکن اس کے دانت شانے ہی میں اترتے چلے گئے۔ مجھے اچھی طرح ہا  
ہے کہ میں نے اسے کس طرح جھنک دیا تھا۔ گھوڑا دوڑتا ہی رہا۔۔۔ پھر باڑش شروع ہوا  
جانے کیوں مجھ پر غشی ہی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ پھر مجھے یاد نہیں کر کیا ہوا۔۔۔ یہ بتا دیما  
زندہ ہے یا مر گیا۔“

”مجھے علم نہیں ہے۔“  
”میں نہیں جانتی، لیکن اب تم میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔۔۔ سمجھے؟“  
”کیوں..... مجھے وجہ بتاؤ۔“  
”تم نے ابھی سفید دھاریوں کے متعلق پوچھا تھا۔“  
”مجھے بتاؤ کہ وہ کس نسل کا کہا تھا۔“  
”میں نہیں جانتی، لیکن اب تم میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔۔۔ سمجھے؟“  
”کیوں..... مجھے وجہ بتاؤ۔“  
”تم واقعی بہت بدتریز ہوتے جا رہے ہو۔“  
”مگر ذیز! تم ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتی ہو۔ میں تمہاری پریشانی کی وجہ معلوم کرنا چاہتا  
ہوں۔ تم کمی دنوں سے پریشان نہیں دیکھنا چاہتے۔۔۔ کیوں؟“  
”قدرتی بات ہے مجی۔“  
”اچھا تو میں اس طرح خوش رہ سکتی ہوں کہ تم میرے کہنے پر عمل کرو۔“  
”یعنی تمہاری اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ نکالوں۔“  
”ہاں۔۔۔ میں یہی چاہتی ہوں۔“  
عدنان نے جواب میں پچھنیں کہا۔ تھوڑی دریک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”تم نے مجھے  
بال اندر میرے میں کیوں ڈال دیا تھا۔“

”علم، ہونا چاہئے۔۔۔ مگر ذہن نہیں ہے۔۔۔“  
”وہ کتنا کیسا تھا۔۔۔؟“  
”اوہ۔۔۔ وہ۔۔۔ اس کا رنگ سیاہ تھا۔۔۔ اور جسم کی بنا و اٹک کیسی تھی۔۔۔  
”نے آج تک سیاہ رنگ کا گرے ہاونڈ نہیں دیکھا۔“  
”کیا اس کے سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔“  
عدنان تھوڑی دریک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میں نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔۔۔  
ہے دھاریاں رہی ہوں۔۔۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ رہی ہوں۔“

”ڈاکٹر نے بھی کہا تھا کہ تمہیں اندر میرے میں ہوش آنا چاہئے۔“  
”اندر میرا تو میرے کمرے میں بھی ہو سکتا ہے۔“  
”تم پھر بحث کرنے لگے۔“

”ہاں تو میں تم سے کچھ پوچھا ہی نہ کروں۔“ عدنان نے شکایت آمیز لمحہ میں کہا  
”نہ پوچھا کرو۔“

”تم ابھی تک مجھے ایک نخا سا پچھے بھیتی ہو۔ یہ مجھے پسند نہیں ہے۔“  
”میری پسند تمہاری پسند ہے..... اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ اب سو جاؤ۔“ توریٹی ہوئی  
عدنان خاموش ہی رہا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور اپنا نچلا ہونٹ دائر  
دبا کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔  
تویری اس کے کمرے سے نکل کر پھر عمارت کے اُسی حصے کی طرف باریتی۔“  
”گرانی کر رہا تھا۔ اس میں ہالی وڈی ایکٹریوں کی نئی نیم عریاں تصادیر ہیں۔ کبھی کبھی وہ دور  
پر پیچ کر دو رک گئی۔

”مددگار! مددگار!“ اس نے آہتہ سے آواز دی۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ لالا  
بار آواز دینے کے بعد وہ پھر رہائشی حصوں کی طرف پلٹ پلت آئی۔

اب پھر بوندا باندی شروع ہو گئی تھی اور آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تبو  
برآمدے میں نکل آئی۔ کپاڈ ٹسنسن چڑا تھا۔ درختوں سے بوندوں کے گرنے کی آواز  
ہو رہی تھیں اور ہوا سائیں سائیں کرتی ہوئی گزر رہی تھی۔

تویری نے برآمدے کے بلب نہیں روشن کئے۔ وہ ڈنوتی ہوئی آگے بڑھی اور ایک  
کری میں لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ صبح چوکیدار کی نری طرح خر لے گی کیونکہ ان میں  
شاید ایک بھی نہیں جاگ رہا تھا۔

ریو اور تویری کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ آج سے پہلے بھی وہ اس طرح برآمدے میں آ کر  
بیٹھی تھی۔ نینڈا اس کی آنکھوں سے کسوں دور تھی اور ذہن مختلف قسم کے خیالات میں زندگی  
البھا ہوا تھا مگر وہ خائف نہیں تھی۔  
وہ بڑی پراسرار عورت تھی۔ اس کا لڑکا عدنان بھی اس کے کسی راز سے واقع نہیں۔

”بیٹا چاکر کہ اُس کی ماں کون ہے؟ کیا ہے؟ وہ اپنے باپ کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔  
وہ یہ کہ اپنے باپ کا نام لکھ نہیں معلوم تھا۔“

## ہم شکل مردہ

کرل فریدی آفس میں اپنی میز پر اخبار پھیلائے بیٹھا تھا۔ حمید اور ریش اپنی میزوں پر  
خے ریش کاغذات میں الجھا ہوا تھا اور حمید..... وہ تو اب محض فریدی کو چڑھانے کے لئے  
”نوجوں پہن اپ“ کے پرچے آفس میں بھی لانے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ پرچے کی ورق  
گرانی کر رہا تھا۔ اس میں ہالی وڈی ایکٹریوں کی نئی نیم عریاں تصادیر ہیں۔ کبھی کبھی وہ دور  
نیے ریش کو بھی کوئی پوز دکھانے لگتا۔ فریدی اخبار میں بخوبی۔

اچانک لیڈی ایکٹریو کھا کرے میں گھس آئی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور سانس پھولی ہوئی  
گئی۔ وہ آتے ہی اخبار پر جھک پڑی۔

فریدی نے اسے بخوبی نظروں سے دیکھا۔ اسے ریکھا سے ایسی بے تکلفی کی موقع نہیں تھی۔  
آن دہاجات لے کر بھی کرے میں داخل نہیں ہوئی تھی۔“

”کیبات ہے۔“

”اوہ..... میں معافی چاہتی ہوں۔“ ریکھا شپٹا گئی۔ ”لیکن بات ایسی ہی ہے۔“  
”کیبات ہے..... بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمد نے بیز کی دراز سے دو تین پرچے اور نکال لئے۔ آج کل ریکھا سے اس کی بول  
چال نہیں تھی اور جھگڑے کی وجہ قاسم تھا۔ قاسم آج کل زیادہ تمہیدی کے ساتھ رہتا اور ریکھا پر  
خالی طور سے اس کی نظر ثابت تھی بلکہ وہ حمید کے ساتھ اپنا زیادہ ت وقت اسی لئے گزارتا تھا کہ  
ٹیکر کا دیداری نصیب ہو جائے مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔

اُس جھگڑے سے پہلے وہ تینوں کبھی کبھی کیفی یا ہوٹل میں مل بیٹھا کرتے تھے۔ ریکھا قاسم

کی حماقتوں سے کافی محفوظ ہوتی، لیکن ایک دن جب حمید اور ریکھا آرچو میں بیٹھے گئیں مار تھے۔ قاسم آگیا اور اچاک ریکھا کی نظر قاسم کی کوٹ کی جیبوں پر پڑی، جو رہ کر پہنچ گئی ہوئی سی معلوم ہونے لگتی تھیں۔ ریکھا کے استفار پر قاسم نے بتایا کہ وہ خرگوش کے پر پھر رہا ہے کیونکہ ریکھا کو خرگوش بہت پسند ہیں۔ شاد ریکھانے پہلے بھی کسی موقعہ پر کہا ز آسے خرگوش بہت پسند ہیں۔ اگر امکان میں ہو تو وہ سارا دن خرگوشوں سے کھلیتی رہے۔ قاسم نے اسے بتایا کہ اسے بھی خرگوشوں سے اتنی ہی محبت ہے۔ اس سلسلے میں اس شاید بوكھلا ہست میں یہ بھی کہہ دیا کہ اسے ریکھا سے بھی اتنی ہی محبت ہے، ریکھا اس پر اک گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی گھنگھی بندھ گئی اور حمید اس کی صفائی پیش کرنے لگا۔ پھر بات اسی کے دونوں میں براہی ہو گئی۔ اسی دن سے دونوں میں بول چال بندھی۔

”ہاں.....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا اس اخبار میں کچھ ہے؟“ ”جی ہاں..... میں اس تصویر کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“ ریکھا نے اخبار کا تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ..... یہ ..... ہاں..... کیوں؟ یہ سعید بابر کی تصویر ہے، جو ابھی حال ہی میں افریقہ سے یہاں آیا ہے۔“

حمد نے بہت زور سے اپنے گال پر چھپڑ مارا اور پھر ریکھا کو غصیل انداز میں گونس کہ لگا۔ فریدی اسے سکھیوں سے دیکھ کر پھر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔

”اگر میں یہ کہوں کہ میں نے کچھ دن پہلے اس آدمی کی لاش دیکھی تھی تو....!“ ریکھا پورا نہ کر پائی کیونکہ حمید ریکھ کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”اس اطلاع پر میاں بھی منڈوا سکتا ہوں۔“

”فی الحال تم باہر چلے جاؤ۔“ فریدی غرایا۔

”بہت بہتر جتاب۔“ حمید پن اپ کے پر پنے سنجھاتا ہوا اٹھنے لگا۔ وہ فرش پر جمید اسیں اٹھانے کیلئے جھکا۔ کنی پرچے کھل گئے تھے جن میں بڑی بڑی شیم عربیں تھیں۔

”گٹ آؤٹ۔“ فریدی جھاگیا اور حمید پر چوں کو وہیں فرش پر چھوڑ کر باہر لگا۔

”ہیش.....!“ فریدی نے کہا۔ ”انہیں سمیت کر باہر پھینک دو۔“

ریکھ اٹھ کر پرچے سمتیں لگا اور فریدی نے ریکھا سے کہا۔ ”ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔“ ریکھا، جو ریکھ کو پرچے سمتیں دیکھ رہی تھی چوک پڑی۔ ”جی ہاں! آپ یقین سمجھے میں ریکھا آرچ کیا۔“

”کب دیکھی تھی..... اور پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ اسی کی لاش رہی ہوگی۔“

”اگر وہ محض مشاہد تھی تو مجھے حرمت سے بھی زیادہ کچھ اور ہونا چاہئے۔“

”ہاں..... آس..... اکثر ایسی مشاہدیں بھی ہوتی ہیں۔ خود میرے تجربے میں ایسے واقعات ہیں۔ میرے کئی کیوں میں ایسی شکلیں سامنے آچکی تھیں۔“

”مگر جناب! وہ مشاہدہ ہیں کہی۔ میں نہ جانے کیا محسوس کر رہی ہوں۔“

”اس زائن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت تم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہم اسے چھٹی حس کرتے ہیں۔ خرتم کیا محسوس کر رہی ہو۔“

”ویکھے بتاتی ہوں۔“ ریکھا نے کہا پھر ریکھ کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”تم نے بھی اس مقولوں کی میرکور کے علاقے میں کہیں کہیں ضرور دیکھا ہوگا، جو بڑی عجیب قسم کی دعا کیں دیا کرتا تھا۔“

”جی ہاں..... میں نے دیکھا ہے۔“ ریکھ نے جواب دیا۔

”ذرا یہ تصویر دیکھنا۔“

”ریکھ کر میز کے قریب آ گیا۔ کچھ دیر تک سر جھکائے تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر

بولا۔ بڑی مشاہدہ ہے بلکہ بعض حالات میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں میں سر موافق نہیں۔“

”مگر یہ فقری تھیں یاد کیسے رہ گیا۔ دن بھر سینکڑوں فقری تہاری ناظروں سے گذرتے ہوں گے۔“

”جناب! وہ فقری ہی عجیب ہے۔“ ریکھ نے کہا۔

”ہے نہیں بنکھا۔ کیونکہ میں اس کی لاش دیکھ چکی ہوں۔“

”کب..... کیا وہ مر گیا۔“ ریکھ نے پوچھا۔

”غالباً پچھلے ہفتے کی بات ہے۔ پھر میں نے اس آدمی کو۔“ ریکھا نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ ”کل شام ایک کار سے اترتے دیکھا۔ اگر میں اس فقری کی لاش نہ دیکھ چکی ہوتی تو.....“

فریدی نے ریش کی طرف دیکھا اور ریش نے اثبات میں سرہلا دیا۔ ریکھا کھڑکی کے  
لکھنے لگی تھی۔

”اگر کیا یہ کوئی کیس بن رہا ہے۔“ حمید نے پُر اسامنہ بنا کر پوچھا۔

”شاید بن ہی جائے۔“ فریدی نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوے..... پن اپ کے پر پچے کیا ہوئے۔“ حمید نے ریش سے پوچھا۔

”باہر پھیک دیئے۔“

”کیا.....؟“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔

”کرٹ صاحب نے کہا تھا۔“

”تم یہاں آفس میں اس قسم کی لغویات مت لایا کرو۔“ فریدی نے سخت لمحے میں کہا۔

”ایک کیس کے سلسلے میں لایا تھا جتاب۔“ حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور ریکھا مگر کرا

پی۔ لیکن اس نے من بھی پھیر لیا کہ کہیں حمید کی نظر اس کی مکراہست پر نہ پڑ جائے۔

”ہاں تو فقیر کی لاش بھی تم نے دیکھی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”می..... جی ہاں..... غالباً وہ سردی سے اکٹھا کمر گیا تھا۔ اسکی دونوں ٹانگیں پیکار تھیں۔“

”اچھا..... اور کیا بتا سکتی ہو اس کے متعلق۔“

”اور کیا! اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس کی لاش سات جنوری کی شام کو  
کھی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”اچھا تو بس.....!“ فریدی نے سگار کیس سے گار کال کر اس کا گوشہ توڑتے ہوئے  
کہا۔ یہ ایک حرمت انگیز و اتعہ ضروری ہے، مگر ایسا بھی نہیں ہوتا ہے کہ ہمارا ہمکہ اس میں دلچسپی  
یعنی پوری بھروسہ کرنے کا خواہ ہے۔“

”مگر یہ سعید بابر افرینتہ سے آیا۔“ ریکھا نے کہا۔

”تو کیا ہم پر احتمان لٹا ہے؟“ حمید گردن جھٹک کر بولا۔ ”آیا ہوگا۔“

”میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔“

”میں بھی سن رہا ہوں..... سہرا نہیں ہوں۔“

آپ خود سوچنے۔“

”ہم ..... مجھے بتاؤ کہ وہ فقیر عجیب کیوں تھا۔“

ریکھا اور ریش ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ پھر ریش نے کہا۔ ”حمید بوللے

بھی اس فقیر کو دیکھا ہوگا۔ وہ بہت اچھی طرح بتا سکیں گے۔“

”حمدیڈ کو بلاو۔“

سارجنٹ ریش باہر چلا گیا اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے،

جب وہ کراہ اس معاملے میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ریکھا نے جتنے جوش و خروش کے ساتھ تذکرہ،

تھا اس کی مناسبت سے وہ توجہ بھی دے رہا تھا۔ اگر وہ اسے کوئی اہمیت نہ دیتا تو ریکھا کو خواہ

شرمندگی ہوتی۔ وہ حمید کی آمد کا منتظر ہے۔

حمدیڈ ریش کے ساتھ واپس آیا۔ شاید اس نے فریدی کی جھڑکیوں کا بڑا نہیں مانا تھا کیونکہ

اس وقت بھی بڑے اچھے مودہ میں نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ ریکھا سے بول چال بندھی اس نے اسے

ہی ریکھا سے کہا۔

”خواہ مخواہ..... بات کا ٹیکلگڑ بانے سے کیا فائدہ۔ میں نے بھی اخبار میں سعید بابر کا

دیکھی تھی اور خاموش رہ گیا تھا۔“

”یہاں مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ وہ فقیر اتنی شدت سے لوگوں کے ذہنوں پر کیوں۔“

”خواہ مخواہ.....“ فریدی نے کہا۔

”کیا ان لوگوں نے نہیں بتایا۔“ حمید بولا۔

”ان کا خیال ہے کہ تم ان سے بہتر طریقے پر بتا سکو گے۔“

”ہا.....!“ حمید سر کھجا کر بولا۔ ”وہ کچھ اس انداز میں بھیک مانگتا تھا کہ لوگ کھڑے،“

شادیاں کرنے پر چل جاتے تھے۔ آپ سنتے تو اسے گولی ہی مار دیتے۔“

”کیا بکواس ہے۔“

”می ہاں..... اس کی صدا ہوتی تھی دے جابا۔ خدا تیری محبوبہ کو سلامات،“

ہمدرد سمع کہے۔ وہ کبھی بوڑھی نہ ہوئی۔ پچھے نہ جتنے..... وغیرہ وغیرہ۔“

نیز ہی بھی مگر اس کا موڈٹھیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ آج بھی وہی نئی منی کی گزیا لگ رہی تھی۔ ابی خوبصورت عورت حید کی نظر سے کم گذری تھیں۔ مگر بچارہ قاسم کیا کرتا۔ اس کا تو پہلا جو گیری والا معاملہ تھا۔ وہ تو کوئی اپنی ہی جسی گرائیل لڑکی چاہتا تھا۔

حید کا راستے اُتر کر سیدھا پورنیکو کی طرف چلا گیا۔ قاسم ہمتوڑا بر سانے والے نوکروں پر بگردی کا راستے اُتر کر سیدھا پورنیکو کی طرف چلا گیا۔

”اور زور سے..... ابے سالو! کیا کھانے کو نہیں ملتا۔“

”ایک سر پر بھی جادو..... دیکھا جائے گا۔“ حید نے کہا۔

”ارے خدا تمہیں غارت کرے تم آگئے۔“ قاسم نہ جانے کیوں یوکھلا گیا۔

”ہاں میں آگئیا ہوں اور اس پتھر پر کھڑا ہو کر ایک تقریر کروں گا۔“

”ہاں میں..... آؤ چھا۔۔۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کمزور ہوں۔“ قاسم

نے کہا اور پھر نوکروں کو مخاطب کر کے دہڑا۔ ”ہست جاؤ بے۔“

نکر ہٹ گئے اور حید پتھر پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی مشکل سے اُتے کامیابی

لئی۔ قاسم کی سالیاں بے تھا شہنسہدی تھیں اور بیوی!..... وہ بیچاری تو حید کی صورت دیکھتے ہی

بیان سے کمک گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب قاسم کی خیر نہیں۔ آخر کو بیوی ہی تھی۔ ویسے ہی وہ

اُن کی مماتوں کی بناء پر دوسروں کے سامنے شرمدہ ہی رہتی تھی۔ اب حید صاحب بھی تشریف

لے تھے، جو کچھ نہ ہو جاتا کم تھا۔

حید پتھر پر چڑھنے کو چڑھ تو گیا مگر ڈر رہا تھا کہ کہیں یک بیک قاسم کی ذہنی رو بہک نہ

جائے۔ اسکی صورت میں اُسے شہادت ہی نصیب ہوتی پہلے اسکا ارادہ تھا کہ قاسم کا بجیہہ ادھیرے

ٹھاکر یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔ پتہ نہیں کہ قاسم جلا کر پتھر سمیت اُسے زمیں پر پڑھ دے۔

حید نے بھک کر تینوں کو سلام کیا اور چپ چاپ اتر گیا۔

”آمال..... وہ تقریر یہ!“ قاسم نے کہا۔

”تقریر دہاں سے کروں گا۔“ حید نے لڑکوں کی طرف اشارہ کیا۔

”بلو بے! توڑو پتھر!“ قاسم نے نوکروں کو لکا را۔ ”جب تک پتھرنہیں نوٹے گا چھٹی نہیں

فریدی کری کی پشت سے بیک لگا کر اخبار پڑھنے لگا تھا۔ ریکھا اٹھ کر چلی گئی اور جو کی چال کی نقل اتارنے کے سلسلے میں لپکنے لگا۔ اس دوران میں میش بھی شاید کسی کام سے پلا گیا تھا۔

”تم سے میں عاجز آ گیا ہوں۔“ فریدی نے اخبار کھٹتے ہوئے کہا۔

”عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یقیناً آپ مقبول بندے معلوم ہوتے ہیں۔“

”کیوں! آج کہیں سے بھیک مل رہی ہے۔ بہت چیک رہے ہو۔“

”جلد روزی بہانہ موت۔ آج کل قاسم کی دو تین خالہ زاد سالیاں مجھ پر بہت ہماراں اور میں اب اس کا قائل ہو گیا ہوں، خواہ بیوی نہ ہو، لیکن ایک آدھ سالی ضرور ہونی چاہئے۔ نفیگی ہے اس لفظ میں ”سالی“..... سالی..... سالی.....!“

حید اس طرح سالی سالی کی ہاٹک لگانے لگا جیسے اپنی پالتو تکتا کو آواز دے رہا ہو۔

فریدی نے نہایت اطمینان سے اٹھ کر اس کے دونوں کان پکڑے اور اُسے دروازے طرف گھا کر کمر پر ایک لات رسید کر دی۔ حید سنناں برآمدے میں دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اُسی رفتار سے اُن کی طرف گھوم گیا اور اب وہ بڑے اطمینان سے نہلتا ہوا اُدھر جا رہا تھا۔ فریدی کی کار کھڑی کی جاتی تھی۔ اُسے علم تھا کہ فریدی ڈیڑھ بجے کے بعد باہر جائے گا لیکن کے باوجود بھی وہ اُس کی کار لے اڑا۔ آخراں لات کا بدل بھی تو ہونا چاہئے تھا۔

اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی جہاں آج کل قاسم کی بیوی کی تین عدد خالہ اور اماں بینیں مقیم تھیں۔ یہ تینوں ہی بڑی زندہ دل اور خوش مزاج تھیں۔ ویسے قاسم جیسے شخص کی ان صفات کو اور زیادہ چکا دیا تھا۔

وہاں ہر وقت ہی کوئی نہ کوئی تفریخ ہوتی رہتی تھی۔ مگر اس وقت کی تفریخ قطعی غلطان تھی۔ اُس نے قاسم کو پورچ میں چنت پڑا دیکھا جس کے پیٹ پر ایک بہت بڑا پتھر کھا ہوا پتھر کیا جان کا لکڑا کہنا چاہئے جس کا وزن کم از کم پچاس من ضرور رہا ہو گا اور اس پتھر پر قاسم دونوں کر بڑے بڑے ہمتوڑے بر سار ہے تھے۔

قاسم کی سالیاں اوپر برآمدے میں حیرت سے منہ کھو لے کھڑی تھیں۔ ان کے زیر

ملے گی۔”  
تو کر پہلے ہی سے پیسہ پینہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے بڑے ملتحا نہ انداز میں لٹکا۔ زمانے کی بجائے ہنس رہی تھی۔ قاسم کی کھوپڑی یا کنٹت الٹ گئی اور حید کو بھی دھیان نہیں رہا کہ طرف دیکھا اور ایک لڑکی نے کہا۔ ”اب اسے ختم کیجھے... کوئی دوسرا کرتب۔“

”کیا کیا تھا، کیونکہ یہ سب کچھ واروی میں ہوا تھا۔“  
”آدمیوں پر چھپ کر ہو جاؤ۔“ قاسم نے کہا۔  
”آدمیوں پر کھڑی ہو جاؤ۔“ قاسم نے کہا۔

اپاک قاسم نے حید کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”آؤ..... میرے ساتھ۔“ گرفت اتنی سخت تھی کہ حید ”ہاں..... یہ بڑی معقول بات ہے۔“ حید سر ہلا کر بولا۔ ”بلکہ کہو تو اپنی بیوی کو بھی کافی ٹوٹی ہوئی سی محسوس ہونے لگی۔“ مگر وہ چپ چاپ اسکے ساتھ چلتا رہا۔ ہاتھا پائی میں اپنی ہی عزتی تھی۔ قاسم اسے لڑکوں کے سامنے ہی اٹھا کر ٹھنڈھ دیتا۔ وہ اسے عمارت کے عقبی بالوں۔“

”بالو۔“ قاسم نے جھوک میں کہا۔ پھر فروہی سنبھل کر بولا۔ ”کون..... بیوی۔“ یہ کی طرف لے گیا اور گریبان پکڑ کر جھوڑتا ہوا بولا۔ ”تم نے سلیمہ کو آنکھ کیوں ماری تھی۔“  
”کہاں ہے تمہاری بیوی۔“

”اب حید کو یاد آیا اور اُس کے چیزوں تلے سے زمین نکل گئی۔ آسان سر پر گرتا محسوس ہے لگ۔ جس وقت قاسم غصے میں ہوا سے کوئی بات سمجھایا آسان کام نہیں تھا۔ بہر حال حید ”کیا.....!“ قاسم حلچ پھاڑ کر دھاڑا۔ پھر کروٹ لے کر پتھر کو ایک طرف دھکیل دیا اور نے ہاتھ پاؤں مارے۔ ”ارے! یار تم بالکل ہی بھولے ہو..... کیا وہ مرد امان گئی تھی۔“

”ماں یادہ مانے..... لیکن تم نے کمینہ پن کیوں کیا۔“  
”میں نے کہا تمہاری بیوی کو بھی بالوں۔“ حید نے پیچھے بٹتے ہوئے کہا۔

”تائیں..... تم نے اپنی بیوی کہا تھا۔“  
”تمہارے سنتے میں فرق آیا ہے یارے۔“  
”تم خود ہو گے پیارے۔ میں گردن توڑوں گا تمہاری۔“

”اب ریکھا سیدھی ہو گئی ہے۔“ حید نے آہستہ سے کہا ”تمہیں پوچھ رہی تھی۔“  
”غبیں! الا قسم۔“ قاسم کے ہنٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

”ہاں..... بیس خاموش رہو۔“ حید نے جواب دیا۔ اگلی سرگوشیاں لڑکوں تک نہیں پہنچیں۔  
پھر دونوں ہنسنے لگے۔

”ہاں.....!“ ایک لڑکی بولی۔ ”ابھی تو آپ حید صاحب کو مارنے دوڑے تھے۔“  
”ارے وہ..... وہ تو میں مذاخ کر رہا تھا۔“ قاسم نے جواب دیا۔

”قاسم کے مذاق بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔“ حید نے اُن میں سے ایک لڑکی کو آنکھ کر کر کہا۔ ظاہر ہے کہ اُس آنکھ مارنے کا مقصد اپنی بات میں زور پیدا کرنا ہوتا تھا۔ وہ تینوں

لڑکوں کو باپ کی جورو کہہ کر دیکھ لوكیا حشر ہوتا ہے تمہارا۔ حالانکہ باپ کی جورو ہی ماں ہوتی ہے۔“

”اچھا میں سمجھ گیا..... آگے کہو۔“

”کیا کہوں ..... تمہیں دنیا کا کچھ تجربہ ہی نہیں ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے ..... کیا ہے اور کام کلو ہے۔“

مطلوب نہیں سمجھتے۔“

”ارے تم تو بڑے قابل ہو۔ پھر بتاؤنا ....!“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

”آنکھ مارنے کے انداز میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک آنکھ اس طرح ماری جائی ہے میں چھوٹتا۔ بھلا یہاں بھی سعید بابر کے تذکرہ کی کیا ضرورت تھی۔“

لوگ براہم جاتے ہیں، لیکن اگر تم اپنا ایک گال پھلا کر آنکھ مارو تو کوئی بھی بُرانیں مانے گا۔ ”اچھا..... اچھا..... وہی جس کا تذکرہ کل کیا تھا۔“ قاسم نے مسکرا کر کہا۔ ”بڑا عجیب نام سمجھ میں ..... تم اس طرح کسی کو آنکھ مار کر دیکھنا۔“

سعید بابر بالکل شیرین معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ گھبری کا پچھہ نکلا تو میں اس کی گردن مردوڑ قاسم کا ایک گال غیر ارادی طور پر چھوٹا چلا گیا۔ لیکن پھر آنکھ مارنے کی گنجائس ہی نہیں بلگا۔ ہاں یہ سالے نام بھی بڑا دھوکا دیتے ہیں ..... نام پہاڑ خان اور خود گھبر کی اولاد۔“

”قاسم یا ر..... تم تو فلسفی ہوتے جا رہے ہو۔“ حمید نے حرمت سے کہا۔

”اور کیا..... ہاں نہیں تو سالے۔“

”اچھا ادھر دیکھو.....!“ حمید نے اپنا ایک گال پھلا کر اسے آنکھ ماری۔

”تم سے تو بن جاتا ہے۔“ قاسم نے بے بُسی سے کہا۔ ”مگر اپنا یہ سالا گال ہی ایسا ہے۔“

پھول کر آنکھ پر چڑھ جاتا ہے۔ اچھا اگر دوسرا آنکھ ماری جائے تو ....!“

”کوئی حرخ نہیں ہے۔“ حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

”قاسم نے پھر ایک طرف کا گال پھلا دیا اور دوسرا طرف کی آنکھ مارنے کی کوشش کی۔ ماریں گے۔“

”میں اسے افریقہ ہی سے جانتی ہوں۔ تیروں میں میرے چچا کا بُنس ہے۔ میں بھی انہیں سالا رہ پچکی ہوں ..... او، ہو ..... آپ بھی چلنے ..... بڑا لطف رہے گا۔ آپ یقیناً اسے وہ آنکھ صرف بند ہوئی۔ ظاہر ہے کہ ایک آنکھ تو پہلے ہی بند ہتھی۔“

”کیوں! بنا کر نہیں۔“ قاسم نے حمید سے پوچھا۔

”بننے لگے گا۔ تھوڑی مشت کی ضرورت ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

قاسم نے حمید کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہیں دھوپ میں کھڑے کھڑے مشت شروع کر تھی۔ اب وہ بھی بھول گیا تھا کہ حمید کو یہاں لایا کیوں تھا۔

”ابے نہیں بنا حمید بھائی۔“ قاسم نے پھر بڑی بے بُسی سے کہا۔ اتنے میں ”بُن لو کیاں وہاں آنکھیں۔“

”ارے بھائی صاحب۔“ ایک نے قاسم سے کہا۔ ”کیا سعید بابر کے یہاں نہیں چنا؟“

”بلیں پہل رہے ہیں۔“ اس نے کہا اور لڑکیاں واپس جانے کے لئے مڑیں اور قاسم

سائے کی الاش

”ان کا بھی دماغ خراب ہے شاید..... آپ چلے..... میں بھی چل رہی ہوں۔“ سلیمان سکھا کر اندر بٹھ گئی۔

جید نے کار اسٹارٹ کر دی اور قاسم۔ ”ہائیں ہائیں۔“ کرتا ہوا دوڑا لکن کار پھانک سے نزدیکی تھی۔ قاسم پلٹ کر اپنے گیراج کی طرف لا رکھنے لگا۔

دوسرے پر فائز

تیور بھی تہباہر نہیں نکلتی تھی۔ اس کے ساتھ ہمیشہ دو باڑی گارڈ ہوتے تھے اور دونوں اپے پاس بھرے ہوئے ریوالور رکھتے تھے اور اب پچھے دونوں سے وہ عدمناں کو بھی تہباہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ دو باڑی گارڈ اس کے ساتھ بھی رہا کرتے تھے۔

یہ چاروں آدمی بظاہر سیدھے سادنے اور بے ضر تھے، لیکن ان کی حقیقت صرف تغیر کو معلوم تھی۔ یہ چاروں اول درجے کے بدمعاش، سازشی اور قاتل تھے۔ دیسے یہ تغیر سے بہت ذرتے تھے۔ اور کوئی اشارے راس طرح آگے گردھتے تھے جیسے پالتو کتے ہوں۔

اس وقت وہ تسویرِ محل کے ایک کمرے میں بیٹھے شاہزاد تسویر ہی کے منتظر تھے۔ وہ بالکل خاموش تھا اور فکر منظراً آرے تھے۔

تمہاری دیر بعد تعمیر کرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا۔ اُسے دیکھتے ہوئے کہ وہ رہنگے تھے، زیر کم جنپڑ سے میٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ مودب بیٹھ گئے۔

”تم لوگوں کو شکایت تھی کہ میں تم سے کبھی کام نہیں لیتی۔“ تویر ایک کری کھنچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ”مگر اب کام کا وقت آگاہے۔“

وہ بڑی توجہ سے اس کی گفتگوں رہے تھے۔ تویر نے اخبار میز پر پھیلا دیا اور اخبار میں پہنچا ہوئی ایک تصویری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اس آدمی کو جہاں دیکھو گولی مار دو۔“

بڑا نے لگا۔

”یار حمید بھائی..... بڑی بوریت رہے گی۔ کل میں نے یوں ہی وعدہ کر لیا تھا کہ  
اُک سالے کا تم نیکوں کی مل باندھے جائے ہیں۔“

”چلو دیکھتے ہیں..... ڈھر آگیا تو مرغا۔“

“کیوں.....؟”

”تم اج کل یہاں روزانہ آ رہے ہو..... میں خوب سمجھتا ہوں۔ نیلیں تم اپنے گھر جاؤ۔“  
”کہا سمجھتے ہو۔“

”تم الانتهاء من آلة تجهيز“

”احماد تو پھر.....!

”احھا تو پھر..... کہ حب حاب طے حاو۔“

”اچھا..... تو پھر میرا نام حمید ہے سمجھے! تمہارے گلے میں رہی ہو گی اور میں سارے ڈنگنگ کیا جھانا پھر دو رگا، احتمالیں چل دیا۔“ حمید اتنی کارکی طرف بڑھا۔

اچاک سلیم نے برآمدے سے آواز دی۔ ”کیا آپ جا رہے ہیں۔ آپ نے  
حلنے کو کہا تھا۔“

”انہیں جانے دو۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”ان کے..... ان کے پیٹ میں درد ہو رہا۔ حمد کار میں بیٹھے حکا تھا، لیکن اسٹارٹ بھی نہیں کر سایا تھا کہ سلیئر اس کے قرب پہنچا گا۔

”کتابات سے“ اک نیو جہا

يَوْمَ الْقِيَامَةِ

۶

یوں.....  
”اُس کا خیال ہے کہ میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں آتا ہوں۔“ حمید گلوگیر آزاد ملما

”کیا تمہیں بتانا پڑے گا۔“

”بہتر یہ ہو گا کہ آپ ہمیں شوٹ کر دیں ورنہ مادام کا غصہ ہمارے لئے موت سے بھی زندہ بھایک ہو گا۔“

”میری کوئی وقت نہیں ہے..... کیوں؟“ عدنان نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”نہیں جتاب..... ہم آپ کے لئے بھی جان دینے کو حاضر ہیں۔“

”عدنان چکھ دیر یک خاموش رہا پھر بولا۔“ اچھا میرے لئے بھی ایک کام کرو۔“

”فرمائیے..... جتاب۔“

”مجھے وہ کتا چاہئے جس نے شکارگاہ میں مجھ پر حملہ کیا تھا۔“

”کتا.....!“ چاروں نے حیرت سے دہرا�ا۔

”ہاں..... وہ کتنا ہی تھا۔ سیاہ رنگ کا اونچا سا کتا..... جنم کے ساخت گرے ہاؤٹ کی سی بھی

ارٹانکر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔“

”ہم اسے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے جتاب۔ مگر کیا وہ بہت خطرناک ہے۔“

”شاید خطرناک ہی ہے۔“

”آپ اس کی لاش چاہتے ہیں۔“

”نہیں زندہ..... لاش کیا کروں گا۔“

”ہم انہیلی کوشش کریں گے۔“

عدنان بھی اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد کافی دیر یک خاموشی روی پھر ایک نئے آہستہ سے کہا۔

”دوفوں ہی عجیب ہیں..... ہم کتنے دنوں سے یہاں ہیں، لیکن ہمیں آج یک مادام کے تختہ کوئی نہیں معلوم ہوا کے۔“

”مگر اس آدمی سعید بابر کو ہم کپاٹاں تلاش کرتے پھر میں گے۔ بڑا ٹیڑا حاکام ہے۔“

”کچھ بھی ہو..... ہمیں یہ کام کرنا ہی پڑے گا۔“ اس عمر آدمی نے کہا جو کم بولتا تھا اور بقیہ قبولیں اس کا انتظام بھی کرتے تھے۔

وہ باری باری سے اس تصور کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک نے پوچھا۔ ”یہ رہتا کہاں ہے۔“

”تلش کرو۔“ تصور نے کہا۔ ”خبر میں اس کا پتہ نہیں ہے۔“

”ہم جلد سے جلد اسے نہانے کی کوشش کریں گے۔“

”بس اتنا ہی کہنا تھا۔“ تصور اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی اٹھے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ باہر نہیں چل گئی۔

پھر وہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا۔

”محترم تصور بڑے دل گردے کی عورت ہیں۔ انہوں نے اس طرح اس قتل کا حکم صادر فرمایا ہے جیسے ہمیں سعید بابر کے سر میں تیل مالش کرنی ہے۔“

”کیا اس کے متعلق اخبار میں کوئی خبر بھی ہے۔“ دوسرے نے پوچھا۔

”ہاں ہے تو۔“ پہلے نے اخبار پر نظر جاتے ہوئے کہا۔ ”یہ نیروں سے آیا ہے، وہاں کوئی بہت بڑا آدمی ہے۔ اس میں یہ تحریر ہے کہ وہ اپنے اعزہ سے ملنے کے لئے یہاں آیا ہے۔“

”اور مادام تصور چاہتی ہیں کہ ہم اسے گولی ماروں۔“ تیسرا بولا۔

”ہمیں اس سے غرض نہ ہوئی چاہئے۔“ چوتھے ناخن ٹھوکار لجھ میں کہا۔ ”حکم... حکم ہے۔“

”ہم کب کہہ رہے ہیں کہ حکم نہ مانیں گے۔“

اپنے ایک عدنان کرے میں داخل ہوا اور وہ پھر کھڑے ہو گئے۔ عدنان نے مسکراتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”آج کل تم لوگ بیکار ہو۔“ عدنان بیٹھتا ہوا بولا۔

”نہیں! ہم مادام کا ضروری کام کر رہے ہیں۔“

”کون سا کام۔“

”اوہ..... جتاب آپ کے زخم کا کیا حال ہے۔“ ایک نے دھنٹا پوچھا۔

”تم بڑے گدھے ہو..... جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں، اس کا جواب وو۔“

”جتاب عالی..... آپ خود خیال فرمائیں..... ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔“

”وہ تو ہے..... لیکن اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکتے تو۔“

”بس یونہی خیال ہے..... ناکامی کی صورت میں ہمارا کیا حصہ ہو گا۔“

”ناکامی کی بات عین نہ سچو۔ میں اسے شارعِ عام پر گولی مار سکتا ہوں۔“ معمر آدمی نے کہا۔

”سوق سمجھ کر دعویٰ کرو۔ آج کل یہ سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جب سے ملا

لباس والوں کا چارچ رکھنے والوں کا چارچ کر دیں۔“ سلیمان نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”لے



حید کی کار فرائی بھر رہی تھی اور سلیمان پہلے پہلے تھا اس کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ ان تینوں میں یہی تھی بھی سب سے زیادہ زندہ دل۔ ایسی کھنڈی اس کی ہم نشانی میں بوریت نہیں محسوس کر سکتا تھا۔

”آخراً اپنے دنوں کے تعلقات کیے ہیں۔“ سلیمان نے پوچھا۔

”بہت عین دلچسپ۔“ حید بولا۔ ”وہ خود عین تعلقات قائم کرتا ہے، اور بگاڑ بیٹھتا ہے۔“

”مگر بیکم صاحب تو کہتی ہیں کہ آپ عین نے انہیں بگاڑ رکھا ہے۔“

”غلط کہتی ہیں۔ میں نے اُسے بگاڑ انہیں بلکہ ہاتھی بنا لیا ہے۔“

سلیمان پہلے تو بھی پھر آہستہ سے مغموم لمحے میں بولی۔ ”دنوں کی زندگی بر باد ہو گئی ہے میں تو لعنت بھیجتی ہوں ایسی شادی پر۔“

”مگر مجھے بے جوڑ شادیاں بہت پسند ہیں۔ اگر یوں یا شوہر پسند کامل جائے تو زندگی محدود ہو جاتی ہے۔ آدمی مطمئن ہو جاتا ہے۔ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کی زندگی میں بس یہی ایک رہ گئی تھی، جو پوری ہو گئی۔ اب اُسے کچھ نہیں کرنا ہے۔“

”واہ.....! یا آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”قائم عین کی مثال لے لیجیے۔ اگر یوں پسند کی ملی ہوتی تو وہ اپنے پیٹ پر تھر نہ زدا من سے لو ہے کے گولے نہ کالتا..... موٹی موٹی سلاخیں نہ موزتا۔“

سلیمان پھر ہنسنے لگی۔ اُس کے ہنسنے کا انداز حید کو بہت پسند تھا۔ بھر بے بھرے۔

کھلتے اور چکدار دانتوں کی قطار جما کئنے لگتی۔ آنکھوں میں شوخي عود کر آتی اور اس کا سارا اسم تھر کتا سا محسوس ہونے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا جیسے الیگ ان پریس کی لپٹیں اس کے ہنزوں سے نکل رہی ہوں۔

”مگر ہم کہاں چل رہے ہیں۔“ سلیمان نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”ہم کیوں نہ اتفاق کے پار چلیں۔“

”آہ..... آہ..... تو اب آپ مجھ سے رومانی قسم کی گفتوگو کریں گے۔ اچھا چلنے میں شرما گئی کیا کہیں گے آپ۔“

”اب میں یہ کہوں گا کہ دنیا کے ہر آدمی کو قرشتوں کی طرح زندگی بر کرنی چاہئے۔“

”میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن بھلی ہوں۔“

”اور اب مجھ میں یہ جملہ سنتے کی تاب نہیں رہ گئی۔“ حید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”شہر کی جس تینی لڑکی سے ملاقات ہوتی ہے وہ میرا نام معلوم ہو جانے کے بعد یہی کہتی

”بہت عین دلچسپ۔“

”کچھ نہیں..... کوئی اور بات سمجھے۔“

”آپ ہی چھیڑیے کوئی بات۔“

”نہیں آپ تو باتوں کے ماہر ہیں۔“

”غیر میں ہی شروع کرتا ہوں..... سعید بابر سے آپ پہلے بھی.....!“

”تو..... نو..... بلیز..... سعید بابر کی باطن سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ پہنچیں راحلہ کو

اکیں کون سی خوبیاں نظر آئی ہیں۔ نہیں سعید بابر کے علاوہ اور کوئی بات۔“

”سراغ رسانی سے دلچسپی ہے آپ کو۔“ حید نے پوچھا۔

”بہت زیادہ..... حد سے زیادہ..... میرے لئے آپ میں صرف یہی ایک کشش ہے۔“

”ویسے میں بالکل الاؤ کا پچھا ہوں..... کیوں؟“

”نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہتا چاہتی تھی کہ آپ کچھ اور نہ سمجھتے گا۔“

”اور کیا سمجھوں گا۔“

”اوہ.....آپ اپنی بات کیجئے۔ ہاں مجھے سراغِ رسانی سے بہت لچکی ہے۔“

”اچھا تو اگر آپ کسی مظلوم فقیر کو بیمار جانوروں کی طرح ریکر بیگ کر بیگلار از نے طینان تھا کہ وہ کار میں بیٹھے ہی بیٹھے اس کی قیام گاہ کا پتہ لگائے گا۔ وجہ یہ تھی کہ دیکھتیں پھر اچانک ایک دن آپ اس کی لاش بھی دیکھ لیتیں۔ اور کچھ ہی دنوں کے بعد ان کا سادہ لباس والوں کا انچارج فریدی تھا اور اس نے انہیں کچھ اس اندر زمیں پھیلایا تھا۔ یک سعید بابر آپ کے سامنے آ جاتا۔ تو.....!“

”کیا بات ہوئی۔ میں خاک بھی نہیں بھی۔“

”کچھ دنوں بعد سعید بابر اس طرح آپ کے سامنے آیا کہ اس مظلوم مردہ فقیر اور ان ایک سادہ لباس والا موجود تھا۔ حمید نے اسے اشارے سے بلایا۔ وہ بڑی تیزی سے کار بابر میں سر موافق نہیں تھا۔“

”کیا مطلب....؟“

”دونوں کی شکلیں ایک تھیں۔“

”نہیں....!“

”یہ حقیقت ہے۔ میں سیکنڈروں آدمیوں کی شہادت دلوں سکتا ہوں۔“

”اوہ ہو۔۔۔ تب میں یقیناً اس کا تذکرہ منتапند کروں گی۔“

”کیا آپ کی عدم موجودگی میں وہ لوگ سعید بابر کے یہاں جائیں گے۔“

”پہلے سے وقت مقرر کئے بغیر وہ کسی سے نہیں ملتا۔“

”اُس کا باب پ بھی ملے گا۔“

”کیے....!“

”اوہ۔۔۔ کیٹھن حمید آف اٹلی جس بیوریو سے ملنے سے کون انکار کرے گا۔“

”واہ۔۔۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ اس سے کیوں ملتا جاتے ہیں۔“

”کچھ نہیں۔ ایک نظر دیکھوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی تصویر اس سے مختلف ہے۔“

”ایسا بھی ہوتا ہے مگر کیا آپ کو اس کا پتہ معلوم ہے۔“

”پتہ۔۔۔ وہاں شاید وہ لکنس لین کی کسی عمارت میں مقیم ہے۔“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ لکنس لین میں اسے کہاں تلاش کریں گے۔“

”آپ تو سراغِ رسانی ہیں۔“

”صاحب تو سور ہے ہیں۔۔۔ میں مس صاحب کو اطلاع کئے دیتا ہوں۔“

”صاحب سے کام ہے۔۔۔ خیر۔۔۔ مس صاحب ہی سکی۔“

”یہ سب کتنا سختی خیز ہے۔ میرے خدا۔۔۔!“ سلیمان نے پرست بھجے میں کہا۔

”بھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔“ حمید نے کہا اور کار لکنس لین کے اندر موڑ دی۔

یہاں دونوں طرف بڑی شاندار عمارتیں تھیں۔ ان کی کار سولہ نمبر کی کوٹھی کے سامنے رک

لے۔ حمید کار کو کپاڈوٹ کے اندر نہیں لے گیا۔ وہ دونوں اُتر کر چانک میں داخل ہوئے اور

انہیں ایک صاف سترے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ حمید نے اسے اپنا کارڈ دے کر

کہا۔ ”خود روپی کام ہے۔“

”ساحب تو سور ہے ہیں۔۔۔ میں مس صاحب کو اطلاع کئے دیتا ہوں۔“

”صاحب سے کام ہے۔۔۔ خیر۔۔۔ مس صاحب ہی سکی۔“

”آپ یہاں تشریف رکھئے۔“ اس نے نشست کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

”پکالا یا ہوا سامنے معلوم ہو رہا تھا۔ شاید ایک منٹ بعد حالات اعتدال پر آئے۔“  
”بھید راحله سے کہہ رہا تھا۔“ آپ کے پاس سے میں بین آتا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ  
بھی بین آنے والی ہیں تو میں نے کہا کہ پہلے ہی اپنا کام نپانا چلوں۔ مگر محترمہ سلیمانہ  
وہ اس کمرے میں آئے۔ سلیمانہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

”آپ مس صاحب سے مل کر کیا کریں گے۔“

”یہ تو اس سے ملنے کے بعد ہی سوچوں گا کہ کیا کرنا چاہئے۔“

”اوہ.....! یہ میری مزید خوش قسمتی ہے کہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔“

سعید بابر نے دوبارہ حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں کا طلب کردہ فون کر آگیا تھا۔ اس نے اس سے کہا۔“ ”مس براؤن کو بیچج دو۔“

”ہم منہ چلانے لگا۔ پھر اس کے ہوتوں پر ایک شریری مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے  
بری کی اندر پہنچا کر حمید کو آگ کھا مار دی۔“

”ہم تین سال بعد ملے ہیں محترمہ راحله۔“ سعید بابر نے راحله سے کہا۔ ”آپ یہاں  
گھشتا پھرنا تھا۔“

”بے قیم ہیں۔“

”ہم بھی حال ہی میں آئے ہیں۔“

”بڑی اچھی ملاقات رہی۔ خصوصاً آپ سے۔“ اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”میں  
بلانڈت سے ایک ہمدرد آفیسر کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اور اب تو آپ آفیسر ہی نہیں بلکہ

”اوہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”ایک مخفی سی کاروائی ہے۔ مجھے اثر ہا۔“

”میرے لائق کوئی خدمت۔“ میرے لائق کوئی خدمت۔“ اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”میں جو شیخ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔“

”میرے لائق کوئی خدمت.....“

”اگر اس نشست کے بعد آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتے تو شکر گذار ہوں گا۔“

”بات کوئی ایسی پوشیدہ بھی نہیں مگر دوسروں کے بور ہونے کا اندازہ ہے۔“

”نہیں آپ ہر قسم کی گنتگو چیزیں سمجھ سکتے ہیں۔“ راحله نے کہا۔ ”بور ہونے کا سوال ہی نہیں  
بیاہی تر۔“

”اسے میں نوکرنے آ کر اطلاع دی کہ مس براؤن موجود نہیں ہیں۔“

”اوہ اوہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔“ سعید نے کہا۔ ”ٹھیک ہے..... وہ اندر نہ ہو گی۔“

”بھیں تم یہاں .....!“ قاسم بھاڑ سامنے کھوں کر رہا گیا۔

”ہا۔..... میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔“ حمید نے جواب دیا۔

”اوہ آپ مس راحله.....!“ سعید بابر راحله کی طرف بڑھا۔

”نجھ سلیمانہ سے بولی۔“ یہ کیا حرکت تھی۔“ بہر حال کمرے میں عجیب سی افراتقری ناگزیر

پھر اُس نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”آپ سب اپنے ہیں۔ ملے گا۔  
ایک بہت بڑی الجھن میں گرفتار ہو گیا ہوں۔“

لیں امانت بھی نہیں تھی۔ بہر حال ایک رات وہ ہم لوگوں کیلئے ہمیشہ کیلئے غائب ہو گیا۔“

ہم نے بھائی سامنے پھیلا کر آواز کے ساتھ جماہی لی اور منہ چلاتا ہوا ایک ایک کی  
دیکھنے لگا۔ پھر اس طرح پلکیں چھپکائیں جیسے سوتے سوتے اٹھا ہو۔

بہر اپاک مجھے اس کا ایک خط ملا، جو یہیں سے پوٹ کیا گیا تھا۔ یہ پانچ سال پہلے کی

ہے۔ اس نے اپنی خستہ حالی کی داستان لکھی تھی۔ میں نے اسے لکھا کہ وہ نیرو بی و اپس

ہلکن اس نے وہاں آنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے مجھے لکھا کہ وہ زیادہ کام طالب نہیں کرتا

ونہ اتنا ہی دیتا رہوں جس سے وہ با فراغت برا وقت کر سکے۔ میں اسے تین ہزار

ہزار الائینڈ بینک کی معرفت پہنچنے لگا۔ اس سے خط و کتابت بھی برادرتی تھی۔ ابھی پچھلے

اُس نے الائینڈ بینک سے تین ہزار روپے وصول کئے تھے۔ اتفاقاً میرا بہاں آنے کا

انداز میں نے اسے بھی اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اب جو میں اس کی قیام گاہ

ہل و مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی کبھی تھا ہی نہیں۔ اُس عمارت میں

پہنچنے تقریباً پچیس سال سے رہتی ہے۔ میں نے پڑیسیوں سے بھی اس کی تصدیق

نہیں مجھے بتایا کہ وہ رشید بابر نامی کسی آدمی کوئی نہیں جانتے۔“

یا اُپ کے بھائی آپ کے ہم ٹھکل تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”کیا ہاں..... ہم میں بہت زیادہ مشاہب تھی..... خیر..... اب اپنے ہم ٹھکل ایک فقیر کی

کارماں ہوں۔ میں بڑی الجھن میں ہوں کپتان صاحب۔ اگر شرید وہ رقم وصول کرتا رہا تو

بھلداں تک کیا ضرورت تھی۔ اگر اسے رقمات نہیں ملیں تو پھر انہیں کون وصول کرتا رہا۔

”میرا تم ٹھکل تھا تو وہ رشید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”یقیناً آپ کا ہم ٹھکل تھا۔“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔

”کیا اُپ نے اسے دیکھا تھا۔“ سعید نے میساختہ پوچھا۔

”کیا ہاں..... میں عرصہ تک آپ کے ہم ٹھکل ایک فقیر کو دیکھتا رہا ہوں۔“

”کب تھے تین آن گیا۔“ سعید نے آہستہ سے غمگین آواز میں کہا اور بیجان سا ہو کر سونے  
پر پڑھ رہا گیا۔ اس کی پچھی پچھی سی آنکھوں میں دیرانی تھی۔ پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد

سب لوگ خاموشی سے اس کے درمیے جملے کے منتظر ہے۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ داستان کہاں سے شروع کروں۔“ اُس نے  
طرف دیکھ کر کہا۔ ”ویسے میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں میری ٹھکل و شابر  
فقیر بھی آپ کی نظر وہ سے گذر رہے۔“

”ارے ہی ہی ہی۔“ قاسم ہنسا۔ ”یہ آپ کیا فرمائے ہیں۔“

سیلے نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبادی۔

”آپ نے نہیں دیکھا۔“ سعید نے مایوسی سے کہا۔ ”خیر..... لیکن ایسا سننے میں آرام  
میں بہت پریشان ہوں۔“

”کیا سننے میں آ رہا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ایسے ہی ایک فقیر کے تعلق..... خیر مشاہب ہوتا کوئی بڑی بات نہیں۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء

ہے اور غرض مشاہب کی بناء پر میں پریشان نہیں ہو سکتا..... مگر.....!“

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے۔

رک رک کر بول رہا تھا۔ سب لوگ بڑی توجہ سے کن رہے تھے۔ صرف قاسم ایسا تھا جو بارا

بدلتا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بڑی طرح اکتا گیا ہو۔

”خیر میں یہ بات وہیں سے شروع کرتا ہوں۔ جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ میرا ایک

بھائی تھا۔ تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں وہ نیرو بی سے ٹھکل بھاگا۔ بچپن ہی سے اس کی حالت

تھی۔ وہ رات رات بھر گھر سے غائب رہتا۔ لیکن والد مر جو اس سے سختی کا برنا تو کبھی نہ کر

میں کہتا ہوں کہ اسے اُن کے بے جا لڑھی نے بگاڑا تھا۔ اُس کی ماں یعنی میری سوتی والدہ

کے بچپن ہی میں مر گئی تھیں۔ محترمہ راحد آپ کو تو ان حالات کا علم ہو گا۔“

”نہیں میں نہیں جانتی۔“

”خیر آپ نہ جانتی ہوں گی۔ بہت پرانی بات ہوئی۔ شاکن تیر و بی و والوں کو بھی یاد نہ ہو۔“

کہا۔ ”میرے خدا..... یہ کیا اندر ہے کہ وہ بھیگ مانگتا پھر رہا ہے اور کسی نے پھٹا۔“  
کے نام سے تین ہزار روپے وصول کئے ہیں۔ میں نے الائیٹ بینک میں اچھی طرح  
ہے۔ اس کا حساب بھی وہاں چلتا تھا۔ آخری رقم جو اس نے وہاں سے نکالی ہے وہاں  
اور تین ہزار تو ہر ماہ وصول کرتا رہتا تھا۔“

”وہ رقم کس تاریخ کو نکالی گئی تھی۔“ حید نے پوچھا۔

”میرے یہاں پہنچنے سے تین دن پہلے یعنی ..... سات جنوری کو۔“

”سات جنوری .....!“ حید بے ساختہ چوک پڑا۔

”جی ہاں ..... اسی تاریخ کو اس نے پچاس ہزار روپے بینک سے نکالے تھے اور  
بڑی رقم تھی۔ اب اس کے اکاؤنٹ میں صرف سات روپے پڑے ہوئے ہیں۔“  
”سات روپے ..... سات جنوری .....!“ حید بڑدیا۔ ”اور یہی سات جنوری اس کی  
ہاں آگیا ہوں، لازمی بات ہے کہ ان واقعات کی روپورٹ پولیس کو دوں گا۔ لہذا قبل اس کے  
بھی تاریخ ہے۔“

”موت .....!“ سعید باہر اچل کر کھڑا ہو گیا۔ ”یہ کیا کہر ہے ہیں۔“

”کسی نہ کسی سے تو آپ کو اس کی اطلاع ملنی ہی تھی۔“ حید نے آہستہ سے کہا۔

”جی ہاں ..... سات جنوری کو اس کی لاش صدر کے ایک فٹ پاٹھ پر کمھی گئی تھی۔“

”وہ دسم سے صوفے میں گرگیا اور تینوں لڑکیاں اس کے گرد اکٹھا ہو گئیں۔“

”تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتے ہو گیا ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن یہاں  
محترک نہیں تھیں۔“

اچانک ایک فائر ہوا اور گولی راحله کے سر پر سے گزرتی ہوئی سامنے کی زبان  
کھڑکی کے شیشے میں ایک ناہموار سا سوراخ تھا۔ راحله تو دھڑام سے فرش پر آریا۔

لوگ بدھوای میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ حید اچل کر برآمدے میں آرہا۔ اس نے لاد

طرف دیکھا جس سے گزرت کر گولی اندر پہنچی تھی اور پھر اس کے سیدھے میں دوڑنے لادیں۔

سامنے والی ہندی کی باڑھ کے پچھے اُسے کوئی بھی نہیں دکھائی دیا۔ سعید کے نیمنوں  
کی آواز سن کر ہی باہر آئے تھے۔

## فائز اور لڑکی

حید نے کپاٹوٹ کا چپے چپے چھان مارا، لیکن اُسے ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل سکا جسے وہ  
زکنے کے لوازم میں جکڑ لیتا۔ پھر اس نے عمارت کے اندر بھی چھان بین شروع کی، لیکن  
پہنچنے کے لکھا۔ سعید باہر بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

”ہو گکھا ہے لکھا۔“ سعید باہر بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

”آپ کے لئے کیوں؟“

”جو میرے بھائی کی موت کا باعث بنا ہے، وہ میری زندگی کا خواہاں بھی ہو گکھا ہے۔“

”اہر ہے کہ اس نے رشید کے نام پر ایک لاکھ اسی ہزار روپے وصول کئے۔ اب جب کہ میں  
ہاں آگیا ہوں، لازمی بات ہے کہ ان واقعات کی روپورٹ پولیس کو دوں گا۔ لہذا قبل اس کے

”کہیں ان کے خلاف کوئی کارروائی کروں، وہ مجھے بھی ختم کر دینا چاہتا ہے۔“

”نائیں ..... نائیں۔“ قاسم حید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھماڑا۔ ”یہ بڑا منہوس آدمی ہے۔“

”جلہ اس کے قدم جاتے ہیں، تھامیں تھامیں شروع ہو جاتی ہے۔“

”نہیں جتاب یہ میری خوش قسمتی ہے کہ کپتان صاحب یہاں اس وقت تشریف رکھتے  
ہے، ورنہ غیر ملکیوں کی شکایات پر کون کان دھرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے اپنی  
آنکھوں سے دیکھ لیا۔“

”بڑی خوش قسمتی۔“ قاسم نہ اسامنہ بیٹا کر بولا۔ ”ذریباڑا۔“ وہ کون ہے مس بلیک .....  
اسے بلاڈ پھر دیکھوں خوش قسمتی۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ سعید باہر نے کہا۔

”قاسم بھائی ..... کیا کو اس لگا کر کی ہے آپ نے۔“ راطھ نے اُسے ڈانٹا اور قاسم نہ اس  
نرمائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

سعید باہر حیرت سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ راحله نے اپنی واہنی کنپٹی کے

قریب انگلی لے جا کر اسے چکر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قاسم کا اسکر بودھیلا ہے۔

”اوہ..... اچھا....!“ سعید بابر پھر حید سے مخاطب ہو گیا۔ ”ہاں تو..... جناب ابری

زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے، لیکن میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک

اس مردود کا پتہ نہ لگ جائے جس کی بدولت میرا بھائی ایڑیاں رگڑ کر سرگیا۔“

”تو پھر نکلنے تا..... پتہ نہیں یہ لاش ہے یا.....!“

”لاش!..!“ سعید بابر کے حق سے جیخی انگلی اور لڑکھڑا تا ہوا دیوار سے جالا۔

اچانک ایک نوکر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔ اُس کی سانسیں چھمی ہوئی تھیں اور چورہ

تھا۔ ”مس صاحب.....!“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ”گوادم میں..... بورے میں!“

”کیا بات ہے۔“ سعید بابر اسے گھونٹنے لگا۔

”مس صاحب..... گوادم میں بیہوش.....!“

”ارے.....!“ وہ دروازے کی طرف چھپتا ہوا بولا۔ ”کپتان صاحب۔“

”آپ لوگ یہیں نہ ہیں۔“ حید نے دوسروں سے کہا اور اس کے پیچے چلا گیا۔ اُ

دروازے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ قاسم بڑا ہوا۔ ”کھالیں..... مس ساب کو..... ہاں۔“

راحلہ اُس پر برس پڑی۔

سعید بابر بڑی تیزی سے رہاہاری طے کر رہا تھا۔ پھر وہ ایک کمرے کے سامنے رکا

”ٹھیک ہے۔“ سعید بڑا ہوا۔ ”یہ واقعہ اُس فائز سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔“

جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حید نے محضوں کیا کہ سعید بابر اندر جاتے ہوئے پہنچا رہا ہے۔ ا

شاید اُس نوکر کا منتظر تھا جس نے اُسے اطلاع دی تھی۔

”کہاں مرجئے تھے۔“ وہ اچانک پر برس پر اچھڑا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

شاید اس بھاگ دوڑ میں اس کے پیور میں چوت آ گئی تھی۔

”اندر جناب..... وہ اُدھر.....!“

”چلو.....!“ سعید بابر نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ نوکر کے پیچے ہی پیچے وہ ”وہل

بھی اندر را خلی ہوئے۔

حید کو سامنے ہی دو تا انگلیں نظر آئیں جن پر کمشی رنگ کے اٹا لگ تھے اور اپنے

جو تے..... آدھا دھر ایک بورے میں تھا۔

”مگر میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔“

”کیا مطلب.....!“ حید چونکر اسے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”کیا مس براؤں نہیں ہے۔“

”نہیں..... یہ مس براؤں نہیں ہے۔“ سعید نے پر سکون مجھ میں جواب دیا۔

حید نے توکر کی طرف دیکھا اور نوکر بھی سر ہلا کر بولا۔ ”یہ اپنی مس ساب نہیں ہیں۔“

”آپ اسے پیکانے بھی نہیں۔“

”مگر جناب..... مجھے حیرت ہے۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“

”مس براؤن کہاں ہے۔“  
”وہ دو گھنٹے کے لئے باہر گئی ہے۔“  
”مگر آپکے ملازم نے تو کہا تھا کہ صاحب سور ہے ہیں۔ میں مس صاحب کو خبر کرتا ہوں۔“  
”میری جگہ اگر آپ بھی ہوتے تو ہمی کرتے۔“  
”یعنی.....!“

جید نے نوک کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کانپتا ہوا چیخپے ہٹ گیا۔ پھر حید نے بیہوش لڑکی کو نیلا اور بیرونی برآمدے کی طرف جانے والی راہداری طے کرنے لگا۔ سعید بابر اس کے چیخپے لراہا تھا۔

”قاوم کی نظر اس جلوں پر پہلے پڑی اور وہ میساختہ چکھاڑا۔“ دینجا..... میں نہ کہتا تھا..... ہلا۔“  
”پڑو..... ایک صوف اٹھالا اور سے.....!“

”آپ خود سوچنے کپتان صاحب، ایسے آدمی کی حالت کیا ہوگی جس کا کوئی ہم خلزی بھی موجود ہو۔ تصویر شائع ہوتے ہی پریس روپورٹوں کا تاریخ بندھ گیا۔ سینکڑوں آدمی بھی ریکے کیلئے آئے۔ میرے خدا..... میں حیلہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ لسلی براؤن لوگوں سے گفتگو کرتے تھے آگئی اور اسے بھی مل جانا پڑا۔ ملازم کو شامہ علم فہیں تھا کہ وہ باہر چل گئی ہے۔“  
”اوہ..... اچھا! مگر یہ واقعی بڑی حرمت انگلیز بات ہے۔ گولی باہر سے چلانی کی تھی۔ اس لڑکی نے حملہ آور کو دیکھ لیا تھا تو حملہ آور نے اسے بیہوش کر کے یہاں اندر لانے کا خاکیوں مول لیا۔ وہ اسے کپاڑا غصہ میں کھینچ بیہوش کر کے ڈال سکتا تھا۔“

پورے آدھ گھنٹے کے بعد لڑکی کسمائی۔ پہنچوں میں متواتر جنبش ہونے لگیں اور پھر اس نکروٹ لینے کی کوشش کی، لیکن سلیمانہ اگر جلد فی سے آگے بڑھ کر ہاتھ نہ لگادیتی تو وہ صوف کائیچے چل آئی ہوتی۔ سلیمانہ کا ہاتھ لگتے ہی وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر پالوں طرف دیکھتی رہی پھر بندی اپنی انداز میں چھپی۔

”میں یہاں نہیں رہوں گی..... میں اس ملک میں نہیں رہوں گی۔“  
”وہ سب خاموش رہے۔“

”سڑک بابر میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔“ وہ پھر اسی انداز میں چھپی۔ ”میں واپس جاؤں گی۔“  
”آپ مجھے کیا جانیں..... آپ کون ہیں۔“ بابر نے پوچھا۔  
”لڑکی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔“

”آپ کون ہیں! یہاں کیسے آئیں۔“ بابر نے پھر اپنا سوال دہرا�ا۔  
”میں انداز کے موڑ میں نہیں ہوں۔“ لڑکی نے رہاسانہ بنا کر تلخ لمحے میں کہا۔ ”میرا

”ہمیں!“ سعید بولا۔ ”بیرونی برآمدے میں..... نہ جانے یہ ہوش میں آکر کون را کھڑا کرے۔ نہیں کپتان مجھے بہت محاط رہنا چاہئے۔“  
”ہوں.....!“ حید نے سر ہلا دیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اسے اس کو اخانے میں نہ کرنی چاہئے۔ سعید بابر حید کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
”اسے انھا یے۔“ حید نے کہا۔  
”میں کیوں انھا یے۔“ سعید بابر حید کے لئے سمجھا تھا۔

”بیں تو پھر وہ نئے میں ہیں یا انکار دامغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ ان نوکروں سے پوچھئے۔“  
عنکبوتیوں نے بھی اسے لسلی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

”اب تم کیا کہو گی۔“ حمید بولا۔ ”یہ بھی تمہیں پہچانے سے انکار کرتے ہیں۔“

لسلی براؤن غصیل آنکھوں سے ایک ایک کو پیکھتی رہی۔ پھر اس نے سعید بابر سے کہا۔  
سرپاہر میں کیا سمجھوں۔ کیا آپ یہاں ایک اجنبی ملک میں مجھے ملازمت سے بطرف کرنا  
ایجھے ہیں۔“

”پکتان صاحب! میں کچھ مجھ پاگل ہو جاؤں گا۔“ سعید بابر نے حمید سے کہا۔ ”یہ کوئی  
بڑی سازش ہے۔ اسے حرast میں لجھے۔ گرلسلی براؤن..... وہ یقیناً خطرے میں ہوں  
لی۔ یہ لوکی تکل کر جانے نہ پائے ورنہ لسلی براؤن کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔“

”آپ نتاں اخذ کرنے میں جلدی کر رہے ہیں۔“ حمید نے خشک لجھے میں کہا۔

پھر لوکی سے بولا۔ ”تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ لسلی براؤن تم ہو۔“

”ثبوت..... خدا کی پناہ..... ارے ثبوت میں میرے کاغذات موجود ہیں۔ میرا پاسپورٹ  
کا پیری قصوری موجود ہے۔“

”میں پاسپورٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”میں ابھی لاتی ہوں.....!“ وہ اٹھ کر عمارت کے اندر جانے لگی۔

”ماں میں..... ہائیں۔“ سعید بابر تحریرانہ انداز میں چینا۔ ”اندر کہاں..... خبردار۔“

لوکی نے دروازے پر رک کر اسے غصیل نظرؤں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ میرا  
مانگ بھی ہضم کر لیں گے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ اپنے صندوق سے پاسپورٹ  
لے لیں گے۔“

”کیا میں خوب دیکھ رہا ہوں۔“ سعید بابر نے اپنے بازو میں زور سے چکلی لی اور ”سی“  
لکھ کر لے گیا۔

”میں اور مسٹر بابر تمہارے ناتھے چلیں گے ٹھہر۔“ حمید نے کہا اور سعید کو اپنے چیچے  
آنکھ کا انشادہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

سرچکر ارہا ہے۔ وہ کم بخت میرا گلا گھوٹ رہا تھا۔ یہ مکان بھوتوں کا مسکن ہے۔ میں اب پہلے  
نہیں رہوں گی۔“

”تم مجھے الوبیں بنائیں۔“ دفتار سعید بابر گرجا۔ ”یہاں ایک سرکاری آفسر بھی ہے۔  
ہیں سمجھیں۔“

”مسٹر بابر.....!“ لوکی نے تحریرانہ آواز میں کہا۔

”تم کون ہو۔ کیا چاہتی ہو۔“ سعید بابر نے سخت لجھے میں کہا۔

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ ”لوکی ہاتھ ہلا کر رودینے کے سے انداز میں فنی

”ہاں.....!“ قاسم بڑے خلوص سے بڑھ رہا۔ ”آپ خواہ مذاق کر رہے ہیں۔ ان

طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”میں پوچھتا ہوں تم کون ہو۔“ سعید بابر جھلا گیا۔ ”سید ہمی طرح بتاؤ، ورنہ میں پلیٹ  
رینگ کروں گا۔“

”مسٹر بابر کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ لوکی بھی چین ڈی۔ ”آپ مجھے  
پہچانتے۔ لسلی براؤن کو نہیں پہچانتے۔“

”لسلی براؤن.....“ بابر طلق چھاڑ کر چینا۔ ”تم مجھے انہا بنا رہی ہو۔ پاگل باری“

”لسلی براؤن ہو، دن دہاڑے میری آنکھوں میں دھول جھوکو گی۔“

”میں پاگل ہو جاؤں گی۔ تم مجھے جھٹلارہے ہو۔“ ”لوکی اپنے بال نوپنے لگی اور حمید  
گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جھوٹا سمجھے اور کے سچا۔

”آئیں..... یہ تمہارے قدم کی برکت ہے..... ہاں۔“ قاسم نے ہنس کر حمید سے کہا۔

”حمدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔“ آپ سب براہ کرم خاموش رہیں۔ ”مگر  
نے لوکی سے پوچھا۔ ”تم لسلی براؤن ہو۔“

”میں نہیں جانتی۔“ ”لوکی غرائی۔“ یہ اچھا مذاق ہے۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ  
لسلی براؤن ہوں۔ مسٹر بابر اگر آپ نے مجھے اس طرح ذلیل کرنا تھا تو یہاں لائے کیوں نہ

”مسٹر بابر..... تمہیں لسلی براؤن تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”چلو غہر چلیں۔“ قاسم نے لڑکوں سے کہا۔ وہ کچھ بوكھلا لیا ہوا سانظر آنے لگا تھا۔

انگریز لڑکی بڑی تیزی سے چلتی رہی۔ ایک کمرے کے دروازے پر رک کر اس کے لئے براون نہیں ہے۔“

پہنچانے کا انداز میں ڈال کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چل گئی۔

”میں ڈوب گیا۔“ سعید با برآ ہستے سے بڑبڑایا بلکہ اسی انداز میں جیسے خود سے مخاطب ہے۔“ یہ غلط ہے..... یہ ناممکن ہے..... یہ لسلی کی چیزوں میں ہاتھ نہیں لگا سکتی۔“ سعید براں نے حمید سے کہا۔

”کیا آپ کی موجودگی میں مجھ پر فائز نہیں کیا گیا تھا۔“

”کہا اور حمید کی طرف جواب طلب نظرؤں سے دیکھنے لگا۔“

”مٹھہریے..... صبر سے کام لیجئے۔ زیادہ بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔“ حمید بولا۔

”لڑکی پاسپورٹ لئے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ اُس کے چہرے پر شدید خدش۔“

”ان حالات میں..... جبکہ..... میرا بھائی۔“

آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ذرا سی ٹھیس پر پھٹ پڑے گی۔

”یہ لیجئے..... یہ ہے پاسپورٹ..... مگر مجھے یقین ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔“

”لڑکا بھائی نہیں ہو سکتا۔ اپنے بھائی کی تلاش جاری رکھتے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی بناء پر آپ حمید پاسپورٹ لے کر دیکھنے لگا۔“ تصویر اسی لڑکی کی تھی۔ نام لسلی براون، سنن کے سامنے نہ آنا چاہتا ہو۔

نیرو بی، پیشہ ملازمت اور پیدا سعید با برآ کا تھا۔ حمید نے پاسپورٹ سعید با برکی طرف بڑھا دیا۔

”آپ تو میرا یہ اسی غرق کے دے رہے ہیں۔“ سعید با بر نے گھبرائے ہوئے لجے۔

”یہ فراڈ ہے۔ کھلا ہوا فراڈ۔ میں دلدل میں پھنس رہا ہوں۔“

”تم خود فراڈ ہو۔“ لڑکی ہندیانی انداز میں چھینی اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں گھیندی لے گئی۔“ یہ دیکھئے۔ یہ ساری چیزیں میری ہیں۔ یہ جوتے میرے پیروں میں ف۔“

”الا، یہ جو حالات میں رہے گی۔ اس وقت تک جب تک کہ میری سکریٹری لسلی براون کا پتہ نہ ملے۔ اس کے پاس اس کے صندوقوں کی کنجیاں تک موجود ہیں۔“

سعید با بر بھی کمرے میں گھسنے آیا تھا۔ لڑکی مختلف جو تے اور سینڈل پین پین کر جید دکھانے لگی۔

”آن صندوقوں کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔“ اس نے کہا۔ اور سعید با بر کو گھونسہ دکھا پہنچانے سے رابطہ قائم کیجئے۔“

”لیکن آپ میری مدد نہیں کریں گے۔“ سعید با بر نے تا خوٹگوار لمحے میں کہا۔ ”حالانکہ آپ ہم برے دوستوں کے دوست ہیں۔“

”اور ایک ذمہ دار آفسر بھی۔“ حمید نے تھک لمحے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

”اُنکے روم میں صرف راحٹ موجود تھی۔ قاسم وغیرہ جا چکے تھے۔ حمید سوچنے لگا کہ کم از کم لکھ کر تو ان کا انتظار کرنا ہی چاہئے تھا۔“

”اُن میں سے کوئی ہوں مسٹر سعید با بر! لیکن فی الحال کوئی قیبلہ نہیں کر سکتا۔ اس کا کام اکٹھاں کا قانون میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔“

”آپ سن رہے ہیں۔“ سعید با بر نے حمید سے کہا۔

”ہاں میں کوئی نہیں کر دیں۔“ آپ یا آپ کے تین تو کوڑوں



بے کرئے ہیں۔“  
اپنک ریپیشن روم کے اردوی نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا وزینگ کارڈ حمید کو دیا۔  
”اوہ... سعید بابر۔“ حمید بڑا بڑا۔ پھر اردوی سے پوچھا۔ ”تمہا ہے۔“

”جی ہاں...!“

”چھا کہہ دیں آرہا ہوں۔“

اردوی چلا گیا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”پہنچیں اب وہ کیا سنانے آیا ہے۔“  
”تم چلو! میں بھی آرہا ہوں۔ اس آدمی کو کم از کم دیکھیں ہی لوں۔ لیکن تم اس سے میرا  
”بن اتنی سی بات۔“ حمید نے مایوسی سے کہا۔ ”مگر وہ اس لڑکی کا معاملہ۔“

”وہ بھی کچھ نہیں ہے۔ سعید بابر کو چاہئے کہ کیس کو اپنے سفارت خانے میں پڑا  
کرے۔ ہم سے براہ راست اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے اگر تمہیں لڑکی کے معاملے  
تفیش تفریج کرنی ہو تو فارن برانچ میں جا کر اس کے ویزا کا انکوائری فارم نکالو۔ اس پر  
براؤن کی تصویر موجود ہو گی۔“

حمدیٹھ گیا۔ ریپیشن روم میں سعید بابر اس کا منتظر تھا۔ حمید نے اس کے چہرے پر دلی<sup>ل</sup>  
لیات پڑھ لیں۔ وہ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتا تھا۔

”کپتان صاحب! آپ خنا ہو کر چلے آئے تھے۔ حالانکہ میں مظلوم اور آپ کی امداد کا  
نت ہوں۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ میں کسی وجہ سے اس لڑکی کو لسلی براؤن تسلیم نہیں کرنا  
پہنچا۔ کیا میں اتنا حق ہوں کہ کاغذات کو جھٹال کر خواہ تجوہ اپنی گرد پھنسانے کی کوشش کروں گا۔“  
”یہ تو میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔“

”اب میں آپ کو لسلی براؤن کا پاسپورٹ دکھانے لایا ہوں۔ اس وقت میں بہت زیادہ  
لہن میں تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ لسلی براؤن کا پاسپورٹ میرے ہی پاس موجود ہے۔“

”اُس نے جیب سے ایک پاسپورٹ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ اس پاسپورٹ کی  
نمبر اس لڑکی سے مختلف تھی۔ بہت فرق تھا۔ زمین و آسمان کا فرق..... اتنے میں فریدی بھی  
”ریپیشن روم میں آئی۔“

”اچھا تو آپ نے اور اس لسلی نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں یہاں درج کرائی تھی۔“  
”لیکن نہ پوچھا۔“

”بکواس بند کرو۔ میرے کان نہ کھاؤ۔“ فریدی نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ حمید کو بڑی تر  
ہوئی۔ سعید بابر والا واقعہ ایسا ہی تھا کہ معمول کے مطابق فریدی کو اس میں کافی پہنچا  
چاہئے تھی۔ پھر حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی بولا۔ ”فی الحال صرف اتنی ہی بات میں ہاڑ  
دیکھی لے سکتا ہے کہ سعید بابر کے ڈرائیکٹ روم میں کسی نے فائز کیا تھا وہ بھی اُس صورت میں  
جب سعید بابر اس کی اطلاع پولیس کو دے۔“

”بن اتنی سی بات۔“ حمید نے مایوسی سے کہا۔ ”مگر وہ اس لڑکی کا معاملہ۔“  
”وہ بھی کچھ نہیں ہے۔ سعید بابر کو چاہئے کہ کیس کو اپنے سفارت خانے میں پڑا  
کرے۔ ہم سے براہ راست اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے اگر تمہیں لڑکی کے معاملے  
تفیش تفریج کرنی ہو تو فارن برانچ میں جا کر اس کے ویزا کا انکوائری فارم نکالو۔ اس پر  
براؤن کی تصویر موجود ہو گی۔“

حمدیٹھ کر دفتر کے اُس کمرے میں آیا جہاں باہر سے آنے والوں کے کاغذات کا رکا  
رہتا تھا۔ اُس نے متعلقہ کلرک سے پچھلے ایک ماہ کے کاغذات نکالنے کو کہا۔ اُسے ان لوگوں  
آمد کی صحیح تاریخ کا علم نہیں تھا۔ کلرک نے دو ہی چار فارم اٹھے تھے کہ حمید کی نظر اُسی لائی  
تصویر پر پڑی جو سعید بابر کے یہاں بیہوش ملی تھی۔ اس نے فارم کا ایک ایک کالم دیکھا۔  
پھر اُسے تسلیم کر لیا۔ پڑا کسلی براؤن اُس لڑکی کے ملاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

حمدیٹھ فریدی کے کمرے میں واپس آیا۔ فریدی غور سے اس کی بات سنا رہا۔ ”مگر وہ  
”بس تو یہ سعید بابر کوئی فراڈ کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے وہ اس لڑکی کے  
چیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔ مگر وہ بڑا حق معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کاغذات کی موجودگی میں  
کی بات کون سنے گا۔“

”نہیں جتاب! وہ اتنا حق نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کی کوئی حرکت کرے۔ وہ کافی ہے۔“  
آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی کسی سازش کا شکار ہو گیا۔ مگر کسی شکایت کے بغیر ہم کوئی کام  
کا،“

”جی ہاں..... ہم دونوں ساتھ آئے تھے۔ انکو اڑی فارم تو ہو گا آپ کے بیہل۔  
اپنا طمیان کر لیجئے۔“

بھی اسی تاریخ کو ہوئی تھی جس تاریخ کو دوسری لڑکی کی ہوئی تھی۔  
”سالئے میں آگیا..... اپنی نوعیت کا واحد کیس..... وہ کافی دریک اسی طرح بیٹھا رہا۔

حمدیکچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اسے آنکھ ماری۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اسے  
انکو اڑی فارم کا تذکرہ کرنے سے روکنا چاہتا ہے۔

## حیرت انگیز نشانات

سعید بابر بے خبر سو رہا تھا۔ اچاک اُس کی آنکھ کھل گئی۔ پتہ نہیں وہ کسی قسم کی آواز تھی یا

”مگر میں لسلی کے لئے کیا کروں۔ وہ صرف دو گھنٹے کے لئے باہر گئی تھی لیکن چار ماں پیدا ہر کی چھٹی حس۔۔۔ جس نے اسے جگا دیا تھا وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔  
گذر چکے ہیں کپتان صاحب! پتہ نہیں وہ کس حال میں اور کہاں ہو گی۔ اُس کے لئے بدنے گھر کی طرف دیکھا دو، نج رہے تھے۔ سردیوں کی پہاڑی رات کائنات پر مسلط تھی۔  
ذلتا اسے داہنی طرف کی کھڑکی میں بلکل ہی سربراہت سنائی دی، وہ دبے پاؤں بستر سے  
بیجئے۔ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔ آپ پر میرا حق ہے۔“

”وہ کہاں گئی تھی۔“

”اس نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا تھا۔ لس وہ پیلس روپرڈوں کے ہجوم سے گھبرا کر چل گئی تھی۔ اچاہا میز کے قریب آیا۔ بہ آہنگی اس کی دراز کھنچی اور اندر ہاتھ ڈال کر ایک روپور کالا لکارتہا تھی دانت کا تھا۔ اُس نے اُس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔  
”میں دیکھوں گا کہ اُس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”اچاہا وہ لڑکی کا وقت کہاں ہے۔“

”میں اُسے نوکروں کی مگرانی میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ویسے وہ لسلی براؤن اس لئے نی۔ انہیں سربراہت کی آواز ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریم سمیت دیوار سے نکل کر ہر وقت میرے سر پر سوار رہے۔ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ لسلی براؤن ناپا آگرے گی۔ چاروں طرف کا پلاسٹر اور ہزتا جا رہا تھا۔  
زندگی خطرہ میں ہو گی۔ کچھ بیجئے۔“

”میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔“ حمید آہستہ سے بولا۔  
”میں سعید بابر زیادہ دینہیں نہ ہرا۔ فریدی اس دوران میں خاموش ہی رہا تھا۔ سعید کے ذرا عایدی دیر میں پھر وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہو گیا، لیکن سعید بابر نے اپنے کپاڈ غڑ کا کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کاروں ہیں سے اسٹارٹ ہوئی۔  
”مگر وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ ساری عمارت سُنسان پڑی تھی۔ لیکن اب وہ اتنا حق بھی نہ کہا کہ کپاڈ غڑ میں تاریخ روشن کرتا۔ نوکروں کے کوارڈوں میں بھی روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔  
پہنچا، اور ہے تھے یا خوف کی وجہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔ سعید تھوڑی دریک

جانے پر وہ اٹھا اور حمید ہے مخاطب ہوئے بغیر رسپشن روم سے چلا گیا۔“

”حمدیک ایک بار پھر ریکارڈ روم میں بیٹھا فارموں کا فائل الٹ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ پاسپورٹ کا ویرا ایکو اڑی فارم فائل میں موجود نہ ہو گا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اس کی کھوپڑی ناپنے لگی کیونکہ اس دوسری لسلی براؤن کا ایکو اڑی فارم بھی فائل میں موجود تھا اور اس لیکن پہنچا، اور ہے تھے یا خوف کی وجہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔ سعید تھوڑی دریک

برآمدے میں کھڑا رہا پھر اندر چلا گیا۔ ایک کمرے میں بیٹھ کر اندر ہیرے میں ٹوٹا ہوا جس کے کمرے میں سونے چل گئی تھی۔ اب ایک اور صیبیت آگئی ہے، ہم اپنے یہاں کے کرنے لگا۔ دوسری بار رسیور اٹھالیا گیا۔

”بیلو.....!“ دوسری طرف سے ایک بھراں ہوئی سی آواز آئی۔

”میں کیپٹن حیدر صاحب سے ملتا چاہتا ہوں۔“

”کون صاحب ہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”آن سے کہنے کے سعید بابر فون پر ہے۔“

”وہ سورہا ہے۔“

”آپ کون ہیں؟“

”فریدی.....!“

”می ہاں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی ”میں آ رہا ہوں، آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریے،“

”کھڑکی باہر ہی کی طرف سے کھلتی رہی ہوگی۔“

”می ہاں۔“

”کس طرف۔“

”بائیں بازو کی..... دیکھنے بتاتا ہوں، چوتھی..... نہیں پانچویں..... ہاں پانچویں ہی تو ہے

”کبھی ہاں بائیں بازو کی پانچویں کھڑکی ہے۔“

”اوہ..... کرٹل صاحب..... معاف فرمائیے گا۔ میں نے نادت آپ کو تکلیف دی۔“

”خطرے میں ہوں جتاب..... کسی نے میری خواب گاہ کی کھڑکی گرا کر اندر گھننے کی کوشش کی تم ملا منظع کر دیا گیا۔ سعید بابر چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ٹوٹا ہوا ایک طرف پل پڑا۔ ایسا

”ہم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔ کئی جگہ توڑ کھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ لیکن وہ بڑھتا میں نے فائز کر دیا۔ اب سننا ہے، لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ روشنی کر سکوں۔“

”کیا کہا آپ نے..... کھڑکی گردادی گئی۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”می ہاں..... فریم سیمت دیوار سے نکل آئی ہے۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔“

”مجھے خود حیرت ہے جتاب..... میں کسی قسم کی آواز سن کر جاگ پڑا تھا۔ میں نے کہا

”اچاک اندر گھنٹی بجی۔ شاید برآمدے میں کوئی گھنٹی کا بین دبارہ تھا۔ سعید نے سوچا آئے

”کہا کے علاوہ اور کون ہو گا۔“

”برآمدے کی طرف جھپٹا..... برآمدے میں اندر ہیرا تھا۔“

”کھڑک بابر.....!“ کسی نے برآمدے سے کہا۔

”کون..... اوہ..... کیا..... کرٹل صاحب۔“

”ہاں..... میں ہوں..... اب آپ روشنی کر سکتے ہیں۔“

”سعید بابر نے سوچ بوجوڑ ٹوٹا کر برآمدے میں روشنی کر دی۔ اس کے سامنے ایک دراز قد

”میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ رات کا کھانا اس نے زبردستی میرے ساتھ کھایا تھا۔“

”لڑکی کہاں ہے۔“

آدمی سیاہ اسٹر اور سیاہ فلت ہیت میں کھڑا تھا۔ روشنی ہوتے ہیں اس نے فلت پہنچ لی۔ اس نے اشارہ کیا اور پھر سعید بابر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس نے شہر کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ویسے اس نے شہر بہت پہلے سئی تھی۔ افریقہ کے پولیس افسروں میں اکثر اس کے تذکرے رہا کہ کیونکہ وہ میں الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

”خوش آمدید....!“ سعید بابر ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”ہم ہیلی بارل، ہیں کرٹل صاحب! آپ کے متعلق میرا اندازہ غلط تھا، آپ تو مجھ سے بھی کم عمر معلوم ہوتے ہیں۔ ہیں کماؤڈ میں آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ عمارت کے باہمی بازو کی طرف میں آپ کی خواب گاہ دیکھنا چاہتا ہوں مشربابر۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس دوران میں اس کی نظر ایک بار بھی سعید بابر کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔ ”اوہ..... جی ہاں..... آئیے۔“ سعید بابر نے کہا اور آگے بڑھ کر تاریخ کی روشنی کے درمیان میں اس کی نظر ایک بار بھی سعید بابر کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔ اسے راستہ دکھانے لگا۔

”خواب گاہ میں آئے جہاں کھڑکی فریم سمیت اب بھی فرش پر پڑی ہوئی تھی اور کے دونوں طرف ادھرے ہوئے پاٹاڑ کے ڈھیر تھے۔ فریدی چند لمحے تیز نظروں سے کہ جائزہ لیتا رہا پھر ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔“ آپ نے شاید وہاں سے فائز کیا تھا۔ ”جی ہاں وہیں سے۔“

”آپ کے فائز سے کوئی رُخی ہوا ہے، کیونکہ باہر دیوار پر خون ہے۔“ ”اوہ..... میں نے ایک چیخ سئی تھی..... مگر.....!“ ”مگر..... کیا.....!“

”میں دشوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ چیخ ہی تھی۔ جتاب عجیب طرح کی آواز غصہ نات ہیں جو صرف دو بیرون سے چلتا ہے۔“ ”گریٹا.....!“ سعید بابر بڑھ لیا۔

”نہیں گو ریلے کے پیرسپاٹ ہوتے ہیں۔ تکوؤں میں اتنی گہرائی نہیں ہوتی..... یہ دیکھئے۔“ ”یقین یقین۔ جو کچھ میں نے ساتھا عرض کر دیا۔“ ”اس کھڑکی کے نیچے کچھ بڑے عجیب قسم کے نشانات ہیں۔“ فریدی نے دیوار کی طرف

لہبیر  
ن پا چھ پر گھست گھست کر بھیگ مانگتا رہا۔ خواہ میری جان چلی جائے میں اس آدمی کو سزا دیئے  
نہیں جاؤں گا، جو اس حرکت کا ذمہ دار ہے۔ آپ خود سوچنے لاگر آپ کا کوئی بھائی....!  
آپ نے الائیٹ بک میں تحقیق کی تھی۔

”میں ہاں..... ہر ماہ تین ہزار کا ڈرافٹ رشید بابر کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہا تھا اور  
رشید بابر کے چیک پر ادا لگی ہوتی رہی تھی۔ میرے یہاں چنچٹ سے تین دن قبل آخری رقم  
کا اس ہزار نکالی گئی اور اسی دن شام کو میرے بھائی کی لاش ایک فٹ پاتھ پر ملی۔ میرے  
خدا..... تھی زبردست ٹریجندی ہے۔“

”پہلے ڈرافٹ پر کس نے تصدیق کی تھی کہ یہی رشید بابر ہے۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”محمد داراب نے۔“

”یہ کون ہے۔“

”داراب ایڈ کمپنی کا پروپریٹر..... اس کی فرم ہم سے لین دین رکھتی ہے۔ میں نے اسے  
کو بنا تھا کہ وہ اس ڈرافٹ کی تصدیق کر کے رشید بابر کا اکاؤنٹ کھلوا دے۔“

”آپ اس سلسلے میں اس سے ضرور ملے ہوں گے۔ قدرتی بات ہے۔“

”میں ہاں..... میں اس سے بھی پوچھ چکا ہوں۔“

”وہ کیا کہتا ہے۔“

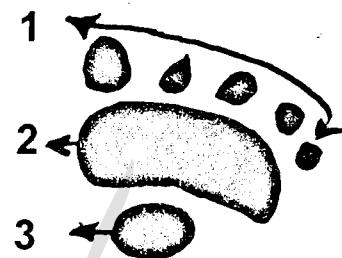
”اُسے کچھ یاد نہیں۔ بات پانچ سال پرانی ہے۔ میرے یاد دلانے پر اس نے یہ تعلیم  
کیا کہ اس نے میرے لکھنے پر کسی کے ڈرافٹ کی تصدیق کی تھی۔ جب اس کا نام بھی  
اینکو تمہری صورت ملک یاد رکھنے کا سوال ہیں پیدا ہوتا۔“

”داراب سے آپ پہلی بار کب ملے تھے۔“

”بلی، بھی حال ہی میں۔ البتہ کاروباری تعلقات شاید پورہ سال پرانے ہیں۔“

”یعنی اس ڈرافٹ کی تصدیق سے پہلے اس نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔“

”میں نہیں..... میں نے عرض کیا تاکہ ابھی حال ہی میں میں ہم دونوں ایک دوسرے کے  
کھلت آشنا ہوئے ہیں۔“



”یہ انگلیاں<sup>(1)</sup>..... یہ انگلیوں کے<sup>(2)</sup> نیچے کا ابھار..... اور یہ گول<sup>(3)</sup> نشان..... جو ایسا ہے  
ہو سکتا ہے۔ ایڈی اور انگلیوں کے نیچے کے ابھار کا فاصلہ دیکھئے۔ تو کے کتنے گھرے ہی  
گوریلے کے تکوؤں میں گھرائی نہیں ہوتی۔ یہ کسی آدمی کا پیر ہو ہی نہیں سکتا۔ مختلف قسم  
جانوروں کے متعلق ”میری معلومات کم نہیں ہیں۔ مگر یہ پیر..... یقیناً میری معلومات کے<sup>(4)</sup>  
سے باہر ہے۔“

”پھر یہ کیا ہے۔“ سعید بابر کی آواز حلقوں میں چھپنے لگی تھی۔

”خدا بہتر جانتا ہے.....!“ فریدی سیدھا کھڑا ہوا بولا۔ ”میں اپنے فوٹو گرافر کو فون کیا۔  
بانانا چاہتا ہوں..... آپ کافون استعمال کروں گا۔“

”اوہ..... ضرور..... ضرور.....!“

”فریدی نے دوبارہ عمارت میں داخل ہو کر اپنے محلے کے فوٹو گرافر کو فون کیا۔  
دونوں ڈرائیک روم میں آبیٹھے۔“

سعید بابر کا چھڑا زرد تھا اور ہونٹ خلک ہو گئے تھے۔ فریدی نے ایک بار بھائے نو  
دیکھا اور باہر چلی ہوئے انہیں میں گھورنے لگا۔ پھر اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”حتیٰ جلد ہو سکے آپ یہاں سے چلے جائیے۔“  
سعید بابر نے اپنے خلک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔  
”کوئی صاحب میرا بھائی اگر ایڈیاں رکڑ کر مر گی۔ میں اُسے تین ہزار روپیہ بھجوں گا۔“

باب میں سعید بابرے نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔



مدان اپنے گھر میں ایک طرح سے قید ہی تھا۔ وہ تنور کی عدم موجودگی میں بھی گھر سے نہیں کالا سکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا بھی تو اسے اپنی اس ناقابت اندریشی پر زندگی بھر پیمانی پر کہہ یہاں تنور کی حکومت تھی۔ اگر وہ گھر سے باہر جانے پر زور دیتا تو ملازمین اس کی بے نام کر بیٹھتے۔

”اپنی ماں کی سخت گیر یوں سے نجک آگیا تھا۔ مگر تھر درلوش پر جان درلوش، اس میں اہت نہیں تھی کہ اس کے خلاف آواز اٹھا سکتا۔ اُس کی دافنت میں اس کی ماں کریک تھی۔“  
”اپنی ماں ہی کا بیٹا تھا۔ وہ زیادہ تر اُنکی ہی حرکتیں کرتا جو تنور کو ناپسند تھیں۔“

آج صحیح تنور کہیں گئی ہوئی تھی۔ دو باذی گارڈ اس کے ساتھ تھے۔ عدنان کے باذی گھر پر موجود تھے۔ اس نے انہیں طلب کیا۔

”تم دونوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی بڑا کام بھی کیا ہے۔“ عدنان نے بڑی حقارت پوچھا۔

”دونوں خاموش رہے۔“

”کیا تم بہرے ہو۔“ عدنان گرجا۔

”نہیں جتاب! ہم آپ کا سوال ہی نہیں سمجھ سکتے۔“

”تم بڑا کام نہیں سمجھتے۔ کیوں؟“

”مجھے تو ہیں۔۔۔ مگر سوال کا مقصد سمجھے بغیر جواب کیسے دیا جاسکتا ہے۔“

”آن تھیں ایک بڑا کام انجام دیتا ہے۔“

”تمائیں۔۔۔“

”اُس کرے کا تالا توڑیں گے جس میں مادام تنور کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا ہے۔“

”اُس سے یہ نہیں ہو سکے گا جتاب۔“

”جب تو وہ اس واقعہ کو بھلا دینے میں حق بجانب ہے۔“ فریدی نے کہا۔  
”کیوں۔۔۔ میں نہیں سمجھا۔“

”اگر وہ آپ کو پہلے دیکھ چکا ہوتا تو رشید بابرے اسے آج بھی یاد ہوتا۔ مخفی اتنی قرعہ مشابہت کی بناء پر حیرت انگیز چیزیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ کیوں۔۔۔ مثلاً یہ آپ کی سکریٹری میں قصہ مجھے یاد رہے گا۔“

”اور شاید میں اسے قبر میں یاد کر کے تحریر ہوتا ہوں۔“ سعید بابرے نے خلک لجھ میں کہا۔  
”یہ لوکی لسلی براؤن کب سے آپ کے پاس ہے۔“

”تقریباً تین سال سے۔“  
”آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”می ہاں۔۔۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“

”تو پھر نیروں سے آئی ہوئی اطلاعات غلط ہوں گی۔“ فریدی نے خلک لجھ میں کہا۔  
”کیا مطلب۔۔۔!“ سعید بابرے میساختہ چونک پڑا۔

”میں نے آج ہی بذریعہ واڑیں میں گرفتاری یہ معلومات بھی پہنچائی ہیں کہ آپ کا ذرا سے تعلق رکھنے والا ایک فرد بھی لسلی براؤن ناہی کسی بڑی کوئی نہیں جانتا۔“

”اوہ۔۔۔!“ سعید بابرے ہنسنے لگا۔ فریدی استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا رہا۔  
”آپ نے سبھی پوچھا تھا کہ وہ کب سے میرے پاس ہے۔“

”ہاں! سبھی پوچھا تھا۔“

”یہ تو نہیں پوچھا تھا کہ وہ میری سکریٹری کب سے ہے۔ اگر آپ یہ پوچھنے تو میرا کرتا کہ وہ صرف کاغذات پر میری سکریٹری ہے اور کاغذات پر بھی اُس وقت آئی جب پاسپورٹ بنوانے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ میرے اور اس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہوتا۔“

”چ پوچھئے تو یہ سفر مخفی اسی کے اصرار پر ہوا تھا، مگر اب۔۔۔“  
سعید بابرے ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”اب میں نے اُس کھو دیا ہے۔“

”محبوب۔۔۔!“ فریدی مسکرا لیا۔

”کیا تم میرا حکم مانتے سے انکار کر رہے ہو؟“

”جہاں مادام تنور کی کوئی بات آپڑے وہاں ہم تھیں انکار کر دیں گے۔“

”میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“ عدنان گرجا۔

”گولی مار دیجئے..... مگر یہ بڑا کام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔“

عدنان خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دری بعد مسکرا کر زم لجھ میں بولا۔ ”مادام تنور کو اس مان کرنے لگا۔ قفل کھلنے میں دری نہیں گلی۔ اُس نے دروازے میں تھوڑا سا درہ کیا۔ کر کے عدنان بچھا کر رہا تھا۔“ اُس نے دروازے میں تھوڑا سا درہ کیا۔ عدنان جو تنور کا بیٹا تھا نہیں ہونے پائے گا۔ تم آخر اتنا ذرا تے کیوں ہو، تم میرے باڑی گارڈ ہو۔ تمہارے قفل پر میں مہربی تار کی تھی۔ اندر سے ایک عجیب قسم کی بدبو کا بھپکا آیا لیکن عدنان جو تنور کا بیٹا تھا دروازہ کھول کر دھڑ دھڑ اٹا ہوا اندر گھس گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ راہداری میں تھا۔ اُس کے راست مجھ سے ہے۔ تمہارے افعال کے لئے میں جواب دہوں۔“

”ہم مجبور ہیں جتاب۔“

وہ دونوں من لٹکائے ہوئے چلے گئے۔ عدنان کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر انہوں نے اپنے سر پر عور کھکھا گئی۔ عدنان کے گھنٹوں اور سر میں کافی چوٹیں آئیں۔ تنور کے بغیر آفس کی طرف چلا گیا۔ یہاں تین لوگیں کلرک تھیں، جو تنور کے غیر اخراجات دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ عدنان نے ان میں سے ایک کو الگ بلایا، یہ لوگی ابھی حال ہی: ”لازاہ بند تھا لیکن قفل نہیں راہداری کے فرش پر پڑا دکھائی دیا۔ انہوں نے خوفزدہ نظروں سے آئی تھی اور شاید اسے اس عمارت کے کمپنیوں کے متعلق کچھ نہیں معلوم تھا، تنور کو بھی اُس۔ الک دوسرے کی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔ وہ اسے سہارا بٹے ہوئے راہداری سے نکال لائے۔“

یہ اتفاق ہی تھا کہ ٹھیک اُسی وقت تنور بھی آپنی۔ عدنان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ ری گئی۔ اُس نے باڑی گارڈوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ پہلے تو وہ پہنچاتے رہے، لیکن پھر لٹکتا ہی پڑا کہ عدنان نے اُس کر کے کا قفل کھول لیا تھا۔

”تو نیو بے تکا شد ووڑتی ہوئی راہداری میں چل گئی۔“ عدنان ایک کرسی میں پڑا اپنپا رہا۔

”میں تم دونوں کو جان سے مار دوں گا..... سمجھے!“ وہ انہیں گھنٹہ دکھا کر بولا۔

”ہم کیا کرتے جتاب۔“

”شش اپ.....!“

”چار منٹ بعد تنور یہاں آگئی، لیکن اُس کا مودہ بہت خراب معلوم ہو رہا تھا اور اس کے بیٹھنے کا چاپک تھا۔“

”عدنان! کھڑے ہو جاؤ۔“ اُس نے تھکمانہ لجھ میں کہا۔

”اگر تم میری مدد کرو گی تو ہم ہمیشہ کے لئے گھرے دوست بن جائیں گے۔“

”ہاں..... ہاں..... بتائیے۔“ لوگی نے کہا۔ عدنان عورتوں کے لئے پرکش تھا۔

”میری ماں یہو بہت پسند کرتی ہے، مگر مجھے نہیں کھانے دیتی۔ میں اس کے لیے بیوی چاہتا ہوں۔“

لوگی ہنسنے لگی اور عدنان بولا۔ ”میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ایک کرے میں بیوی اسٹاک رہتا ہے۔ میں تمہارے لئے بھی نکال لاؤں گا۔ بس تم راہداری کے سرے کہا۔“

”بھی رہتا کر کوئی اُدھر آتی نہیں رہا ہے۔“

”چلے.....!“ لڑکی پھر فٹ پڑی۔ وہ دونوں اُس راہداری میں آئے جس کے دوسرے پر اُس پر اسرا رکھ کرے کا دروازہ تھا۔ لڑکی راہداری کے اسی سرے پر رک گئی۔

عدنان نے جیب سے ایک مژا ہوا تار نکالا اور دروازے میں پڑے ہوئے قفل پر ہاتھ عدنان خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دری بعد مسکرا کر زم لجھ میں بولا۔ ”مادام تنور کو اس مان کرنے لگا۔ قفل کھلنے میں دری نہیں گلی۔ اُس نے دروازے میں تھوڑا سا درہ کیا۔ کر کے عدنان بچھا کر رہا تھا۔“ اُس نے قفل پر میں مہربی تار کی تھی۔ اندر سے ایک عجیب قسم کی بدبو کا بھپکا آیا لیکن عدنان جو تنور کا بیٹا تھا نہیں ہونے پائے گا۔ تم آخر اتنا ذرا تے کیوں ہو، تم میرے باڑی گارڈ ہو۔ تمہارے قفل پر میں مہربی تار کی تھی۔ اُس نے قفل پر میں مہربی تار کی تھی۔

”لہٰذا اسی طرف دھڑ دھڑ اٹا ہوا اندر گھس گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ راہداری میں تھا۔ اُس کے

لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔ وہ اسے سہارا

بچھا کر رہا تھا۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

”لہٰذا اسی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔“

عدنان چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ چاروں بادی گارڈوں ہیں کھڑے تھے۔  
”تم لوگ جاؤ۔“ عدنان نے آن سے کہا۔

”نہیں..... وہ نہیں نہیں گے۔“ توری نے سرد لمحے میں کہا۔ ”تم اپنے ہاتھ اور پالوں اُنی چکی لیتا۔

عدنان نے ہاتھ بھی اٹھا دیئے۔ توری کا چاپک والا ہاتھ حرکت میں آگیا۔ دہ سعید بابر کی کوشی کے چکر لگانے لگا۔ دن میں کئی کئی بار کوئی نیا سوال تیار کر کے جائیجھتا ”شامیں... شامیں۔“ عدنان کے پشت پر چاپک پڑ رہے تھے اور وہ ہونٹ بھینچ کر اس بات پر بے تحاش خوشی کا اظہار کرتا کہ حکم سراغ رسانی کے دو بہترین دلائے ”میں گن رہا ہوں۔“ عدنان نے تلخ لمحے میں کہا۔

”لگتے رہو،“ توری کا ہاتھ تحریر سے چلنے لگا۔ ”یہ پھر پنیں..... میرے جسم پر پڑ رہے ہیں مادام توری..... مگر میرے سینے میں بھی ہے اُنے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا۔ وہ حمید کو ہآمدے ہی میں ٹھی اور اُس کے سر پر دونوں مسلط کا دل ہے۔“

”تمہاری دھمکیاں مجھے اور زیادہ سنگدل بنادیں گی۔“ توری بولی۔ لیکن اس کا ہاتھ چلا رہا کسی میں اتنی بہت نہیں تھی کہ اسے روک دیتا۔ بادی گارڈ کھڑے کاپتے رہے۔ اُنی گھر موجوں نہیں ہے۔“

”میں بس نہیں کہوں گا..... مادام توری۔“ عدنان نے کہا۔ ”اور نہ رحم کی درخواست کروں گا۔“ توری کا ہاتھ رک گیا۔ چاپک فرش پر ڈال کر وہ کری میں گر گئی۔ اس کی آنکھیں خونخوار نظر آ رہی تھیں۔ اچاک عدنان نے چاپک اٹھایا اور چاروں بادی گارڈوں پر ٹوٹ پڑا۔

”لوکے پھو..... میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔“ بادی گارڈ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ نکلے۔

”مزما تو تم نے آج کل ہم لوگوں کو دے رکھی ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”کیا آپ لوگ نیروں سے ہوا راست نہیں معلوم کر سکتے۔ میں آپ کو اپنے عزیزوں اور اشرداروں کے پتے دے سکتی ہوں۔“

”کیا وہ لوگ اُس کی بھی تصدیق کر سکیں گے کہ تم سعید بابر کی سیکریٹری ہو۔“ لُوکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے کی رنگت بڑی تیزی سے بلد رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھایا۔ اُس کی آنکھیں گلکن تھیں اور چہرے پر پلکے زیادہ زماہب تھی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”نہیں اُس کی تصدیق نہیں کر سکیں گے۔“

”اُس کا جواب وہی ذیل کتابے سکتا ہے۔ لیکن اب تو وہ مجھے لسلی براؤن ہی حلیم حمید پھر حمید نہ ہرا..... ظاہر ہے کہ عورت اُس کے حصے میں آئی اور گھنی فریدی کے حصے میں۔“

## میجر دارا ب

حمد کے لئے یہ گھنی عجیب تھی۔ مگر اسے اس گھنی میں کوئی چکپی نہیں تھی۔ جس الجہاں میں کسی عورت کو بھی دخل ہوتا تھا، وہ کم از کم حمید کی ڈھنی جنماںک سے چھاہی رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ حمید پھر حمید نہ ہرا..... ظاہر ہے کہ عورت اُس کے حصے میں آئی اور گھنی فریدی کے حصے میں۔

”آپ میرے ساتھ باہر جل سکتی ہیں۔“  
”ج.....!“ لڑکی پر سرت انداز میں چلتی۔

”میں ہاں.....!“

”مگر یہ.....!“ لڑکی نے نوکروں کی طرف دیکھا۔

”میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“ حمید نے نوکروں سے کہا۔

”صاحب کی اجازت نہیں ہے۔“ ایک نوکرنے بڑے ادب سے جواب دیا۔

”ان سے کہہ دینا کپتان صاحب اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔“

”آن کا انتظار کر لیجئے تو بہتر ہے۔“

حمدی نے بات آگئیں بڑھائی۔ وہ سمجھتا تھا کہ لڑکی اس طرح باہر نہیں جائے گی۔ لہذا

”اس نے بھی مناسب سمجھا کہ سعید کا انتظار ہی کرے۔“

آج کل ہائی سرکل نائنٹ کلب میں قص کے پروگرام ہو رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ

اگر یہ لڑکی اس کے ساتھ ہوئی تو کلب میں اس کی خاصی دھوم رہے گی۔

اُسے تقریباً آدھے گھنٹے تک سعید بابر کا انتظار کرنا پڑا پھر جیسے ہی وہ آیا حمید اسے اپنے

ساتھ لیتا ہوا اندر چلا گیا۔ لڑکی برآمدے ہی میں رہ گئی۔

”میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں کپتان صاحب لیکن میری زندگی خطرے میں ہے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک آپ کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔“ حمید بولا۔

”میں ابھی تک دراصل اپنے ہی ایک معاملے میں ادھر کے چکر لگاتا رہا ہوں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”بھی بات یہ ہے کہ ویرا انکو اڑی سیکشن میرے ہی چارچ میں ہے اور میں آج آپ پر۔“

”حقیقت واضح کر رہا ہوں کہ دونوں لڑکوں کے انکو اڑی فارم ریکارڈ روم میں موجود ہیں۔“

”نہیں علیٰ براؤن اور مسٹر سعید بابر کی سیکریٹری۔“

”تمہرے خدا.....!“ سعید بابر منہ کھول کر رک گیا۔

”میں ہاں..... یہ متعلقہ کلرک کی غلطی ہے کہ اس نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ آپ خود

کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ مرد ہوئے کہتے ہوتے ہیں۔ کبھی تمہارے لئے شفعتی ہے  
بھریں گے..... روئیں گے۔ گزگزا میں گے اور کبھی اس طرح منہ پھیر لیں گے جیسے میر  
کھوں۔ ..... سعید بابر اور میں گھرے دوست تھے۔ ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے میں  
اُس سے چھپ کر ملتی تھی۔ کیونکہ افریقہ کے اگریز بہت متصب ہیں۔ وہ کالوں سے فرار  
کرتے ہیں حالانکہ سعید بابر بہترے اگریزوں سے بھی زیادہ حسین ہے گر اس کا تعلق کالما  
سے ہے۔ اور اب میں کہتی ہوں کہ افریقہ کے اگریز اپنے تعصب میں حق بجا بیس ہیں۔  
بابر مجھے یہاں اپنی سیکریٹری بنا کر لایا تھا اور اب یہاں آ کر ایک نئی مصیبت میں پھنسا رہا  
مقصد میں نہیں جانتی کہ کیا ہو سکتا ہے۔ یہ ہمارا ایک تفریحی سفر تھا۔ ویسے وہ اپنے کی بھائی۔  
بھی ملنا چاہتا تھا۔“

”سعید کے آدمیوں کو تو اس کا علم ہو گا کہ تم اس کی سیکریٹری کی حیثیت سے سفر کرے  
والی ہو۔“

”کوئی نہیں جانتا۔ کسی کو بھی اس کا علم نہیں۔ میرے عزیز اور دوست ہیں مجھے ہیں کہ  
سفر موباسہ ہی تک محدود ہو گا۔ میں نے اُن سے یہی کہنا تھا کہ میں تین ماہ موباسہ میں  
کروں گی۔“

”یہی وجہ ہے کہ سعید بابر.....!“ حمید جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہو گیا۔

”ہاں! ہاں..... کہئے.....!“ بات ہر حال میں کہہ دینی چاہئے۔ آپکی زبان رک رک  
گئی۔ آپ یہی کہنا چاہتے ہیں تا کہ اسی لئے سعید اور زیادہ مختاری سے جھوٹ بول رہا ہے۔

”خداع جانے.....! میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”ہاں..... آپ مجھے اس قید سے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں اچھی خاصی قیدی ہوں۔“

الامور کے دفتر سے سعید کو ہدایت ملی ہے کہ انکو اڑی کے دوران میں وہ مجھے اپنی گمراہی  
رکھے۔ مگر گمراہی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں کہیں قید کر دی جاؤں۔ سعید کے علاوہ میں اُر

کو یہاں نہیں جانتی۔ مگر تازہ ہوا اور کھلے آسمان پر تو ہر آدمی کا حق ہوتا ہے۔ ان دیواروں پر  
میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مر جاؤں گی۔“

سوچ سکتے ہیں کہ سیکشن کی کتنی بدنائی ہوگی۔“

”یقیناً..... یقیناً....!“

”بس یہی چکر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج سے میں اس لڑکی کو چکر دینا شروع کر دیں اس طرح کام نہیں بنے گا۔ لہذا میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“

سعید بابر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحے خاموش رہا، پھر تفکر آمیز لمحے میں بولا۔ ”ام اس لمحے کوہہ اس سے بہت مشابہ تھا۔“

الامور کی دفتر سے....!“

”مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کی عمرانی میں ہے، مگر آپ یہ نہ بھولئے کہ یہاں کے مجرم سراغ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے۔“

اسکے بعد حمید نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس کے قریب ہی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اسکے بعد حمید نے اپنے والی یونیورسٹی کی بھنی خوشیوں حمید کے ذہن پر بڑی طرح مسلط ہو گئی تھی۔ وہ اپنے حمیم سے اپنے والی یونیورسٹی کی بھنی خوشیوں حمید کے ذہن پر بڑی طرح مسلط ہو گئی تھی۔ وہ لسلی براؤن ضرور ملٹی چاہئے۔، ورنہ میں اس لڑکی کو گولی مار دوں گا۔ بھنی اسکے توہاٹھ دھوکا پر نہیں کیا چکر ہے۔“

کارہائی سرکل ناٹ کلب میں رکی، وہ دونوں ہال میں جانے سے پہلے فیجر کے کمرے

”غمز بہت جلد سزا کو پہنچیں گے۔“ حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت آمیز میں گھس گئے۔ فیجر کرے ہی میں موجود تھا۔ حمید کو دیکھ کر بڑے ادب سے کھڑا ہو گیا۔

”کرتل صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔“ اُس نے کہا اور لڑکی کو گھومنے لگا۔

”کہاں تشریف رکھتے ہیں۔“ حمید بوجھلا گیا۔

”ہال ہیں..... ہو سکتا ہے انہیں علم ہو گیا ہو کہ آپ ایک سروگوار ارشاب کے ساتھ یہاں کپتان صاحب۔“

”مجھے سے زیادہ محتاط آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا اور وہ دونوں کا رقص نرم بخوبی میں گے۔“

”میں بیٹھے گئے۔“

”وہ آپ کا کہنا مان گیا۔“ لڑکی نے کہا۔

”میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ اس لئے اس وقت تمہیں یہاں کی ایک بہترین تفریض گاہ میں لے جاؤں گا۔“

”اوہ..... آپ کا بہت بہت شکر یہ۔“

”تو سعید بابر نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”یقیناً..... مگر اس کا مقصد میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ ہم دونوں ابھی تک محض سوت۔“

”ش اپ.....!“ حمید جھملا گیا۔

”ارے نہیں کپتان صاحب۔“

دل بہت بلیلی شیدا کا ہے نازک گھیں

پھول گھوار میں یوں توڑ کہ آواز نہ ہو

”فرنچرٹوٹے کی آواز پسند کرو گے۔“ حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”اررر..... دیکھئے..... بس دور ہی رہئے گا۔ بقول شاعر..... جی ہاں،.... سر اپا ناز آپ کے ساتھ ہے اور آپ مجھ سے دھول دھپا کرنے چلے ہیں۔“

حمدید رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی یہاں کیوں آیا۔ بھلا فریدی کو کسی

ناٹ کلب سے کیا سروکار۔  
”میں فی الحال بیہن بیٹھوں گا۔“ حمید نے اس سے کہا۔ ”جب فریدی صاحب پر جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔“  
”گویا میں وہاں جا کر یہ دیکھتا رہوں کہ وہ کب تشریف لے گئے۔“  
”ہاں.....!“

”کیا آپ مجھے کوئی گراپڈ آدمی سمجھتے ہیں۔“ فیجر نے اکڑ کر انگریزی میں کہا۔  
”اگر تم نے انگریزی میں اپنی قابلیت کا انھمار کیا تو تمہاری اگردن مرور دوں گا۔“  
”آپ مجھے دھکار ہے ہیں۔“  
”تم بیٹھ جاؤ۔“ حمید نے لڑکی کی طرف مڑ کر کہا۔ مگر لڑکی غائب تھی۔ حمید دروازے کی طرف چھپتا۔ مگر وہ برآمدے میں بھی نظر نہیں آئی۔ حمید ہاں کی طرف دوڑا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا گیا۔ ریکریش ہاں میں بھی دیکھا لیکن وہ کہیں نہ تھی۔ بھروسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اُسے حقیقتاً کپاڈ ٹھنڈی کی طرف جانا چاہئے تھا۔ اگر لڑکی اسے جلد کرنکل گئی تھی تو ہاں میں جانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حالانکہ اب یہ یغقول ہی تھا لیکن پھر بھی اُس کے قدم کپاڈ ٹھنڈی کی طرف اٹھ گئے۔ وہ چھالک والی روشن طے کر رہا تھا کہ کسی نے پھر داراب کو نہیں پیچا دتا۔  
اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید جھنجلا کر پلنا۔  
”کیوں پریشان ہو۔“ اُس نے فریدی کی آواز سنی۔  
حمد خاموش ہی رہا۔ جواب کیا دیتا۔

”لڑکی کے غائب ہو جانے کا غم ہے۔“ فریدی چڑھانے کے سے انداز میں بولا۔  
”اوہ..... تو یہ آپ تھے۔“ حمید چونک کر بولا۔  
”بکواس مت کرو۔“ فریدی گزر گیا۔ ”تم اُسے لائے کیوں تھے؟“  
”مجھے تو قع تھی کہ میں اس سے کچھ معلوم کر سکوں گا۔“  
”کیا معلوم کیا۔“  
”بھی کہ کوئی خوبصورت لڑکی دیکھ نہیں ہھہرتی۔“

”تم نے میری ساری ایکسیم چ پٹ کر دی۔“ فریدی نے ناخنگوار لبھے میں کہا۔  
”پھر کوئی دوسرا ایکسیم بن جائے گی۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔“  
”میں بیہن موجود تھا..... پھر مجھے کیسے علم نہ ہوتا۔“  
”تو آپ نے اُسے نکل کیوں جانے دیا.....!“  
”مخفی اس لئے کہ تم اپنا وقت نہ باد کرو۔“  
”میں سعید بابر کو کیا جواب دوں گا۔“  
”اُسے جواب دینا تمہارے فرائض میں نہیں۔ تم اپنے روز ناچے میں نہایت اطمینان لے لسکتے ہو کہ تم پوچھ گجھ کرنے کے لئے اُسے اپنے ساتھ آفس لارہے تھے، ایک جگہ کار پر کرم کی کام سے اترے جب کار کی طرف واپس ہوئے تو وہ غائب تھی۔“  
”اُخڑا آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔“  
”یہاں میحر داراب موجود ہے۔ اس کے ساتھ دلارکیاں ہیں ان میں سے ایک کے ساتھ تم رقص کرو گے۔“  
”میں شاید ناچنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہوں۔“ حمید نے ناخنگوار لبھے میں کہا۔ ”میں پھر داراب کو نہیں پیچا دتا۔“  
”میں بتاؤں گا۔“ فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر ہاں کی طرف بڑھتا ہوا بولा۔  
”مگر وہ لڑکی۔“  
”اُسے جنم میں جھوکو..... میحر داراب کے ساتھ دلارکیاں ہیں۔“  
فریدی اُسے ہاں کے صدر دروازے تک لا یا۔  
”وہ اُدھر..... بڑی چینگ کے نیچے والی میز پر..... وہی میحر داراب ہے۔ اس کے نیب والی میز خالی ہے..... میں نے مخصوص کرائی ہے۔“  
”کیا آپ کو علم تھا کہ میں یہاں آؤں گا۔“  
”ہاں مجھے علم تھا اور یہ کوئی ایسی حرمت انگیز بات نہیں جس کے متعلق سوچنے میں تم اپنا انتہا بدار کرو۔ آج صح تم نے ریش سے کہا تھا کہ تم اسی برااؤن کو یہاں رقص میں لانے کی

کوشش کرو گے..... بُل اب جاؤ۔“

فریدی برآمدے سے کپاڈ میں اتر گیا۔ حید پر اب بھی اُسی لڑکی کی گشادگی کی فکر ہوا تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ اس طرح اور اتنی جلدی غائب کہاں ہو گئی۔ اب وہ پھر نیجر کے کرے کی طرف جا رہا تھا۔ نیجر نے اُسے دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور کری کی پشت سے لک گیا۔ حید نے اس پار اس سے کوئی نہ رہتا وہ نہیں کیا۔

”کیا تم نے اُسے کرے سے نکلتے دیکھا تھا۔“ حید نے اس سے پوچھا۔

”پرواہ نہ کچھے کپتان صاحب۔ یہ سنگل ایسے عی ہوتے ہیں۔“

دیکھیں محشر میں اُن سے کیا ٹھہرے تھے وہی بت وہی خدا ٹھہرے تھے

”میں شعر سننے کے موڑ میں نہیں ہوں۔ میری بات کا جواب دو۔“

”جی ہاں۔ میں نے اُسے باہر جاتے دیکھا تھا۔ ایک لڑکی نے اشادے سے اُسے بایا تھا۔“

”لڑکی نے....!“

”جی ہاں۔ آپ مطمئن رہئے۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا۔“ نیجر محتی خیر انداز میں مسکرا یا۔ حید مزید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اُس نے نیجر کے قہقہے کی آواز سنی۔ لیکن وہ اس وقت اس سے اپنے کے موڑ میں نہیں تھا۔

وہ ہاں میں آیا اور سیدھا اُس خالی میز کی طرف چلا گیا جو فریدی نے غالباً اسی کے لئے مخصوص کرائی تھی۔ نیجر داراب خاموش بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ تھی دلوں کیاں آپس میں اونچا آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ میر داراب ایک دبل اپلا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو حصی ہوئی تھیں۔ سرد طبیعت آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ظاہر ایسا ہو رہا تھا جیسے اُن لڑکوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ شاید وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن رہا تھا۔

حید نے لڑکوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک طویل سانس لی اور سینہوں کی طرح بڑداتا ہوا حچت کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں لڑکیاں سفید فام اور قبول صورت تھیں۔ اچانک ایک دیگر داراب کی میز کے قریب آ کر نہایت ادب سے جھکا اور آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ حید نے نیجر داراب کو اٹھ کر جاتے دیکھا۔ وہ اُس دروازے کے پاس رہا۔

پُر کرے میں داخل ہو رہا تھا جو ہاں میں کھلتا تھا ہو سکتا ہے کہ اُس کی کوئی ٹیکی فون کا لال رعنی ہو۔

اُبھی رقص شروع ہونے میں دریختی اور زیادہ تر لوگ ہاں ہی میں تھے، کچھی کچھی ریکری یعنی

اُن کی طرف سے موسیقی کی ایک لہر آتی اور پھر سکوت طاری ہو جاتا۔ شاید آپر ٹیر ما ٹکٹ کث

ر رہا تھا۔ حید بہت مغمون نظر آ رہا تھا۔ لڑکوں نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر گفتگو میں مشغول

ہو گئی۔ اتنے میں وہی دیگر آیا پھر ان کی میز کے قریب آ کر بولا۔ ”صاحب کسی ضروری کام

کے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کے لئے کہا ہے کہ آپ یہیں تشریف رکھیں گی۔“

”اوہ.....ٹھیک جاؤ۔“ ایک لڑکی بولی۔ پھر اُس نے دوسری کی طرف جوک کر آہستہ سے

کچھ کہا اور دونوں بیساختہ ہنس پڑیں۔ حید نے بھی تھہر لگایا اور جیسے ہی لڑکوں نے اُس کی

لہن دیکھا اُس نے گویا اپنے قہقہے میں بریک سالگا دیا اور پچھے پیشمان سا بھی نظر آنے لگا۔

لہلہ چد لئے اُسے غصیل نظروں سے دیکھتی رہیں، پھر انہوں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

حید پوکھلانے ہوئے انداز میں انھا اور ان کی میز کے قریب جا کر بولا۔ ”میں معافی چاہتا

ہاں۔“

لڑکوں نے پھر اسے گھوکر دیکھا اور حید ہکلایا۔ ”ایک بیوقوف آدمی سمجھ کر معاف

کر دیجئے۔ میں دوسروں کو پہنچتے دلکھ کر خود بھی پہنچنے لگتا ہوں۔ جو لوگ مجھ سے والق ہیں فوراً

ماں کر دیتے ہیں۔“

”تم ایسے ہو..... اسی لئے اپنی میز پر تھا نظر آ رہے ہو۔“ ایک لڑکی نے کہا۔

”نہیں اس کی وجہ تو دوسری ہے۔“ حید ایک کری سخنچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

ایک لڑکی کی آنکھوں میں احتجاج تھا لیکن دوسری بدستور مسکراتی رعنی بلکہ حید نے بھی یہ

انکھ کر اُس نے اس لڑکی کو آنکھ ماری تھی۔

”تم شاید شیری پیٹی ہو۔“ اُس نے دوسری لڑکی سے کہا۔ ایک لمحہ خاموشی رعنی پھر بولی۔

”لہلہ پورٹ پیٹی ہوتی ہوں۔“

حید نے دیگر کو اشارے سے بلا کر پورٹ اور شیری کے لئے کہا اور اپنے لئے کافی مٹکوا

لہا تھا کہ ایک لڑکی بولی۔ ”واہ..... تم کافی پیٹو گے۔ نہیں یہ غلط ہے۔ دیگر! لارج وسکی اور

”پیا کر رہے تھے آپ.....!“ وہ ہانپا ہوا بولا۔

”ہے..... تم آگئے..... مری جان..... باخو..... باخو.....!“

”نہیں..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”تمہیں بیٹھنا پڑے گا۔“ حمید نے اسے جھنجور کر زبردستی بھاد دیا۔

”ارے ارے..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں..... ہائیں۔“

”مجھے اشعار سناؤ..... میری جان.....!“ حمید جھک کر اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”میں اس وقت آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا..... آپ نئے میں ہیں۔“

”تم کتے کے پلے ہو..... مجھے شعر سناؤ۔“

”آپ میری توہین کر رہے ہیں۔“

حمد نے میز پر جھک کر اسے دونوں ہاتھوں سے دبوج لیا اور فیجر انٹھے کی کوشش کر رہا

اہ کے آس پاس قیچے ہی قیچے تھے۔ دیے چونکہ وہاں اونچے ہی طبقے کے لوگ آتے

اہ لئے ہڑبوگ صرف اسی میز تک مدد و درہی۔

لوکی نے پوس سے کچھ نوٹ نکال کر ویٹر کی لائی ہوئی ٹرے میں ڈال دیے اور پوس پر

امبی یہ دھینگا مشتی کی فیصلہ کن منزل پر نہیں پہنچی تھی کہ مجرم داراب آگیا۔ یہ سیاہ سوت

بلوس تھا اور دبلا ہونے کی وجہ سے غیر معمولی طور پر دراز قد معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے

نایت سے دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر میز کے قریب پہنچ گیا۔

”یہ میز میرے لئے مخصوص تھی۔“ اس نے سرد لبجے میں فیجر سے کہا۔

”اب آپ دیکھ رہے ہیں جناب مجرم صاحب..... یہ نئے میں ہیں۔“ فیجر ہانپا ہوا بولا۔

ٹھالا سے سکنا کہنے آیا تھا کہ یہ مجرم صاحب کی میز ہے۔

”کون ہے۔“ مجرم داراب نے حرارت سے پوچھا۔

”کہنیں جیں.....!“

”پہنچت اپ..... بل و دیو.....!“ حمید نے فیجر کو جھنجور ڈالا۔

”کہنیں پڑی..... میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ.....!“ داراب غریا۔

”غاؤں رو، پکھوے..... ورنہ میں تمہیں سینہیں دفن کر دوں گا۔“ حمید تن کر کھڑا ہو گیا۔

سوڈا یا جو یہ پسند کریں۔“

”لارج و سکی اور سوڈا۔“ حمید شنجی میں آ کر بولا۔ اس نے سوچا ایک آدھ گپ میل بگرے گا۔ انکار کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکیاں اُسے بالکل ہی چھپ سمجھ کر دھکار دیں۔

اگر فریڈی نہ کہتا تب بھی اُسے کم از کم ایک ساتھی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی۔

مگر جب دور شروع ہو جائے تو معاملہ ایک ہی آدھ گپ تک مدد و دنیں رہتا۔ لولیاں

عادی معلوم ہوتی تھیں، مگر حمید انہاڑی تھا۔ اس نے شاید زندگی میں دو ہی چار بار شراب لپا تھی اور ہر موقع پر کھوپڑی سے باہر ہو گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی ہوا اور پھر کھوپڑی سے باہر ہونے

کے بعد کہاں کی لڑکیاں اور کہاں کا قرض۔ حمید نے آگے پیچے جھول کر کہا۔

”میں..... جھولوں..... جھولوں گا.....!“

”پہلے مل ادا کرو۔“ ایک لڑکی بولی۔

حمد نے جھلا کر جیب سے پوس نکالا اور اسے میز پر پختا ہوا بولا۔ ”کیا غریب سمجھتی؟“

”مجھے..... میں..... لسل..... لسلی ہر اون ہوں..... ہاں۔“

لوکی نے پوس سے کچھ نوٹ نکال کر ویٹر کی لائی ہوئی ٹرے میں ڈال دیے اور پوس پر

حمد کی جیب میں ٹھوٹ دیا اور اس کے بعد وہ دونوں ہاتھ سے اٹھنے لگیں۔

”ہائیں..... میں..... بھی..... میں بھی۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ مگر وہ اتنی درمیں ہاں سے

نکل چکی تھیں۔ حمید نے قریب سے گزرنے والے ایک ویٹر کی گردان پکڑا۔

”بھی صاحب۔“ ویٹر بولکھا گیا۔ یہاں کے سارے ویٹر حمید کو پیچانتے تھے۔

”فیجر کو بھج دو..... میں شعر سننا چاہتا ہوں۔“

”اچھا صاحب....!“

حمد نے اس کی گردان چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم اُسے نہ لائے تو..... میں جھین خشم میں پہنچا دوں گا۔“

شامت اعمال کو فیجر خود ہی کسی کام سے اُدھر آٹکا تھا۔ اس نے حمید کو ویٹر کی گردان

پکڑتے دیکھا اور قریب قریب دوڑتا ہوا اس کی میز کی طرف آیا۔

”دیکھا مجرم صاحب۔“ فیجرا چل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ ”دیکھا آپ نے حضرت نے کلب کو کباڑ خانہ بنارکھا ہے۔ زبردست نہیں۔ اب آپ سے بھی بتریں رہے ہیں۔ خدا ان پولیس والوں سے سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔“ بقول شاعر۔“ دنیا کے خلاف کچھ لکھنے کا بہانہ مل جانا چاہئے۔ وہ فیجرا کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ ایک آرام کری میں گر گیا۔ اُس کے پیسے کی بوندیں تھیں اور آنکھیں سرخ۔ سانسیں چھٹی ہوئی تھیں۔ وہ تقریباً ایک منٹ حمید اور داراب ایک دوسرے کو خونخوار نظریوں سے گھوڑا ہے تھے۔ اچانک داراب بڑی پھرتی سے جھکا اور حمید کو اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اوپر اٹھایا۔ اسی طرح پڑا رہا تھا، پھر اس نے کا ارادہ کر رہا تھا کہ فیجرا کے میں داخل ہوا لیکن وہ کی یہ حرکت مجرم سے کم نہیں تھی۔ وہ بہت دلا تھا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت درلنی ازے عی کے قریب رک گیا تھا۔ چھائی رہتی تھی۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ وہ کسی زندہ آئی اچانک وہ شور چانے والے انداز میں کہنے لگا۔ ”زیادتی آپ عی نے کی تھی جتاب! آج چہرہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی اُس نے حمید جیسے تویی ہیکل آدمی کو اٹھایا تھا اور حمید اس پنے میری بہت بے عزتی کی ہے۔ میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ مجھ پر ظلم گرفت میں اس طرح ہاتھ پر مار رہا تھا جیسے کوئی نہما سا پچ کسی بڑے کی گود سے اتنے نہیں۔“

”مجید سید ہبیثت ہوا بولا۔“ مجھے افسوس ہے۔“ کوشش کر رہا تھا۔

سنگان سڑک

نیبر ہکا بکارہ گیا۔ اے حمید سے اس رویہ کی توقع نہیں تھی۔ شاید وہ سمجھا تھا کہ حمید مجرم  
اب کا غصہ اس پر اتارے گا۔  
”دیکھئے تا کپتان صاحب۔“ وہ آگے بڑھ کر ناصحانہ انداز میں کہنے لگا۔ ”آپ ایک  
وہ اے اسی طرح اٹھائے ہوئے چلتا رہا۔ ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا اور حمید کا نشہ تباہی پوزیشن کے مالک ہیں۔ آپ کو ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے آپ بعض اوقات  
آدمیوں کی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔“  
وہ تو کبھی کا ہرن ہو چکا تھا۔

سنگان سڑک

مُجَدِ داراب نے براہمے میں پہنچ کر آہتہ سے اُسے انداز دیا۔  
 ”اب تم مگر جا سکتے ہو.....!“ اُس نے سرد لبجھ میں کہا۔ ”اگر کھوپڑی پر کنٹروں نہیں“ تو پیتے کیوں ہو۔“  
 حمید کی مٹھیاں بھیجن گئیں لیکن قبل اس کے کوہ کوئی اقدام کرتا، مُجَدِ داراب اپنیلا  
 گھوما اور ہال میں چلا گیا۔ وہاں سبھی نشے کی تریگ میں تھے اس نے کسی نے بھی بھال کے  
 آنے کی رسمت نہیں گوارا کی تھی۔ لیکن اپنی جگہوں پر بیٹھے ہنستے رہ گئے تھے۔  
 حمید آہتہ آہتہ نیجیر کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ سارا ہر  
 رخصت ہو گیا تھا۔ ایسی بے عزتی سے کبھی اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نہیں؟

بیا ہو اگئے ہی حمید کی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔ اُس نے پاپ میں تمباکو بھری، اور پشت

”اب مجھے اپنی شکل نہ دکھانا سمجھے۔“ دوسری طرف سے فریدی کی غصیل آواز آئی۔  
یہ تک لگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے محجر داراب  
”بہت بہتر.....!“ حمید نے جلا کر کہا اور ریسیور کو کریٹل پر ٹھیک پر ٹھیک کر پھر اسی کری میں اگر پچھے کیوں لگایا تھا۔ اتنا اُسے معلوم ہوا تھا کہ سعید بابرے اپنے ہمشکل بھائی کے سلسلے میں  
شراب کا اثر تو ابھی باقی ہی تھا۔ دماغ میں گری تھی۔ خون جوش کھارہا تھا۔ اسے فرید بات مذکورہ کیا تھا۔ اُس کے پہلے ڈرافٹ پر سمجھ داراب ہی نے تصدیق کی تھی اور الائینڈ  
پر غصہ آگیا اور وہ سوچنے لگا کہ کل ہی اپنی پہلی فرصت میں استغفار دے دے گا۔ مگر کم از کم داراب کے متعلق یہ سوچا  
کہاں پر ہو گی..... اُس نے سوچا۔ کیوں نہ قاسم ہی کے گھر چلا جائے۔  
ہیں جاسکتا تھا کہ وہ تین ہزار روپے ماہوار پر اپنی نیت خراب کر میٹھتا۔ وہ لاکھوں میں بھی  
یہ سوچ کر وہ باہر نکلا۔ اس وقت دوبارہ ہال میں واپس جانا ممکن نہیں تھا۔ بے خیل ہم نے کروڑوں میں کھلتا تھا۔ اس کے لئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی رقم اتنی کشش نہیں رکھتی تھی کہ وہ  
وہ اس طرف چل پڑا جہاں کارکھڑی کی تھی۔ مگر کار وہاں موجود نہیں تھی۔ شاید فریدی اُسے کے لئے ایسی پراسرار و ادائیگی کرتا۔ فریدی نے تو اس کی لڑکوں میں سے ایک کے ساتھ  
نکرنے کو کہا تھا۔ مقصد کچھ بھی رہا ہو۔ حمید کو سب سی زیادہ جیرت اُس لاش نما آدمی کی  
نہ پتھی۔ اُس نے اُسے پھول کی طرح اٹھایا تھا۔

حمد کو ایک بار پھر اُس پر غصہ آگیا اور اُس نے ایک بہت بڑی قسم کھائی کہ وہ اُس سے  
ہاں توہین کا بدلت ضرور لے گا۔

حمد نے یہیں کمپاؤٹر میں لے جانے کے بجائے چھائی ہی پر رکوادی۔ کیونکہ قاسم  
لکھنی پڑھل رہا تھا۔ اس کے ساتھ سلیمان بھی تھی۔

”میں یہیں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“ قاسم نے کہا۔ ”مگر میں گھپلا ہو جائے گا۔“  
”لیکا بات ہے۔“

”یہ سالا..... سعید بابر..... مصیبت ہو گیا ہے۔“ اور سلیمان کی طرف دیکھنے لگا۔  
”ہاں..... یہ آدمی مجھے خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیوں میں ایسا محسوس کرتی  
ہیں۔“

”اُنہوں براخوش اخلاق ہے، مگر کوئی چیز..... نہ جانے کیا چیز ہے اس میں..... جس کی بناء  
اُنہوں خوف معلوم ہوتا ہے۔“

”مگر وہ تم لوگوں کے لئے کیوں مصیبت ہو گیا ہے۔“  
”میں نہیں پسند کرتا۔“

”لیکن میں پسند کرتے۔“

تحوڑی دیر بعد وہ ایک دوافروش کی دوکان سے قاسم کو فون کر رہا تھا۔

”ہیلو.....!“ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔

”میں حمید ہوں..... قاسم ہے مگر پر۔“

”میں سلیمان ہوں..... کہے حضرت خوب غالب ہوئے۔“

”بہت مشغول تھا۔ ذرا قاسم کو فون پر بلایے۔“

”ٹھہریے..... ایک منٹ.....!“

حمد انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ ”واوں..... واوں..... ہالو..... واوں.....  
واوں..... میں خاتا..... خارہا ہوں..... ہالو.....!“

”قاسم.....!“ حمید نے کہا۔ ”میں رات تمہارے یہاں بر کرنے آ رہا ہوں۔“

”ہا میں..... واوں..... واوں..... قیام طالب.....!“

”بس یونہی..... مگر نہیں جانا چاہتا۔“

”ہا چھا..... آ جاؤ..... آ جاؤ..... واوں..... واوں..... آہا ضارور آ جاؤ..... تم سے ابک  
ضاروری بات کرنی ہائے..... واوں..... واوں.....“

حمد نے ریسیور رکھ دیا۔ باہر آ کر ایک یہیں کی اور قاسم کی کوشی کی طرف روانہ  
ہو گیا۔ سردی بہت زیادہ تھی اور آج ہوا بھی بہت تیز تھی۔ شراب کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا۔

”اس کی اور راطلہ کی دوستی..... وہ دن میں کئی بار آتا ہے۔ دونوں میں سر پوشیاں ہیں کہ وہ قاسم کی ہاں میں ہاں ملائے۔ رہتی ہیں۔“

”سر پوشیاں ..... کیا....!“  
”سر پوشیاں نہیں جانتے۔“ قاسم نے قہرہ لگای۔ ”بڑے قابل بننے ہو، کان پکر تو تادل“ بدل کئے، وہ گھر ہی پر موجود تھا۔ اُس نے اُسے وہ بڑی خبر سنائی اور سعید بابر کے

حید نے ہاتھ بڑھا کر قاسم کا کان پکڑ لیا اور قاسم مکرا کر بولا۔ ”ٹھیک ہے... اپے پہلے ہی کہا تھا..... اب بتائیے! میں ناظم الامور کے دفتر کو کیا جواب دوں گا۔“  
”آپ نہایت اطمینان سے اس کا سارا باری یہاں کے ٹکڑے سراغ رسانی پر ڈال سکتے ہیں۔“

”لیے بے تحاشہ نہیں پڑی۔“  
”ابے سرگوشیاں ..... لم ڈھگ ....!“  
”ہا کیں ..... تم نے میرا کان پکڑ رکھا ہے۔“ قاسم اس کا ہاتھ جھکلتا ہوا بولا ”وہو، یہاں جو مرے ساتھ آئی ہے۔“

”ب جہنم میں جائے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”طلسلی مجھے واپس ملنی چاہئے۔ وہ باز..... میں نے تم سے اپنا کان پکلنے کو کہا تھا۔“

”ایک ہی بات ہے۔“ حید نے کہا۔ پھر وہ سلیسے سے بولا۔ ”کیا آپ کوئی ان دونوں باتیا ہوا ہے۔“  
”ملتا ناگوار ہے۔“

”میں نے صرف یہ کہا تھا کہ بابر جو کچھ بھی نظر آتا ہے، حقیقتاً نہیں ہے۔“  
”آپ کے پاس کوئی ثبوت بھی ہے..... یا یہ محض قیاس ہے۔“  
”میں محسوس کرتی ہوں۔“

”ان سے زیادہ میں محسوس کرتا ہوں۔“ قاسم بولا۔ ”اس سالے کو مرغ ہانا چاہئے۔“ ”وہری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔“ حید نے کہا۔ ”ہیلو....!“

”نے دیکھا نہیں وہ کتنا کمینہ..... اُس بیچاری چلپی براؤن کو ساتھ لایا اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ ”شی.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں گر میری وہ تو اُسے پہچانتا ہی نہیں۔“

”مہت پکھ کر رہے ہیں آپ مطمئن رہئے۔“ حید نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر ”طلسلی براؤن .....“ حید نے صحیح کی۔

”میرے ٹھیکنے سے وہ کوئی براؤن ہو۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بڑا کمینہ آدمی ہے۔“  
”ذھناً حید کو خیال آیا کہ اُسے طسلی براؤن کے متعلق سعید بابر کو فون کرنا چاہئے۔ اُس نے قاسم سے کہا کہ وہ سعید بابر کو فون کرنا چاہتا ہے۔ قاسم کے استفار پر اُس نے بتایا کہ ”دعا“ سعید بابر کو ٹھیک کرنے کے چکر میں ہے۔ قاسم کی چھت کے نیچے رات برس کرنے کے لئے

”اپنے لئے کچھ بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔“ حید نے مسکرا کر کہا۔ ”میری زندگی ہائیز اگریز دن وہ ہو گا جب کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔“

”مگر اس دن آپ مغموم بھی ہوں گے۔“ سلیمانہ بولی۔ ”کیونکہ کوئی زندہ لاکر تو ہر کانٹاں تو ہر گز نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے مگر اسے کسی آدمی کے پیرو کانٹاں سمجھنے میں بھی باری پیش آئے گی۔ اسے کسی آدمی کے پیرو کانٹاں سمجھنے میں مجھے تال ہے۔“

”میرے لئے یہ موضوع بہت زیادہ المناک ہے۔ اس لئے اسے بیٹھ ختم کرو۔“ ”ہو سکتا ہے وہ نشان محض دھوکا ہی ہو۔ میں نے آپ عی کے کسی کیس میں پرندوں کے بیل کے نشانات کے متعلق پڑھا تھا۔ مگر وہ جو توں کے تلے میں لگے ہوئے خاص قسم کے بیل کے نشانات ثابت ہوئے تھے۔

فریدی کی کار تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی سنان سڑک پر تیرتی رہی۔ لیڈی انپریز اس کے برادر بیٹھی ہوئی اندر ہرے میں آنکھیں چھاڑ رہی تھی۔ اُس نے کچھ کہنے کے ہونٹ کھو لے اور پھر بند کر لئے۔ فریدی کی نظر و غسلہ پر تھی۔ اپاٹک وہ بولا۔

”ہماری یہ ہم خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں ساتھ لانے سے احتراز کر رہا ہو۔“ آپ فکر نہ کیجئے۔ اس کی تمام ترمذہ داری خود مجھ پر ہے۔ آپ بتائیے کیام یہ یقیناً غیر واضح ہوئے۔ مگر ہمیں ایک نشان بھی ایسا نہیں لاماحہ غیر واضح ہوتا۔“

”اگر تم صرف تعاقب کرنے کے آرٹ پر زور دو تب بھی تمہارا مستقبل محفوظ ہی۔“ میں اس وقت جس مہم پر جا رہا ہوں، وہ کم از کم کسی عورت کے بیس کی نہیں۔“

”آپ کہاں جا رہے ہیں۔“

”باليکمپ..... وہاں ایک آدمی رہتا ہے جس تک پہنچنے کے لئے کافی دشوار یوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑی سی ورزش بھی کرنی پڑے۔ ورزش کا مطلب یا سمجھتی ہی ہوگی۔ نہیں میں تمہیں وہاں تک ہرگز نہیں لے جاؤں گا۔ تم چڑھائی والے ہوں میرے فون کا انتظار کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں فون کرنے کی ضرورت محسوس کر دوں۔“

”ہے کہ بات بڑھ جائے اور باليکمپ کے تھانے سے مدد طلب کرنی پڑے۔ یہ کام تم وہ انجام دے سکو گی۔“

”اگر وہ ایسی ہی خطرناک جگہ ہے تو آپ وہاں تھا کیوں جائیں۔“

”اچاک کار کی داہنی سمت سے ایک تیز رفتار موڑ سائیکل نگلی اور نمیک کار کے سارے دوڑ نے گئی۔ کار سے اس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دس گز رہا ہوگا۔ فریدی نے چاہا کہ اپنا کار داہنی طرف سے آگے لے جائے لیکن اس کی کار کی ہینڈ لائنس کا ڈاٹریکشن بدلنے عورت سائیکل اب بھی سامنے ہی تھی۔ فریدی نے باسیں جانب سے نکلا چاہا لیکن اس بار بھی وہ واقعہ پیش آیا۔

فریدی نے روپور والا ہاتھ کھڑکی کے باہر نکلا۔ موڑ سائیکل، سوار سمیت کار کی اگلی سی منہائی ہوئی تھی۔ فریدی کھڑکی کی طرف جھکا۔ گھر ریکھا کی ظہرا شیرگ پر رکھے ہوئے رہ چکی۔ اچاک فریدی کے مت سے بلکل ہی کراہ ٹھلی اور کار ایک جھلکے کے ساتھ رک گئی۔ ریکھا رہنیں بورڈ سے جاٹکرایا۔ فریدی نے پورے بریک لگائے تھے۔ موڑ سائیکل فرائٹے بھرتی آئے نکل گئی۔ فریدی کا داہنی ہاتھ اب بھی کھڑکی کے باہر ہی تھا اور وہ کسی چیز کو باہر طرف رکھی کوشش کر رہا تھا۔

”انجمن بند کر دو.....!“ اُس نے ہاتھ پتے ہوئے کہا۔

ریکھا بوجکلا گئی۔ کار کے اندر اندر ہم اتحا۔ بہر حال اُس نے بڑی بھرتی سے انجمن بند کیا۔ ”روشنی.....!“ فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ ریکھا کی ہارچ اس کے زانوں کے بی پڑی تھی۔ اُس نے کھڑکی میں اس کی روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے سے بلکل ہی چیخ نکل گئی۔ فریدی کی داہنی کلائی ایک خوفناک کتے کے جیڑوں میں تھی۔ فریدی نماہیں ہاتھ سے اس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا اور وہ غرانتا ہوا دوسرا طرف پلٹ گیا۔ باہر پوری طرح روشنی پڑ رعنی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دراز قدم کتا تھا۔ رنگت سیاہ تھی۔ جنم اہلات گرے ہاؤٹ کی سی تھی۔ سر پر تین سفید دھاریاں تھیں۔ کتنے ایک بار پھر لگ لکائی اور آدمی حصہ سے کھڑکی میں گھس آیا۔ ریکھا پھر جتھی۔ اُس بار فریدی نے اسے باہر دھکیل دیا۔

”تمہارا پستول..... ہارچ جلاو۔“

ریکھا نے پھر ہارچ روشن کی۔ بدقت تمام بیاوز کے گریبان سے پستول نکلا۔ اس لال ملٹ فریدی نے کھڑکی کا شیشہ چڑا دیا۔ کتابچل اچھل کر اس پر پنج مارہا تھا۔ فریدی

”بالکل گدھا ہے کیا.....!“ ریکھا بڑا ای۔

”نہیں شاید میں گدھا بننے والا ہوں۔ ہارچ اور روپور سنبھالنا۔“

”خطرو.....!“ ریکھا بڑا ای۔

”یقیناً..... اب اس کی رفتار بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ یا تو مجھے رفتار کم کرنی پڑے گی یا کالہ روکنی پڑے گی۔“

بھر فریدی نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھا گمراہ پچھے سڑک سنان پڑی تھی۔ نزدیکی دو کہیں بھی کسی کار کی ہینڈ لائنس نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔

”کیا قصہ ہے۔“ فریدی بڑا ای۔

”کیا میں اس کے پچھلے پہنچے پر فائز کروں۔“ ریکھا نے پوچھا۔

”نہیں..... یہ کام میں ہی کروں گا۔“

”کیسے..... سمجھے گا۔“

”دیکھو! بتانا ہوں..... گھر تھہر دو..... میں ایک بار اسے متنبہ کر دوں۔“

پھر فریدی نے چیخ کر کہا۔ ”اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو اب کار میرے قابو سے نکلنی ہے۔“

لیکن موڑ سائیکل سوار کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر فریدی نے جھلا کر رفتہ رفتہ ہی تھا۔ لیکن موڑ سائیکل والا بھی غافل نہیں تھا۔ ساتھ ہی موڑ سائیکل کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔

اب بھی دونوں کے درمیان پہلے ہی کا سافاصلہ تھا۔

فریدی نے کوٹ کی جیب سے روپور نکلا۔ اس کا ایک ہاتھ اشیرگ پر تھا۔ روپور کو گود میں ڈال کر داہنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرانے لگا اور ریکھا کا پ گئی۔ اس کی کچھ میں

نے شیشے کو تقریباً ایک انچ نیچے کھسکایا اور پتوں سے کتے پر فائز کر دیا۔ مگر اس نے یہ بھی انہیں کہتا بڑی پھرتی سے خود کو بچا گیا۔ اُس نے دوسرا فائز کیا لیکن اس بار بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ تیرے فائز پر کتے نے سڑک کے کنارے کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگادی۔ فریدی نے اُس سمت دو فائز اور کچھ لیکن جھاڑیوں میں جتنیں لٹک نہ ہوئی۔

پھر تقریباً دو یا تین منٹ تک وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

سارا جنگل جھینگروں کی جھائیں جھائیں سے گونج رہا تھا۔ کبھی کبھی گیدڑوں کی آواز آواز آپ کی کلائی سے خون بپہ رہا ہو گا۔“ ریکھا نے مضھل آواز میں کہا۔ بھی فضا میں امہر تھیں اور دوڑتک تیرتی چلی جاتی۔

”ہمیں نہیں سے واپس ہوتا چاہئے۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میرا ہاتھ پر ڈھنڈے خالی ہو۔“ ہو گیا ہے۔ مجھے فوراً الجلسن لینا چاہئے۔ کتاب غیر معمولی تھا۔

وہ نیچے اترا اور اپناریو اور اٹھا کر پھر کار میں آبیٹھا۔ انہیں اسٹارٹ کیا اور کار شہر کی طرز پکھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ”مجھ پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ تم ڈرائیور کرو۔ میں پچھلی موڑ نے لگا۔

”برادر اگیز کتا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”انہائی پھر تیلا..... یقیناً بڑی محنت سے سردا رہا۔ پھر نہیں..... سمجھیں۔“

فریدی نے کار روک دی اور پچھلی نشست پر جانے کے لئے اٹھا۔ لیکن دوسرا ہی لئے گیا ہو گا۔ مگر میں جانتا کہ وہ کس نسل سے ہے۔

”پروانہ کرو..... اس کے دانت ہڈیوں تک پہنچ گئے تھے۔ مگر آج تک میری نظروں۔“ ایسا تیز رفتار کتاب نہیں گزرا گیا وہ ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہا تھا۔ وہ موڑ سائیکل اسے سامنے آئی تھی کہ میں کار روک دوں اور کتاب مجھ پر حملہ کر دے۔

”آپ کو تو اسی موڑ سائیکل والے کو گولی مارنی چاہئے تھی۔“

”یہ کیسے ممکن تھا۔ میں نے اسی لئے تمہیں فائز نہیں کرنے دیا تھا کہ کہیں تھا اسکے بہک جائے۔ اس وقت تک ہمارے پاس اسے گولی مارنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔“

”پڑھنیں وہ مردود تھا کون۔“

”تم نے نہیں دیکھا کہ اس کے چہرے پر سیاہ نسب تھی۔“

”میں نے نہیں دیکھا تھا ورنہ آپ مجھے اس پر فائز کرنے سے بازنہ رکھتے۔“

## دوسرा سفر

”وہ خطرے سے باہر نہیں ہیں۔“ سول سرجن نے اس کمرے میں آ کر کہا۔ جہاں لیڈی ”لیخا اور سارے جنگ ریش موجود تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہوا یا اٹھا اٹھنے لگیں۔

”کاشتہ اگیز طور پر زہریلا معلوم ہوتا ہے۔“ سول سرجن نے پھر کہا۔

”لئے آئی جی اور ڈی آئی جی کو فون کر چکا ہوں۔“

”مع خطرے سے لگ کیا مراد ہے آپ کی۔“  
”یعنی..... وہ..... آپ کا ساتھ چوڑ بھی سکتے ہیں۔“  
”ہمیں.....!“ ریش بے اختیار چینا اور کسی پچ کی طرح بجھوٹ پڑا۔ اسے اپنے بزرگ بھل تھا کہ وہ پچھلی رات موت و حیات کی نکش میں بیٹا رہ چکا تھا۔ صرف پٹی کے علاوہ سے بہت محبت تھی۔ وہ جو آفیسر سے زیادہ ایک بڑا بھائی تھا۔ ریکھا دونوں ہاتھوں سے انہار جان کی کالائی پر چڑھی ہوئی تھی۔ حمید کو اور کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔  
فریدی اُسے دیکھ کر سکرایا اور حمید کے ہونٹ کی پانے لگے۔  
چھپا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اچانک ایک ڈاکٹر نے کمرے میں آ کر کہا۔ ”وہ ہوش میں آگئے ہیں۔“  
”آہا....!“ سول سو جن یلخت اچھل پڑا۔ ”سب تو... تب تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ لمحہ بیٹھ گیا۔ سماں سمتیا ہوا سا۔  
”تم نے پچھلی رات بہت بہک کر کہا تھا کہ تم اب مجھے اپنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔“  
نے کہا اور تیزی سے دروازے میں مرجا گیا۔

رمیش کی بیساخ تھم کی سکیاں ابھی تک جاری تھیں، لیکن اس نے کیا نہ کیا بل فریدی بدستور سکرانتارہا۔  
برآمدے میں آ کر ریکھا کو یہ خوشخبری سنائی۔ ریکھا بھی وہاں روئی رہنی تھی۔  
کچھ انہیں دونوں پر منحصر نہیں تھا بلکہ کاہرہ آدمی جو فریدی سے حد نہیں رکھتا تھا۔ لامنؤڈی دیر بعد کہا۔ ”میں نے رات قاسم کے یہاں بسر کی تھی۔ صبح کے اخبار میں خبر سے بے حد چاہتا تھا۔

تمہوزی ہی دیر میں کئی آفیسر وہاں پہنچ گئے۔ ان میں ڈی۔ آئی۔ جی بھی تھا۔ ”ہاں! کتابت زہریلا تھا۔ مگر شاید میری قوت داغھ میں ابھی انخطاط نہیں ہوا۔ بہر حال اب حمید..... اسے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ ریکھانے کی بارگھر پون کیا گردہ قاسم کے یہاں تھا۔ لماں لکل ٹھیک ہوں اور مجھے اس کے کی فکر ہے۔ ایسا کتاب آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔“  
دوسری صبح اُس نے یہ خبر اخبار میں پڑھی تھیں خبھی مکمل نہیں تھی۔ اس ملے پڑے ”آپ گھر کب چلیں گے۔“  
”ابھی اور اسی وقت..... مجھے صرف تمہارا انتظار تھا۔ لیکن تم مجھے اس طرح لے چلو گے انتقام ہوا تھا کہ وہ بیچ رات تک کتل فریدی خطرے سے باہر نہیں تھے۔ ایک دوسرے انہیں نقل و حرکت سے مجبور ہوں۔“  
”کوئی خاص آئندیا.....!“ حمید پریشان ہو گیا۔ پہلے اُس نے گھر کا

کیا۔ پھر وہاں سے سیدھا سول ہسپتال پہنچا۔ کپاڈ غصہ ہی میں اُسے معلوم ہو گیا کہ فریدی حالت بہتر ہے، لیکن حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اُس کے سامنے جائے۔ فردا رات بھر موت و حیات کی نکش میں رہا تھا اور وہ قاسم کے یہاں میٹھی نیند سیا تھا۔ اُن شرمندگی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ اس کی نادانگی میں ہوا تھا۔ مگر پھر بھی وہ فریدی کے سامنے جاتے ہوئے پہنچ کر اسے ملا۔  
”مگر جانا تو تھا ہی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے پر ایجورٹ وارڈ کے اس کمرے میں قدم کا جلد  
جگہ تھا کہ آخ فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔“

”تو پھر تم ہی مجھ سے کتے کے متعلق کچھ بتا دو۔“  
”میں کچھ نہیں جانتی۔“

”پھر تم نے سفید دھاریوں کے متعلق کیوں پوچھا تھا۔“  
”یونہی..... عدنان..... یہاں سے جاؤ۔ میں اخبار دیکھ رہی ہوں۔“  
”تم مجھے باہر نہیں نکلنے دو گی..... کیوں؟“  
”تو یور دوبارہ اخبار دیکھنے لگی تھی۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔  
”میں فریدی کو فون کرنے جا رہا ہوں۔“ عدنان بولا۔

”تو یور بھی اخبار ہی دیکھ رہی تھی۔ عدنان کی آہٹ پر چوک کر اُسے استفہامیہ نظر وہ سے دیکھنے لگی۔“

”تم نے وہ خبر پڑھی مگری..... کرٹل فریدی کے متعلق۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے تم نے اس رات مجھ سے پوچھا تھا کہ کتے کے سر پر سفید دھاریاں تو نہیں تھیں۔“

”بلکہ کھڑی ہو گئی۔ میز کی دراز سے ایک قلم تراش چاٹو نکالا اور باہر نکل کر بڑی تیزی سے ”ہوں..... تو پھر.....!“ تو یور نے اُسے تیر نظر وہ سے دیکھتے ہوئے کہا اور ہونٹ بھینچ لے۔

”کچھ نہیں..... کرٹل فریدی بڑا شاندار آدمی ہے۔ اگر وہ مر گیا تو مجھے بڑی کوشت ہو گی۔“

”اُس نے ادھر ادھر دیکھا اور چاقو سمیت ٹیلی فون کے تاروں پر جھک پڑی۔ ذرا ہی سی دنوں میں یونہی معمولی سی جان پیچاں ہے۔ ایک بارہی میں ایک ساتھ شکار کھینے کا اتفاق ہوا۔“

”بلکہ کٹ ک گئے۔ اب وہ پھر لا سیری ہی کی طرف والیں جا رہی تھی۔“

”کیا کہنے ہیں اس کے نشانے کے۔ خدا کی قسم ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔ مگر وہ بذریعہ..... کی طرح پھر تیلا..... لوزی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح ٹرک ہے۔“

”ہوں..... تو پھر.....!“

”میں اُسے دیکھنے جاؤں گا۔“

”تم گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکو گے..... ویسے اگر نوکروں کے ہاتھوں بے عذیز پندت ہے تو میں کچھ نہیں کہتی۔“

”میں..... تم مجھے خود کشی پر مجبور کر رہی ہو۔“ عدنان جھنجھلانا۔

”میری اجازت کے بغیر تم وہ بھی نہیں کر سکو گے۔“ تو یور نے اپنی سرد لبجھ مل کر ”تم مجھے نہیں روک سکو گی۔ اگر فریدی زندہ ہے تو ہم دنوں ملکراں کتے کو کھاٹ کریں گے۔“

”اس سلسلے میں میں کچھ نہیں سنتا چاہتی۔“



عدنان نے اخبار میز پر رکھ کر ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ پھر ان کو کر کرے میں ٹھیلنے لگا۔ اس کے اندر اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اخبار انھا کوئی خاص خبر دوبارہ پڑھی اور اخبار کو توڑتا مردڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

راہداری میں ایک نوکر سے اس نے تو یور کے متعلق پوچھا اور یہ معلوم کر کے کہ تو یور اپنے بھرپوری میں ہے وہ اسی طرف چلا گیا۔

”تو یور بھی اخبار ہی دیکھ رہی تھی۔ عدنان کی آہٹ پر چوک کر اُسے استفہامیہ نظر وہ سے دیکھنے لگی۔“

”تم نے وہ خبر پڑھی مگری..... کرٹل فریدی کے متعلق۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے تم نے اس رات مجھ سے پوچھا تھا کہ کتے کے سر پر سفید دھاریاں تو نہیں تھیں۔“

””ہوں..... تو پھر.....!“ تو یور نے اُسے تیر نظر وہ سے دیکھتے ہوئے کہا اور ہونٹ بھینچ لے۔

”کچھ نہیں..... کرٹل فریدی بڑا شاندار آدمی ہے۔ اگر وہ مر گیا تو مجھے بڑی کوشت ہو گی۔“

”اُس نے ادھر ادھر دیکھا اور چاقو سمیت ٹیلی فون کے تاروں پر جھک پڑی۔ ذرا ہی سی دنوں میں یونہی معمولی سی جان پیچاں ہے۔ ایک بارہی میں ایک ساتھ شکار کھینے کا اتفاق ہوا۔“

”بلکہ کٹ ک گئے۔ اب وہ پھر لا سیری ہی کی طرف والیں جا رہی تھی۔“

”کیا کہنے ہیں اس کے نشانے کے۔ خدا کی قسم ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔ مگر وہ بذریعہ..... کی طرح پھر تیلا..... لوزی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح ٹرک ہے۔“

”ہوں..... تو پھر.....!“

”میں اُسے دیکھنے جاؤں گا۔“

”تم گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکو گے..... ویسے اگر نوکروں کے ہاتھوں بے عذیز پندت ہے تو میں کچھ نہیں کہتی۔“

”میں..... تم مجھے خود کشی پر مجبور کر رہی ہو۔“ عدنان جھنجھلانا۔

”میری اجازت کے بغیر تم وہ بھی نہیں کر سکو گے۔“ تو یور نے اپنی سرد لبجھ مل کر ”تم مجھے نہیں روک سکو گی۔ اگر فریدی زندہ ہے تو ہم دنوں ملکراں کتے کو کھاٹ کریں گے۔“

”اس سلسلے میں میں کچھ نہیں سنتا چاہتی۔“



بڑی حرام.....بس یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کچھ مجھ پر عاشق ہو گئی ہو اور ایسے میں دل لٹا ہے دونوں طرف ہے آگ برادر لگی ہوئی۔ یقیناً وہ بھی اپنے فراق میں اسی طرح تڑپ لگا۔

”اے کمیں.....!“ حمید نے تھیرانہ انداز میں کہا۔ ”رمیش! تم مادرزاد عاشق معلوم ہوتے ہو ل کے باوجود بھی کرٹل ہارڈ اسٹون کی نظر میں اچھے کے اچھے۔“

”میں لاکیوں کی دم میں تو نہیں بندھا رہتا۔“ رمیش نے ٹھریے لجھ میں کہا۔  
”لاکیوں کے متعلق سوچنے رہنا اس سے بھی بُرا ہے فرزند.....!“

”مارد گولی.....!“ رمیش نے ہاتھ جھلک کر کہا۔ ”سردی لگ رہی ہے۔ آخر ہم کب تک رنج جھک مارتے پھریں گے۔“

جب تک کہ سعید بابر کے دشمن اُسے ختم نہ کر دیں۔ یہ لوگ غیر مالک سے اسی لئے آتے رہم کام چور اور نکلنے نہ ہونے پائیں۔“

”کیا اس کے کچھ دشمن بھی ہیں۔“ رمیش نے پوچھا۔

”میدانیات میں جواب دے کر ایک دیوار سے نکل گیا۔ رمیش سعید بابر کے ہم شکل نقیر کو چاٹھا لیکن اُسے اُن واقعات کا علم نہیں تھا، جو اس کے بعد ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ اس نے شروع سے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ سعید بابر کی ذات سے متعلق رکھنے والے کسی اتفاق کا ذکر اخبارات میں نہ آنے پائے اور اس نے سعید بابر کو تاکید بھی کر دی تھی کہ ان اس کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ سعید بابر نے اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن فریدی اسے بھاجا دیا تھا کہ بات پھیلنے پر پیس روپر ٹھنڈی زندگی تلخ کر دیں گے۔

”تو وہ یہاں مقیم کیوں ہے۔“ رمیش نے پوچھا۔

”چندیں! اگر وہ مرنا ہی چاہتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ حمید دیوار سے اپنی عیاش معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت.... میرا دعویٰ ہے کہ اس شخص میں عورت کے صن۔ نسل کرتا ہوا بولا۔

”ابھر ہلکتے ہوئے سڑک کی طرف چل پڑے۔ سعید بابر کی کپاڑاً ٹھنڈاً اب تاریک ہو چکی۔“  
”سماں مدد بھی تاریک تھا۔ حمید اور رمیش سلاخوں دار چھانک کے قریب آ کر کر گئے۔ یہ کمال ہے۔“ یہاں تو یہ عالم ہے کہ اگر کبھی کسی بُری نے مسکرا کر بات کر لی تو ہذا

رہے ہو۔“ رمیش نے کہا۔

”میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری شادی نہ ہو جائے۔ اُس وقت کیا ہو گا۔“

”آپ کو شادی کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

”میں مار بیٹھوں گا تھیں۔... تم بھی سیکھتے ہو۔“

”میں غلط نہیں کہ رہا ہوں۔ درجنوں لاکیاں تو تمہارے ساتھ ماری پھر آئیں۔“

”آہا..... یہی تو تم نہیں سمجھتے۔ اس راز سے واقع نہیں ہو۔ نہ سمجھو تو بہتر ہے۔“

”آخڑ پھر بھی۔“

”چھوڑو..... ہم اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔ ہمیں لاکیوں کی باتیں نہ کرنی چاہیں۔“

”اپنکر ریکھا کی بات کرو..... وہ تو اپنے بھکے ہی کی ہیں۔“ رمیش نے قہقہہ لگایا۔

ٹھلتے ہوئے عمارت کی پشت پر جائکے۔

”ریکھا.....!“ حمید کہ رہا تھا۔ اس نے شائد فریدی صاحب سے پریم اسٹارٹ کر لکھا ہے۔

”میں بھی سیکھوں کر رہا ہوں۔ دن میں کم از کم دس بار صاحب کے کمرے میں آئیں۔“

”ہائے..... ریگ زاروں میں کہیں ہوتی ہے پانی کی نمود۔۔۔ آپ بھکتے گی۔۔۔ کرٹل اسٹون کو مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں سمجھتا۔ دنیا کی ڈیڑھ درجن سینیں ترین عورتوں کو ملنا ہوں جو آج بھی کرٹل ہارڈ اسٹون کو سافٹ کوک بنانے کے چکر میں ہیں۔“

”واقعی حمید بھائی..... سمجھ میں نہیں آتا کہ کرٹل صاحب عورتوں سے اتنا بدرست کیوں ہیں۔“

”نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ کیا تم نے انہیں کبھی کسی عورت کے ساتھ ناچانے نہیں دیکھا۔“

”نہیں.....!“ رمیش نے حیرت سے کہا۔

”آہا..... تم نے نہیں دیکھا۔ اُس وقت وہ حضرت پرانے کھلاڑی اور پولے سر۔“

”عیاش معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت.... میرا دعویٰ ہے کہ اس شخص میں عورت کے صن۔“

”منظوظ ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اگر ضرورتا انہیں کسی بھیں کے ساتھ ناچانے پڑے۔“

”وہ اتنے عیا ہشاش بٹاش نظر آئیں گے۔“

”کمال ہے۔۔۔ یہاں تو یہ عالم ہے کہ اگر کبھی کسی بُری نے مسکرا کر بات کر لی تو ہذا

کوئی ایک ایسی جگہ پر واقع تھی جس کے آس پاس کئی الیکٹرک پول نہیں تھا اس لئے پار کے قریب دیوار میں تار کی عی رہتی تھی۔

چالنک اندر سے بند تھا لیکن اس کی اوپنچائی زیادہ نہیں تھی۔ پہلی عی کوش میں دوسری طرف پہنچ گیا۔ ریش باہر ہی رہا۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”چلے آؤ۔“

ریش نے اس کی تائید کی۔ اندر چاروں طرف تار کی پیٹلی ہوئی تھی۔

”کرناٹ کی باڑھ کی اوٹ عی میں رہنا۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

عمارت میں کہیں بھی روشنی نظر نہیں آری تھی۔ حمید نے اپنی ریڈیم ڈائل والی گھری طرف دیکھا۔ بارہ نجح چکے تھے۔ وہ دونوں آہستہ پورچ کی طرف بڑھتے رہے۔

ادھر تین دنوں سے برادر سعید بابر شکایت کرتا رہا تھا کہ چند نامعلوم آدمی عمارت: داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ جاگ کر راتی گزارتا ہے۔ آج یہاں ان دنوں موجودگی کی بھی وجہ تھی۔

وہ تقریباً ایک بجے تک سرگردال رہے لیکن سعید بابر کے میان کی اصطدیق نہ ہو گئی۔

”کیوں نہاب میں عی حملہ کر دوں۔ اس الو کے پٹھے پر۔“ حمید نے جلائے ہوئے میں کہا اور ریش پہنچنے لگا۔

”نہیں یا ر.....!“ حمید پھر بولا۔ ”کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ مجھے یہ آدمی بھی بڑا ہے۔“ معلوم ہوتا ہے۔ سنوا کیوں نہ ہم اندر جیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی کھڑکی آزمائی چاہئے۔“

”اگر تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو بھگتو گے۔“ حمید نے اپنے پیچھے ایک تیر کی سر آئی اور بیساخہ اچھل پڑا۔ ریش بھی بوکھلا گیا۔

”چلو اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔“ وہی آواز پھر آڑا لیکن اس بار حمید نے پہچان لیا۔ یہ فریدی کی آواز تھی اور اب وہ کرناٹ باڑھ پھلا مگ کرائے۔ قریب پہنچ چکا تھا۔

”عمارت خالی ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”سعید بابر اندر موجود نہیں ہے۔“

”مگر آپ کیوں چلے آئے۔“ حمید بڑا ہی۔ ”آپ تو خود کو صاحب فراش ظاہر کرنا ہے تھے۔“

”وہ تو میں اب بھی ہوں لیکن آجائے میں تم مجھے پہچان نہ سکو گے۔“

”میک اپ.....!“ حمید نے کہا۔

”ہاں..... اب اس کے بغیر کام چھانا نظر نہیں آتا۔“

”تو آپ آرام نہیں کریں گے۔ آپ کی کلامی بُری طرح رخنی ہو گئی ہے۔“

”پروانہ نہ کرو..... اب یہاں سے نکلو۔ ہمیں بالی کیپ کی طرف چلتا ہے۔“

حمد جھلا گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔ وہ سمجھا تھا کہ اب یہاں سے گمراہی کی طرف جانا ہو گا۔

نید مردی کے احساس کے باوجود بھی اس کی پلکیں نیند سے جگکی آری تھیں۔ وہ کمپاؤٹ سے

بہارے تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد فریدی اپنی گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔

”تم کارڈ رائیو کرو گے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”اس وقت مجھ سے یہ کام نہ لجھنے ورنہ کار سمیت کسی درخت عی پر بسرا ہو گا۔“

”کوئاں مت کرو۔“

”نیند کا بھی عالم ہے جتاب۔“

”ریش تم ذرا سیور کرو..... کیا تمہیں بھی نیند آری ہے۔“

”می نہیں..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

ریش اور حمید انگلی نشت پر جا بیٹھے اور فریدی نے کچھل نشت کا دروازہ کھولا۔ کچھ دیر

لہ کار سسان سڑکوں پر چکراتی ہوئی بالی کیپ کی طرف جا رہی تھی اور حمید کھڑکی پر بازو ٹیکے

ٹے اطمینان سے سورہا تھا۔

ریش ہمیں جلد پہنچا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”رفتار اور رتیز کرو۔“

”بہت بہتر جتاب۔“ ریش نے کہا اور رفتار تیز کر دی۔

اس وقت وہ اسی سڑک پر تھے جس پر چند روز قبل فریدی کو ایک حیرت انگیز تجوہ ہوا تھا۔

بلیں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ روپور کے دستے پر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی مگر آج وہ بخیرو

خوبی اس سڑک سے گذر گیا۔

جب کار بالڈکمپ والی سڑک پر مدرسی تھی۔ فریدی نے حمید کو جھوٹ کر انہادیا۔

”تم جھوٹے پر نہیں ہو فرزند.....!“ اُس نے طنزیہ لجھ میں کہا۔

”بال کمپ کی ایک بستی میں۔ میں تمہیں وہیں لے چل رہا ہوں۔ خطرناک آدمیوں کی چھلانگ لگادے۔ آنکھوں میں جلنی محسوس ہونے لگی تھی اور کھوپڑی ہوا میں مطلع علم پڑے بھی نظر نہ آئیں گے۔“

”یہ آپ کہہ رہے ہیں؟“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”رمیش کار روک دو۔“ فریدی نے کہا اور رمیش نے فقار کم کر کے کار کو سڑک کی کنارے پر رکھ کر زم لجھ میں بولا۔ ”یہ کام بہت اہم ہے۔ ورنہ میں زغالی تمہیں یقیناً پیچان لے گا۔ میرے متعلق تم کہہ سکتے ہو کہ میں علم الاجسام کا ایک ایسی صورت میں بستر مرگ سے اتنے کی زحمت کیوں گوارا کرتا۔“

”فیر ہوں اور میرے پاس کسی حیرت انگریز جانور کے چیزوں کے نشانات کے فتوؤں ہیں اور تم حمید خاموش ہی رہا۔ یہر حال وہ اب ذہن کو نیند کے بیچ و خم سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور خود اسے بھی احساس ہو چلا تھا کہ اس وقت جھلائیت کا مظاہرہ قطعی بے کار ہے گا۔

”اس کام کا سارا دارو مدارم پر ہے۔“ فریدی بولا۔

”ہاں..... اچھا..... پھر.....!“

”ہاں..... اچھا..... پھر کیا؟ کیا ابھی تک نیند سوار ہے۔“

”نہیں..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”تمہیں وہ نیگرو شکاری زغالی یاد ہے نا جو کبھی نواب و جاہت مرزا کے یہاں میر شکاری کی حیثیت سے ملازم تھا۔“

”ہاں مجھے یاد ہے۔“

”اوہ جائیے..... جائیے.....!“ تارچ والا ایک طرف ہتا ہوا بولا۔ ”کیا آپ اندر میرے

”لئے جائیں گے۔ آپ کے پاس تارچ نہیں ہے۔“

”نہیں..... ہم سے غلطی ہوئی۔ لانا بھول گئے۔“ حمید بولا۔

”چلے..... میں آپ کو راستہ دکھاتا ہوں۔!“ تارچ والے نے کہا۔

”لوگ پھر چل پڑے۔ ایک آدمی تارچ کی روشنی میں انہیں نہ صرف راستہ دکھار رہا تھا

”ماں کوں کوڈا نشانہ بھی جارہا تھا جو ادھر اور ہر کی گلیوں سے نکل کر بھوکنے لگتے تھے۔“

”اس وقت ہم اُسی کے پاس جا رہے ہیں اور ہمیں اُس سے اُن نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں جو سعید بابر کی کپڑا ٹھیک میں ملے تھے۔“

”وہ کیا بتا سکے گا۔“

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار اس نے ایسے ہی حیرت انگریز نشانات کا تذکرہ کیا تھا۔“

”بات غالباً افریقہ نیرو بی ہی کی تھی..... البتہ وہ واقعہ یاد نہیں آ رہا ہے جس کے سلسلے میں اس نے

پھر وہ ایک پختہ عمارت کے سامنے رک گئے جو سرخ اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔ عمارت بہت پرانی تھی اور اس کی اینٹوں میں لوٹا لگنے لگا تھا۔  
ان کا راہبر وہاں پہنچ کر رخصت ہو گیا۔

حید نے صدر دروازے کی زنجیر لکھنٹائی اور اس وقت تک لکھنٹاتارہا جب تک کرام سے ایک غصیلی آواز نہیں آئی۔

”کون ہے....!“ کسی نے دھاڑ کر پوچھا۔

”ایک ضرورت مند..... دروازہ کھولو!...!“ حید نے کہا۔

”کیا صبح نہ ہوتی۔“ کسی نے دروازے کے قریب آ کر کہا۔ ”تم کون ہو!“

”میں کیپٹن حید ہوں..... مرکزی سی آئی ڈی کا ایک آفسر۔“

دوسری طرف سے ایک ہلکی سی غراہت سنائی دی اور ساتھ ہی دروازہ چھپا۔  
ساتھ کھل گیا۔

اندر زرد رنگ کی ہلکی سی روشنی تھی اور ان کے سامنے ایک چوڑا چکلا ستر م عمر نیکو کھڑا اُس کی گردان شانوں میں دھنکی ہوئی تھی۔ وہ بڑے غور سے حید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

”بے شک آپ وہی ہیں..... مگر مجھے حرمت ہے اتنی رات گئے۔“

وہ ان کے آگے چلے لگا۔ اس کی چال عجیب تھی۔ اس طرح اچھل اچھل کر جل رہا جیسے تانگیں چھوٹی بڑی ہوں۔

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لا یا جہاں بید کی تین چار میلی سی کریساں پڑی ہوئی تھیں دیوار سے ایک رائق لکنی نظر آرہی تھی۔ یہاں مٹی کے تیل کا ایک یہ پتھارے زغالی نے آئی روشن کر دیا تھا۔

”آپ لوگ بیٹھئے....!“ اس نے قدرے جھک کر کہا۔

یہ تینوں بیٹھے گئے۔ ریش حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اس تین طرف بھی دیکھتا لیکن کچھ اس انداز میں کفور اسی دوسری طرف دیکھنے لگتا جیسے وہ اس خوفزدہ نہ ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔

”ہاں..... اب بتائیے..... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”یہ پروفیسر دیال ہیں۔ علم الاجسام کے ماہر۔“ حید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا جو اپ میں تھا۔

”علم الاجسام کیا۔“ زغالی نے سوال کیا۔

”آپ ہی بتائیے جتاب۔“ حید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بات یہ ہے کہ میں پہلے کرتل فریدی کے پاس گیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ انہوں نے آپ کے پاس بیچ دیا۔ میرے پاس دراصل چند حیرت انگیز نشانات کے فوٹو ہیں۔ میراں ہیں کہ وہ کسی جانور کے پیروں کے نشانات ہیں مگر اس قسم کا کوئی جانور میرے علم میں نہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ کرتل فریدی بھی لامدد معلومات رکھتے ہیں اسی لئے میں اس سلسلے میں اسکے پاس گیا تھا مگر انہوں نے بھی لامی ظاہر کی۔ پھر آپ کا پتہ بتایا کہ آپ ضرور باضور پر روشنی ڈال سکیں گے۔“

”مگر اس کے لئے آپ دن کو بھی آسکتے تھے۔“ زغالی نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔

”دیکھتے بات دراصل یہ ہے۔“ فریدی جلدی سے بولا۔ ”وہ نشانات کتنی دنوں سے خداوی میں زیر بحث ہیں۔ ہم میں سے کئی پروفیسر ان کے متعلق تحقیقات کر رہے ہیں۔ کل صبح انہی پورٹس میں کرنی ہوں گی۔ بس اسلئے دوڑا آیا کہ شاید آپ سے کچھ دل جائے۔“

زغالی تھوڑی دیر تک اسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”لایے..... وہ نشانات کہاں ہیں؟“ فریدی نے جیب سے ایک کارڈ کاٹ کر اسکی طرف بڑھا دیا جس پر دو نشانات کا عکس تھا۔

”یہ نشانات کہاں ملے تھے۔“ زغالی نے آہستہ سے پوچھا۔

”ٹولکال جنگل میں۔“ فریدی نے جواب دیا۔

زغالی خاموشی سے نشانات کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”نہیں میں نہ لہاڑنگی میں کبھی ایسے نشانات نہیں دیکھے۔ اگر اس قسم کا کوئی جانور ٹولکال جنگل میں موجود ہے تو اس کا شکار بڑا لچک پر ہے گا۔“

پھر حید کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔ ”کرتل صاحب تو یقیناً اس جانور کی تلاش میں ہوں گے۔“

لے اس کا ہاتھ دبایا۔  
وہ چاروں آدمی زغالی کے مکان کے سامنے رک گئے تھے اور اب دروازے کی زنجیر ہلا  
ہے۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر گلی میں مڑ گیا۔  
وہ مڑک پر نکل آئے۔ تھیک گلی کے سامنے ہی انہیں کا نظر آئی۔ فریدی رک گیا۔ کار  
لگنی۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر سگار لائٹر جلا کر روشنی میں ڈلش بورڈ پر نظر ڈالنے لگا۔  
اپاک اس نے مڑ کر حمید سے کہا۔ ”حید اس کار کے نمبر نوٹ کرو۔ غالباً انہیں لوگوں کی  
ارہے جو بھی گلی میں ملے تھے..... اور تم دونوب و اپس جاؤ۔“

”کیا ہمیں کار چھوڑنی پڑے گی۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں کار لے جاؤ۔“ فریدی نے کہا اور بڑی تیزی سے اسی گلی میں چلا گیا۔

”چلو مری جان.....!“ حیدر میش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک طویل سانس لیتا ہوا بولا۔

”نمبر تو نوٹ کرو۔“

”ہاں..... نمبر.....!“ حید نے کہا اور دیا سالائی جلا کر کار کے نمبر دیکھے اور انہیں ذہن

بن کر تھا ہوسیدھا ہو گیا۔

”آؤ چلیں..... ذرا سی دیر میں میں بھی مرغون کی طرح باگ دینے لگوں گا۔ صبح تو ہو ہی

نہ ہے۔“

”وہ اپنا کار میں آبیٹھے۔ حید نے اس بار بھی ریش ہی سے ذرا سیو کرنے کی استدعا کی۔

لماں بہت دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔

کرداری بے تحاشہ بڑھ گئی تھی۔ پائپ کے دو تین گہرے کش لینے کے بعد اس نے کچھ

بلماں کیا۔

”پہنچیں وہ چاروں کیا اٹھائے ہوئے تھے۔“ ریش نے کہا۔

”یار چشم میں ڈالو۔ ہمیں اس سے کیا کہا کوتور دم کیوں اٹھائے رہتا ہے۔ مگر تم کیا

کوں لگھکے کی ملازمت ہی ایسکا ہے۔ چوبیس گھنٹے سراغ رسائی بنے رہے۔“

”میں نے آج ہی ان سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔  
زغالی نے سر جھکا لیا۔ اس کی پیٹھنی پر شنیں تھیں۔ کمرے میں گھر اسکوت مسلط ہو گیا۔  
لیپ کی مضم روشنی میں زغالی کا چہرہ برا بھیاک لگ رہا تھا۔

اچاکم حمید بولا۔ ”مگر کرٹل صاحب نے تو کہا تھا کہ تم ان نشانات کے متعلق کچھ بتا سکو گے۔“  
”یہ کس بنا پر کہا تھا، انہوں نے۔“ زغالی نے سر اٹھا کر پوچھا۔ لیکن اب وہ ان میں  
سے کسی کے بھی چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں چہرے کی جھریائی ہوئی  
کھال میں ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے وہ کسی سالخور دھر خونخوار گینڈے کی آنکھیں ہوں۔

”تم نے شاید کبھی ان سے اس قسم کا تذکرہ کیا تھا۔ ایسے نشانات غالباً افریقیہ میں کہیں  
تمہاری نظروں سے گذرے تھے۔“

”مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اس قسم کی گفتگو کی ہو۔ ویسے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کرٹل  
ٹلٹکتے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں میں کتنا بوڑھا ہوں اسی لئے ہمکلہ بھی ہو گیا ہوں۔ آپ سمجھتے ہیں نا۔“

”تو پھر..... گویا..... مجھے یہاں بھی نا کامی ہوئی۔“ فریدی بڑا ہوا۔

زغالی کچھ نہ بولا۔ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

و غلط فریدی اٹھ گیا۔ ”اچھا تو میں نے تھا آپ کو تکلیف دی۔“

”کوئی بات نہیں ہے جناب۔ میں کرٹل صاحب اور ان کے دوستوں کا خادم ہوں۔“  
”حید اور ریش بھی اٹھ گئے۔ صدر دروازے تک وہ خاموشی سے آئے پھر زغالی نے جید  
سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہر خدمت کے لئے مجھے ہر وقت یاد رکھتے۔“

ان کے باہر نکلنے والی دروازہ آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ وہ چل پڑے۔ فریدی ہونٹوں ہی  
ہونٹوں میں کچھ بڑا رہا تھا۔

گلی کے موڑ پر انہیں رک جانا پڑا کیونکہ گلی پتی تھی اور دوسری طرف سے چار آدمیوں کا  
ایک جلوں اس گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ چاروں ایک لائن میں تھے اور انہوں نے ایک بہت لما  
بندل اپنے کانڈھوں پر سنبھال رکھا تھا۔

وہ ان کے قریب ہی سے گذر گئے۔ فریدی رک گیا تھا۔ حید نے آگے بڑھنا چاہا لیکن  
کوں لگھکے کی ملازمت ہی ایسکا ہے۔ چوبیس گھنٹے سراغ رسائی بنے رہے۔“

رکنا..... اچھا..... ہاں دیکھو..... مجھے تم پر ہمیشہ سے اعتماد رہا ہے۔ تم مر جاؤ گے لیکن کسی  
ایک لفظ بھی نہیں کہو گے۔ ”اچھا.....!“

اُس نے رسیدور رکھ دیا۔ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بیرونی برآمدے میں آ کر  
ہے سارے ملازمین کو اکٹھا کیا۔ خیل دفتر کی لکڑ کلر لاکیوں کو بھی وہیں بلوالیا۔

”تم سب.....!“ وہ انہیں مخاطب کر کے بولی۔ ”میں منٹ کے اندر اندر کوٹھی خالی کر دو۔

ہآن چھ بجے شام تک کیلئے تم سکھوں کو چھٹی ہے۔ میں ہیڈ آفس فون کر رہی ہوں۔ وہاں

صح کے نوبے تھے۔ دھوپ اچھی طرح پھیل چکی تھی۔ تسویر اپنی لاہری ری میں تیڈی اخبار، آج کیلئے تمہیں تفریخ الائنس ملے گا۔ میں منٹ کے اندر اندر یہاں سے پڑے جاؤ۔“

دیکھ رہی تھی۔ وہ صح کی چائے لاہری ری ہی میں پیتی تھی۔ یہ اُس کا معمول تھا۔ چائے کے پھروہ انہیں وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔ ملازمین کی اس بھیڑ میں اس کے چاروں بادی  
دوران میں اخبار دیکھتی رہتی۔ کھانا بھی تھا ہی کھاتی۔ کم از کم اس کے بیٹھے عدنان کو تو یاد نہیں تھا۔ رہنمایی میں تھا۔

کہ بھی وہ دونوں کھانے کی میز پر ساتھ بیٹھے ہوں۔ اُس کی کوٹھی میں آئے دن دعویٰ بھی ہوتی۔ میں منٹ کے اندر رہی اندر کوٹھی میں الو بولے گلی۔ نوکروں کو اس کے رویہ پر ذرا براہر  
رہتی تھیں لیکن وہ بھی مہماں کے ساتھ نہ پیٹھتی۔ میز بانی کے فرائض عدنان کو انعام دینے

ناجائز تھیں ہوئی تھی۔ وہ اس قسم کی انہوں باتوں کے عادی ہو چکے تھے ان کا بھی یہی خیال  
پڑتے۔ وہ تو اپنی ماں کو نیم دیوانی ہی سمجھتا تھا۔

تسویر اخبار ایک طرف میز پر پھیل کر کھڑی ہو گئی۔ وہ باہر ہی جا رہی تھی کہ ایک ملازم کپاؤٹ کا چھانک تسویر نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا۔ چاروں بادی گارڈ بھی متغیر نہیں  
نے آ کر اس کوفون کاں کی اطلاع دی۔

تسویر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کرے میں آئی جہاں فون تھا۔ اس نے لاپرواں سے بچتے رہے۔ آختر تسویر نے تھوڑی دیر بعد ان چاروں کو طلب کیا۔

”تم کل اسے لے کر وہاں کس وقت پہنچے تھے۔“ ریسیور اٹھا لیا اور غرہاں سی آواز میں ”بیلو،“ کہا۔

ذرائعی دیر میں اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ دوسرا طرف سے بولنے والا کوئی اسی ہی بات کہہ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا ”کچھ اندازہ ہے تھیں کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔“

پھر وہ دوسرا طرف سے بولنے والے کا جواب سننی رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا منٹ

منڈ چہرہ کسی پر اپنے مریض کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔

”ہوں..... اچھا.....!“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”تم بالکل پرواہ نہ کرو۔ میں بھروسہ گی۔ ویسے یہ میرا مشورہ ہے کہ تم اب وہاں سے ہٹ جاؤ۔ کیوں کیا خیال ہے۔“

جواب میں پھر کچھ کہا گیا اور تسویر سر ہلا کر بولی۔ ”یہاں بھی جاؤ مجھے اپنی جائے قائم۔“

”نبیس حید بھائی..... وہ بذل عجیب تھا۔ اتنا لمبا بذل آخر اس میں تھا کیا۔“

”اُس کس کریم.....!“

رمیش خاموش ہو گیا۔ کار سڑک پر دوڑتی رہی۔

سائے کی لاش

”میرا دی نے بوکھلائے ہوئے لجے میں کپڑا  
کر کوہراز ہیشہ تم چاروں ہی تک محدود رہے گا۔“

”ہماری وفاداری میں شہنشہ کیجئے۔ ہم نے ہر موقع پر آپ کیلئے جان کی باتی لگائی ہے۔

”نہیں، ہم صرف اپنی وفاداری ہی پیش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ہماری سب سے بڑی قسم ہے۔“

”اچھا تو آؤ..... میں تمہیں عمارت کے اس حصے میں لے چلوں گی جہاں آج تک

”علاءہ اور کوئی نہیں جاسکا۔“

”ہم اسے اپنی سرفرازی سمجھیں گے۔“ میرا دی نے قدرے جھک کر کہا۔

”تم بھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔“

”کبھی نہیں مختصر..... آپ ہم پر اعتماد کیجئے۔“

”اچھا تو آؤ میرے ساتھ۔“

”وہ اس راہداری میں چل رہے تھے جس کے سرے پر وہ دروازہ تھا جس کی دوسری طرف

التویر کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا۔

تویر نے دروازے کا قفل کھول کر دونوں پٹ کھول دیئے۔ کرہ تاریک تھا۔

”پڑو.....!“ تویر ایک طرف منت ہوئی بولی۔ میرا دی سب کے آگے تھا۔ وہ کسی

اثر کے بغیر اندر چلا گیا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تقدید کی۔ تویر کے انداز سے

علم ہو رہا تھا جیسے وہ ان چاروں کے بعد کمرے میں چلی جائے گی۔ مگر اس کا رویہ غلاف

انگل۔ اس نے دوسرے ہی لمحے میں دروازے کے پٹ کھینچ کر باہر سے بند کر لئے۔

”مختصر.....!“ اندر سے آواز آئی۔ مگر تویر قفل چڑھا چکی تھی۔

ہر اس نے چیخ کر کہا۔ ”مدونگا تیرے شکار۔ تیری بہت پرانی خواہش پوری ہو گئی۔ آدی

اٹھ۔“

”مختصر..... مختصر.....!“ چاروں بیک وقت چیخنے اور پھر اچانک ان کے حلق سے عجیب

ناواریں نکلنے لگیں۔

”چاؤ..... چاؤ.....!“ کے شور کے ساتھ ہی ریلوے انجن کی سیلان بھی گونج رہی تھیں۔

”مختصر..... تویر.....!“

”میں نہیں سمجھا مختصر.....!“ میرا دی نے بوکھلائے ہوئے لجے میں کپڑا

”سمجنے کی کوشش کرو۔“ تویر آہستہ سے بولی۔ ”تمہارے وہاں پہنچنے سے تھوڑی ہی

قبیل کیشہ میں کپڑا دہاں دو آدمیوں کے ساتھ پہنچا تھا۔“

”وہ وہاں کس لئے گیا تھا۔“ میرا دی نے تھوڑا نہ لجے میں پوچھا۔

”پڑھنے.....!“ تویر نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ ”بہر حال چاروں

پاہنچ کے درمیان عدنان غالب ہو گیا جس کمرے میں اُسے رکھا گیا تھا اس کا قفل ٹوٹا ہوا ملا اور

صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زغالی اُسے کمرے میں بند کر کے سو گیا تھا۔ اب تم بتاؤ کہ یہ حرکت کر

کی ہو سکتی ہے۔“

”کیپٹن حمید وہاں کیوں گیا تھا۔“ میرا دی پڑھ رہا۔

”تو تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت انہیں لوگوں کی ہے۔“

”می ہاں..... پھر ایسی صورت میں بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسکے علاوہ اور کیا سمجھیں گے۔“

”میں نے اُسے وہاں کیوں بھجوایا تھا۔“

”تاکہ وہ فریڈی تک نہ پہنچ سکیں۔“

”پھر.....!“ تویر اُسے گھورنے لگی۔

”مختصر آپ یقین کیجئے۔“ میرا دی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”ہم نے اُس کا تذکرہ

کی سے نہیں کیا تھا۔ ہمیں نہیں معلوم کر اُن لوگوں کو کیسے خبر ہو گئی۔“

تویر کچھ نہیں بولی۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ ”اب ایک دوسری

اکیم ہے لیکن تم زیادہ حمتاز رہو گے۔“

”فرمائیے مختصر.....!“ ہم شاید اسی بار آپ کا کام صحیح طور پر انجام دے سکیں۔ دیے آنا

کل شاید ہمارے ستارے ہی گردش میں ہیں جس کام میں ہاتھ لگاتے ہیں مگر جانا ہے۔“

”پرواہ مت کرو.....!“ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔ ”تویر مسکرا کر بولی اور وہ چاروں پیمائند

چوک پڑے۔ انہوں نے اپنے ہوش میں پہلی بار تویر کو مکراتے دیکھا تھا۔

”میں فی الحال تمہیں اپنے ایک راز میں شریک کرنا چاہتی ہوں۔ مگر اس کی کیا مان

”تھویر..... حرامزادی ..... کرتیا۔“

”او تھویر..... سور کی بچی۔“

”ذلیل کمی..... دروازہ کھولو۔“

بابر تویر کے ہونوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں کسی بھوکے سانپ کی آنکھوں کی طرح چک رہی تھیں۔

جیسی گئی تھیں مگر میڈیکل کالج کے رجسٹر میں صرف تین لاشوں کی وصولیابی درج ہے۔“  
”اوہ..... فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔“

”مگر اب آپ اس لاش کے چکر میں کیوں پڑ گئے ہیں۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے  
کہ سعید بابر کے ایک ہمشکل کی لاش صدر میں پائی گئی تھی۔“

”یہ کھلی ہوئی حقیقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔“

”پھر.....!“ حمید نے اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

”کچھ نہیں..... میں فی الحال کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ وہ آدمی سعید  
بابر کا بھائی علی رہا ہو۔“

”اگر رہا بھی تو اب کیا ہو سکتا ہے۔“ حمید جھنجلا گیا۔

”اس مسئلے کو سینہ چھوڑ دو.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”فی الحال میں زغالی میں  
بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہوں۔ تم نے پہلی رات کیا محسوس کیا تھا۔“  
”یہی کہ وہ ان نشانات کے متعلق کچھ جانتا ہے لیکن بتانا نہیں چاہتا۔“

”ٹھیک ہے..... لاکال جنگل کے نام پر اُسے کتنی حرمت ہوئی تھی..... یاد ہے۔“

”مجی ہاں..... مجھے یاد ہے۔ لاکال جنگل کا نام سن کر وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ہا تھا۔“

”اچھا خیر..... چھوڑو..... مجھے اطلاع ملی ہے کہ زغالی آج یہ صح کو بالی کمپ والی بستی

سے ہٹ گیا ہے۔ اس وقت وہ راجن پورے کی شاپ پور بلڈنگ کے ساتوں فلیٹ میں ہے۔

میری بلیک فورس کے کچھ آدمی تو دیکھ بھال کر رہے ہیں لیکن تم بھی خیال رکھنا اور یہ بھی دیکھنا

ہے کہ وہ بالی کمپ سے کیوں ہٹا ہے۔“

## پُر اسرار سایہ

حمد خاموشی سے سختار ہا۔ پھر فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

”ایک بات مجھے سمجھا ہے۔“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”ملسلی براؤن آپکی موجودگی ہی  
مگر ہال سرکل نائنٹ کلب سے غائب ہو گئی تھی۔ لیکن آپ نے اُسکی ذرہ برا بری بھی پرداہ نہیں کی۔“

فریدی یہی سے بہت زیادہ مشکل تھا۔ آج یہ اس کے چار بہترین کتے پر اسرار طور پر  
مردہ پائے گئے تھے۔ چاروں رکھوائی کرنے والے اسیں تھے۔  
علماء سے فریدی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ موت زہر سے واقع ہوئی تھی اور یہ کوئی انکا  
بات نہیں تھی جسے حیرت انگیز کہا جاسکتا۔ کوئی بھی باہر سے گوشت کے چند زہر میلے گلڑے کیا ہے  
میں پھیک کر ان کی جانیں لے سکتا تھا۔

وہ گلڑے ملے بھی تھے اور فریدی نے انہیں کیسا وی تجزیے کے لئے بھجوادیا تھا دیے جا  
کیا۔ ان تھا کہ ساڑھے چار بجے جب اس کی واپسی ہوئی تھی کہے زندہ تھے۔

فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم اندر داخل ہوا۔  
”حمد کو صحیح دو۔“ فریدی نے کہا۔ ملازم چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حمید دروازے میں نظر آیا۔  
”تم نے کیا کیا؟“ فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”معاملہ بالکل گول ہے۔ کوتوالی سے معلوم ہوا کہ فقیر کی لاش سول ہپتال رو انہ کر دی۔“  
”تھی اور رسول ہپتال والے کہتے ہیں کہ وہ طلاء کی مشق کے لئے میڈیکل کالج بھج دی گئی تھی۔

”میڈیکل کالج والے کیا کہتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔  
”میڈیکل کالج والے کہتے ہیں کہ اس تاریخ کو تین لاوارث لاشیں انہیں موصول ہیں۔“  
”تھیں اور اب یہ بتانا مشکل ہے کہ کس کے گلڑے کہاں دفن کئے گئے تھے۔“ مگر ایک بات میں  
سمجھ میں نہیں آتی۔ سول ہپتال کا رجسٹر بتاتا ہے کہ اس تاریخ کو وہاں سے چار لاشیں میڈیکل

”غیر ضروری چیزوں کی پرواہ مجھے کبھی نہیں ہوتی۔“

”حالانکہ آپ پہلے ہی سے اُنکی ٹوہ میں رہے تھے کہ حمید اسے کب اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔“  
”ہاں! ہاں.... تو کیا ہوا۔“

”خط استوا خط سلطان میں گھس گیا۔“ حمید جھلاہٹ میں ناچتا ہوا بولا۔ ”میں پاگل ہو جاؤں گا۔“

”اللہ کی مرضی.....!“ فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مغموم بجھے میں بولا۔ ”مگر اس صورت میں بھی تم میری نگرانی میں رہو گے۔ پاگل خانوں میں آج کل بڑی بندگی رہتی ہے۔“

”قبر میں بھی ہم دونوں لپٹ کر ہی سوئیں گے اور آپ وہاں بھی قادر قاؤں چلا میں گے..... مجھے یقین ہے۔“

”خراب کام کی باتیں کرو....!“

”میں کبھی بیکار باتیں نہیں کرتا۔“

”کل رات تم نے اس کار کا نمبر نوٹ کیا تھا۔“

”جی ہاں کیا تھا....!“

”مجھے دو۔“

حمد نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔ اُس نے وہ درق پھاڑا جس پر کار کے نمبر تحریر تھے اور اسے فریدی کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔ ”آپ وہاں کیوں رکے تھے۔“

”اب تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہوئی چاہئے کیونکہ میں وہاں سے صحیح وسلامت واپس آگیا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں ہے۔ میں زغالی ہی سے پوچھ لوں گا۔ مگر ایک بات تو صرف آپ ہی بتائیں گے۔“

”پوچھو....!“

”اس کیس کے سر پر کا بھی کہیں پڑے ہے۔ بات سعید بابر کے بھائی سے شروع ہوئی تھی۔ سعید بابر پر حملہ..... اُس کے کپاڈوں میں عجیب و غریب نشانات کا پایا جانا۔ لسلی براؤن کا کیس آپ پر ایک کتے کا حملہ۔ مگر اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا تعلق ہی اسی کیس سے ہے پھر لسلی براؤن نقلی کا ناتائب ہو جانا۔“

”پھر تمہارا اور مجرم داراب کا عشق.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔  
”اُس کی تو میں بڑیاں توڑے بغیر نہیں رہوں گا۔“  
”کیا تمہیں اب بھی اُس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔“  
”بڑی گریکو انگلی سے کھینچتے وقت زیادہ وقت نہیں صرف ہوتی۔“ حمید نے لاپرواںی سے کہا۔  
”اور پھانسی کا پھندا گلے میں پڑ جانے کے بعد تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا۔“  
فریدی نے کہا۔  
”پھانسی.....!“ حمید نے ہر اسامنہ بنا کر کہا۔ ”شاید پھانسی کا خوف بھی مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے۔“  
”نہیں! تم فی الحال ایسا نہیں کر سکتے۔ میرا کھلیل بگڑ جائے گا۔“  
”تو کیا وہ بھی اس کیس میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔“ حمید نے پوچھا۔  
”بہت زیادہ حمید صاحب۔“  
”آہا.... تب تو....!“  
”نہیں بھروسو..... یہ میرا شہر ہے۔ فی الحال ہم اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کر سکتے۔“

”مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی آپ کا شنبہ نعلٹا نکلا۔“  
”یہ اور بات ہے، لیکن مکمل شہادت فراہم کئے بغیر میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتا۔“  
حمد خاموش ہو گیا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔  
”ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہیں مجرم داراب کی بڑیاں توڑے کا موقع ضرور نصیب ہو گا۔  
فی الحال تم زغالی پر نظر رکھو۔“

”آخر آپ اُس بیچارے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”وہ تو انتہائی بخود را قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”تم اُسے نہیں جانتے۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ بہت عرصہ سے ہمارے یہاں تمہیں ہے اس لئے اب اُس میں تہذیب کے بھی کچھ آثار پائے جانے لگے ہیں ورنہ پہلے بھی وہ

ایک لکھنے کے کی طرح لوگوں پر جھپٹ پڑتا تھا۔ تہذیب نے اسے مکاری بھی سمجھا دی ہے۔ اچھا بس اب جاؤ۔ اس کی مگر انی بہت ضروری ہے۔ تم اگر بھول چوک بھی گئے تو پرواہ نہ کریں۔ بہر حال مجرموں کو اس کا علم ہو جانا چاہئے کہ تم زعالیٰ کی مگر انی کر رہے ہو۔“  
اس سے کیا فائدہ ہوگا۔“

”اب یہ بات مجرموں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہی کہ تم زعالیٰ میں پچھی لیتے رہے ہیں۔“

”تو کیا آپ کو یقین ہے کہ زعالیٰ بھی مجرموں کا سامنہ ہے۔“

”ہاں کسی حد تک..... بہر حال اب جاؤ حمید..... فضول وقت نہ برباد کرو۔“

”حید چلا گیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹھیٹا رہا۔ پھر اس نے فون کارلیسیور اٹھا کر کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے۔“

”ہیلو....!“ اس نے کہا۔ اپنکے جلدیش کی آواز سنائی دی۔

”ایک منٹ توقف کیجئے۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

پھر جلد ہی دوسرا طرف سے جلدیش کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو....! جلدیش میں فریدی ہوں۔ ذرا دیکھو تو آج کسی مسز تویر نے کوئی روپرٹ تو نہیں درج کرائی ہے۔“

”اوہ جتاب! اس عورت نے تو پوری کوتوالی کو ہلا کر رکھ دیا ہے مگر آپ..... کیا قصہ ہے۔“

”روپرٹ کیا ہے جلدیش....!“

”کل رات سے اس کا لڑکا عدنان اور اس کے چاروں بادی گارڈ ٹائپ ہیں۔ اس کا خیال ہے بادی گارڈوں نے اسے انوکھا کیا ہے اور اب وہ تویر سے کسی بھاری رقم کا مطالبہ کریں گے۔ اس نے اپنے لارکے اور بادی گارڈز کی تصویریں بھی دیں ہیں۔ آپ کو یہ سن کر جیت ہو گی کہ یہ شہر کے چار بدمعاشوں کی تصویریں ہیں کی بار کے سزا یاب بدمعاش....!“

”اوہ..... ذرا مجھے بھی تو ان کے نام بتاؤ۔“

جلدیش نام بتاتا رہا اور فریدی ایک کاغذ پر نوٹ کرتا گیا۔ پھر اس نے کہا۔ ”یہ لوگ تو واقعی اس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔“

”غم.....!“ جلدیش نے کہا۔ ”تویر کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ انہیں ایک بھی نہ دے گی خواہ اسے اپنے بیٹے ہی سے کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔ بڑی شاندار عورت بنا بتاب..... ایس۔ پی صاحب اس سے....!“  
”پیلو....!“

”جی ہاں.....!“ جلدیش ہستا ہوا بولا۔ ”میں ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا کہ کہیں کوئی سن تو نہیں ابھی۔ ایس۔ پی صاحب اس سے گفتگو کرتے وقت ہکلار ہے تھے۔ بڑی شاندار عورت ہے۔ پالیں اور پچاس کے درمیان ہو گی۔ مگر صحت بڑی شاندار ہے۔ بڑا شاندار جسم ہے۔“  
”سب کچھ شاندار.....!“ فریدی نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔  
”اوہ..... کیا آپ اس سے کبھی نہیں ملے۔“

”نہیں..... صرف نام سخنوار ہا ہوں۔“

”ضرور ملنے جتاب..... آپ اسے بے حد پسند کریں گے۔“

”ہاں..... پسند ہی کرنے کے لئے میں اس سے ضرور طبوں گا۔ تم مطمئن رہو۔“  
”میں کیا باتوں..... میں تو اس سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر سکا۔“ جلدیش بولا۔ لیکن یہی نے نہ اسامنہ بنا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر کمرے میں ٹھیل رہا تھا۔ اس کی بیٹھانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ ایک بار اس نے پھر لیسیور اٹھایا اور اپنے ڈی۔ آئی۔ جی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ڈی۔ آئی۔ جی مگر ہی پر جود تھا۔ فریدی نے اس سے تویر کی روپرٹ کے متعلق بنا کر استدعا کی کہ وہ تویر والا کسی پر نہیں ملکے میں ٹرانسفر کرائے۔

”امبھی یہ کیسے ملکن ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”یہ بہت ضروری ہے جتاب۔ براہ راست میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔“  
”کیوں..... میں نہیں سمجھا۔“

”تجھ پر ایک زبری لیے کتے نے جملہ کیا تھا۔ بعض حالات کو منظر رکھتے ہوئے میں یہ نہیں فکر کرو وہ محض اتفاق تھا۔“

”ہاں..... حالات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی موڑ سائکل سوار نے تمہارا راستہ لے کی کوشش کی تھی۔“

”بیوادہ کتنا کوئی خبیث روح تھی۔ تب ہی تو تم ایسا محسوس کر رہی ہو۔“

”میرا مطلب ہے۔“

”کیا مطلب ہے۔“

”وہ..... وہ..... دیکھنے..... خدا کرے آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں۔ کیا میں آپ کو“

”بچنے کے لئے آسکتی ہوں۔ میں نے سنائے کہ آپ آج کل کسی سے نہیں ملتے۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میری ذہنی حالت اچھی نہیں ہے۔ زہر کا اثر پکھنہ کچھ ہاں پر بھی ہوا“

”بھی کبھی بُری طرح بہک جاتا ہوں۔“

”خدا رحم کرے۔“

”اور کچھ.....!“ فریدی نے پوچھا۔

”میں نہیں..... بل خدا کرے آپ جلد اچھے ہو جائیں۔“

”شکریہ.....!“ فریدی نے کہا اور تمہارا سامنہ بنا کر فون رکھ دیا۔

اُسے بعض اوقات اپنے مکھ پر غصہ آنے لگتا۔ خواہ خواہ ایک لیڈی انپکٹر بھی مہیا کر لی

الانک اس کی قطعی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

وہ سکارا لٹکا کر ایک آرام کرنی میں شم دراز ہو گیا۔

بمشکل تمام دیا تین منٹ گزرے ہوں گے کہ فون کی تھنٹی پھر بھی۔ فریدی نے اٹھ کر

بیوڑا ٹھیکایا۔ دوسری طرف سے حیدر کی آواز سنائی دی۔

”میں گرانی کر رہا ہوں جتاب۔“

”وہ تو مجھے معلوم تھا۔ اتنی سی بات کے لئے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ فریدی نے

کافلی ہوئی آواز میں کہا۔

”میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر وہ میرے سوالات کا جواب نہ دے تو میں کیا کروں۔“

”سوالات کرنے کو تم سے کس نے کہا تھا۔“ فریدی کی آواز تیز ہو گئی۔

”میں اُس سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں..... حالات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی موڑ سائکل سوار نے تمہارا راستہ لے کی کوشش کی تھی۔“

”بھی ہاں..... اور اس سازش کی جزاں تھیں کی موجودہ روپ و شکل میں ملتی ہیں۔ میں نے یہ اندرازہ کیا ہے۔“

”اوہ..... کیا تصدی ہے۔!“

”قصہ تو ابھی خود میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے لیکن آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔“

”اچھا میں کیس منتقل کر لوں گا۔ تم مطمئن رہو۔“

”آج ہی جتاب۔“

”اچھا بابا..... ایک طرف تم کان کھار ہے، ہا اور دوسری طرف میرا نواسا۔“

”میں بھی تو آپ کا پچھہ ہوں آخر۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”مگر ضدی..... نبچے..... اچھا..... اور کچھ.....!“

”نہیں جتاب..... بس اتنا ہی شکریہ۔“

دوسری طرف سے سلسلہ مقطوع ہو جانے پر فریدی نے بھی رسیور رکھ دیا۔ لیکن رسیور

رکھتے ہی گھنٹی بھی۔

”ہیلو.....!“ اس نے دوبارہ رسیور اٹھایا۔

”میں رسیور بھول رہی ہوں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔“

”ٹھیک ہوں۔“

”زم..... کیسے ہیں۔“

”اب زیادہ تکلیف نہیں ہے۔“

”مجھے بڑی بے چینی ہے۔“

”کیوں.....!“

”وہ دیکھنے..... میں سوچتی ہوں..... آپ کے زخموں میں تکلیف ہو گی اور مجھے نیند نہیں۔“

آتی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زخم میری کلائی پر ہوں۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ بکواس کے جا رہے ہو۔“

”اچھا جناب.....!“ حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔ ”میں تو اس سے صرف یہ پوچھ رہتا ہوں کہ تمیری کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا مگر وہ میری بات کا جواب ہی نہیں دیتا۔ اس سے یہی سوال کرنے کے لئے بے شمار آدمی اکٹھا ہو گئے ہیں۔“

”اوہ.... تو زغالی کو ختم کرنے کے بعد وہ پچھلے زینوں سے نیچے اتر گئی۔“

”جناب والا.....!“

”فوراً اپس آجائو..... اب وہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔“

”کیا میں یہ نہ معلوم کروں کہ اس کا قتل کن حالات میں ہوا۔“

”نہیں..... مجھے روپوت میں جائے گی۔ تم واپس آجائو۔“

فریدی نے رسیور رکھ کر بجھا ہوا سگار سلاکیا اور پھر کمرے میں شلنے لگا۔ لیکن اس کے پیوں... نہیں تو..... وہ نکل گئی۔“

”اور آپکی بلیک فورس کے جیالے مند کیختے کر رہے گئے۔“ حمید نے طنزیہ لبھے میں کہا۔

”ب تو وہ گرفتار بھی ہو چکی ہو گئی۔“

”اوہ آپکی بلیک فورس کے کچھ بجھے ہی نہیں کے تھے۔ وہ تو تمہری دیر بعد ملڑا ہونے پر انہیں قتل کا چہرے پر تشویش کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے پہلے ہی سے علم رہا ہو کر۔“ اس نے حقیقت ہے کہ وہ گرفتار کر لی گئی ہوتی۔ فلیٹ کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا زغالی مارڈا جائے گا۔“

”ایک نظر لاش پر پڑ گئی اور اس نے ہمراہ یا کی مربیں کی طرح چینخا شروع کر دیا۔ بلیک جلد ہی پھر فون کی گھنٹی بھی۔ فریدی نے رسیور اٹھا لیا۔ لیکن اس بارہ وہ ایک عجیب ایسے بیٹھتے تھے اور اس فلیٹ کی نگرانی کر رہے تھے۔ بہر حال اس آدمی کی چینخیں سن کر ہی غریب زبان میں گفتگو کر رہا تھا، بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان میں نہیں رہی ہے بلکہ ناطف متوجہ ہوئے۔“

”کنکروں اور پتھر کے گلڑوں پر سڑک کو نہنے والا جن جن چل رہا ہو۔ یہ سلسہ کافی دیر تک جاری رہ۔“ تب پھر آپ دو ثوپ سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی حورت ہی تھی۔ بر قعہ میں مرد بھی تو کبھی کبھی وہ خاموش ہو کر دوسرا طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگتا تھا۔ اس کے چہرے ہے۔“

”متعے کے ساتھ حورت ہی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ ویسے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا۔“

”پہاڑ پر گھرے نکل کر آثار نظر آنے لگے تھے۔“

رسیور رکھتے وقت اس نے ایک طویل سانس لی اور دروازے کی طرف مڑا۔ حمید بڑی ایسی تھی۔ بہر حال بلیک فورس حرکت میں آگئی ہے۔“

”دیر سے دروازے میں خاموش کھڑا اسے حیرت بے دیکھ رہا تھا۔“

”کیا میں ڈاکٹر کو بلاوں۔“ حمید نے گھبرائے ہوئے لبھے میں پوچھا اور فریدی نہیں پڑا۔ ”ٹنالی.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کئی وجہات ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک حمید نے کچھ ایسے انداز میں یہ جملہ کہا تھا کہ اسے جیسے فریدی کے صحیح الدماغ ہونے میں شہادت۔“

”اپنے کہ زغالی اُن نشانات کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا تھا۔ خیر ختم کرو۔“ بالی کی پ ”بیٹھو.....!“ فریدی نے کری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”میں تمہیں بتاؤں کہ اس کا لاؤں آج چین کی نیند سوئیں گے۔“ زغالی ایسا ہی آدمی تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر پر اُس کی لاش دفن نہ کی گئی تو جنازہ یونہی پارہ جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھی اُس موت کیسے واقع ہوئی۔“

”ب پڑھ گیا۔ فریدی چند لمحے خاموش ہو کر بولا۔“ ایک طویل قامت بر قعہ پوچھ عورت یعنی کے ساتوں فلیٹ کے سامنے رکی۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے سائیکل سر پارک لالا اور پھر بقول تمہارے زغالی کی کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا۔ شاپور بلڈنگ میں زینے ہیں اور ساتوں فلیٹ دوسری منزل پر ہے۔ نیچے سے سامنے کے فلیٹوں کے کھلائی دیتے ہیں۔ ہاں تو زغالی کو ختم کرنے کے بعد وہ پچھلے زینوں سے نیچے اتر گئی۔

”زرت اپنا بر قعہ زینوں ہی پر پھینک گئی تھی۔“

سے صرف ڈرتے تھے۔ انہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔“

فریدی تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو گیا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔ “میں صح سے صرف ”ہر بڑے سینے ہیں آپ۔“ ریکھا جلا گئی۔“ اس قسم کے فضول مذاق کرتے ہوئے آپ کو کافر ریسیور کرتا رہا ہوں۔ اب ایک فون میں بھی کروں گا۔“ اس نے کسی کے نمبر ڈائل کر آئی۔ تباہیے فریدی صاحب کیسے ہیں۔“

”بیلو..... کون سعید بابر صاحب۔ میں فریدی ہوں۔“ فریدی کے لجھے میں گھبراہے تو بیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سور ہے ہوں۔ عرصہ سے اس قسم کی بارونی لاش دیکھنے کی بھاگے۔ جتنی جلد ممکن ہو سکے..... وہ عمارت چھوڑ دیجئے۔ آپ بہت بڑے خود میں ہیں۔“ پھر کسی جواب کا انتظار کئے بغیر فریدی نے ریسیور کھدا دیا۔

”کیا مطلب.....!“ حمید بوکھلا کر کھرا ہو گیا۔

”بیشو..... بیشو..... اس کی فکر نہ کرو۔“

”آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے۔“

فریدی نے آرام کری کی پشت گاہ سے نیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

حمد سارا دن گھر میں رہا۔ آج اتوار تھا اور دوپہر ہی سے مطلع ایر آلو دھو گیا تھا اس وہ باہر نہیں گیا۔

اور اب..... ہم لوگ۔“ اس نے حمید سے کہا۔“ یہ رات مختلف قسم کی تفریحات میں وہ دن بھر فریدی کو فون کرتے یا کالیں ریسیور کرتے دیکھتا رہا۔ حمید کے مکر انتہے کے اگر تم سونا چاہتے ہو تو یہیں ایک آرام کری پر سو بھی سکتے ہو۔“

اوپری منزل کے ایک کمرے میں تھے۔ جس کی کھڑکیاں عقبی پارک کی طرف کھلتی سامنے اس کمرے میں اسٹوبل رہا تھا اور اس پر کافی کاپانی چڑھا ہوا تھا۔

بدنے ان سارے انتظامات کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ وہ پچھر پوسٹ اور فونو پلے پن بہتر رسائل اٹھالا یا تھا اور اب ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ سارے نوکر کو اڑڑوں سال لئے اس کمرے میں اسٹوبل رہا تھا اور اس پر کافی کاپانی چڑھا ہوا تھا۔

نجاگارہ بجے فریدی نے کمرے کی روشنی گل کر دی اور حمید میز پر رسالہ پختا ہوا پہاں تو پھر بھی نہیں ہیں کہ اندر ہرے میں ان کی ساری ہی سے دل بھلات۔“

آن ہے کہ دل بھلنے کا کچھ نہیں پکھھ سامان مہیا ہی ہو جائے۔“ فریدی بولا۔

ہمید نے اب بھی کچھ نہیں پوچھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن ایسے میں نہیں ہمیں ہو۔ فریدی اپنا وقت برداونگیں کرتا تھا۔ اب تمام تیاریوں کا کچھ نہ پکھھ مقصد

اس پر بھی حریت ہوئی لیکن اب اس نے کچھ نہ پوچھنے کی قسم کھالی تھی۔

ایک بار جب فریدی لیبارٹی میں تھا۔ حمید نے اس کی ایک کال ریسیوکی۔ دوسروی سے بولنے والی کوئی عورت تھی۔ یہ بات ذرا دیر میں سمجھ آئی کہ بولنے والی لیڈی انہیں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

”فریدی صاحب کا انتقال ہو گیا۔“ حمید نے بڑی دردناک آواز میں کہا۔

”نہیں.....!“ ریکھا اتنے زور سے چینی کر ریسیور جھینٹنا اٹھا۔

”یہاں کفن دفن کا انتظام ہو رہا ہے لیکن انہوں نے مرتے وقت کہا تھا کہ ریکھا کو یہ ساتھ ہی دفن کرنا۔“

پہنچیں وہ کب تک آنکھیں بند کئے آرام کری کی پشت گاہ سے ٹکرا رہا پھر اپنے  
چوک پڑا۔ کیونکہ فریدی اُس کا داہنا شاند دبارہ تھا۔

”اُدھر..... وہ دیکھو..... عقی پارک کی دیوار پر..... سامنے....!“ اُس نے آہستہ سے  
کافی گہر اندر میرا تھا۔ لیکن دیوار کے دھنڈے سے آثار تو نظریں آرہے تھے۔ فریدی  
دیوار پر ایک گول مثول سا سایہ دیکھا اور پھر اُس سامنے نے زمین پر چھلانگ لگائی۔ رہا  
ایک تیز قدم کی غراہت سنائی دی اور وہ کی کتے ہی کی غراہت تھی۔  
”یہ میرے کسی کتے کی آواز نہیں ہو سکتی۔“ فریدی نے کہا اور میز پر پڑی ہوئی اُن فریدی کے منہ سے ایک تحریر آمیز آواز نکلی وہ تارچ کی روشنی میں جھکا ہوا زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔  
انہیں مگر نیچے زمین پر جھاڑیوں اور درختوں کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔

فریدی دیوار کی طرف جھپٹا۔ حمید بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے  
”میرے کسی کتے کی آواز نہیں ہو سکتی۔“ فریدی نے کہا اور میز پر پڑی ہوئی اُن فریدی کے منہ سے ایک تحریر آمیز آواز نکلی وہ تارچ کی روشنی میں جھکا ہوا زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔  
انہیں مگر نیچے زمین پر جھاڑیوں اور درختوں کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔

”میرے خدا.....!“ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ”یہ تو ویسے ہی نشانات ہیں۔“  
اچاک ایسا معلوم ہوا جیسے دو کتے آپس میں لڑپڑے ہوں۔ مگر آواز صرف ایک  
سنائی دے رہی تھی اور فریدی برابر یہ کہے جا رہا تھا کہ وہ اس کے کسی کتے کی آوازا  
بے..... بھر..... ایک بڑی بُجی آواز سنائی دی اور سنائی چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے دو کے  
لکوش کی تھی۔  
دیوار کے نیچے زمین تھی۔ اس لئے نشانات بہت زیادہ واضح تھے۔  
آخری تجھی رہی ہو۔

بڑا سا گول مثول سایہ اب درختوں کے نیچے سے نکل کر کھلے میں آگیا تھا۔ ”میرے خدا.....!“ حمید بڑا یا۔ ”وہ بکیا بلا تھی۔ میں نے اُسے اڑتے دیکھا تھا۔ وہ  
فریدی کی رائفل سے ایک شعلہ نکلا اور وہ دس پندرہ فٹ اور اچھل گیا۔ مگر اس کے بعد  
دیوار سے دو یا تین گز بلند تھا۔“  
”افسوں ہے کہ میرے دونوں فائر خالی گئے۔“  
”افسوں.....!“ فریدی کی بھرائی ہوئی آواز شکرے میں گوئی اور حمید کی نظر پار کر  
دیوار کی طرف اٹھ گئی۔ گول مثول سایہ گویا اٹھتا ہوا دیوار پار کر رہا تھا۔ فریدی نے پھر انہیں معلوم ہو رہی تھی۔“  
”مگر اس فائر کا انجام نہ معلوم ہو سکا۔“

”وسرے ہی لمحے میں فریدی حمید کو کھینچتا ہوا زینے طے کر رہا تھا۔ وہ عقی پارک نہ  
لارٹ کی طرف چل پڑا۔“  
”ایسے ہی کسی کتے نے آپ پر حملہ کیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔  
”ہاں..... یہ لاش تو اُسی کتے کی معلوم ہوتی ہے۔“ فریدی نے جواب دیا۔ ”مجھے افسوس  
ہے کہ یہ زندہ میرے ہاتھ نہ آسکا۔“

”لہذا کہ فریدی نے کسی کے نمبر ڈائل کئے۔“ ریسیور کاں سے لگائے رہا۔ پھر ڈس ٹنکٹ  
کی نے اس کی دونوں بچپنی ٹانکیں چیر دی تھیں۔

”آپ نے مز تویر کے نمبر کیوں ڈائل کئے تھے؟“

”بیں یونہی..... میں نے سوچا کہ تمہیں کسی شاندار عورت کی سر پرستی میں دے دیا جائے۔“

”مگر یہی مجھے آپ ہی کے زیر سر پرستی ہر قسم کا مزا آ جاتا ہے۔ آپ مزید تکلیف نہ کریں۔“

”تم اور ہر کارخ بھی نہیں کرو گے سمجھ۔“

”مجھے بوڑھی عورتوں سے کوئی لچکی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہی مز تویر ہے۔ تویر

بنالاں مڑا اور تویر آڑن ورکس کی مالکہ۔“

”ہاں وہی..... کیا تم اس سے کبھی مل چکے ہو۔“

”اگر وہ بائیک اور تمیں کے درمیان میں ہو گی تو یقیناً کبھی نہ کبھی مل چکا ہوں گا۔“

”اس کا لڑکا تمہاری عمر کا ہو گا۔“

”اور اس سے ایک آدھ چھوٹی کوئی لڑکی ہو گی۔ میں شرط لگانے کے لئے تیار ہوں۔“

”تم ہمار جاؤ گے۔“

جیہد کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”مگر وہ خونخوار کتا آج بھی تھباہ رہا ہو گا۔

پنے اس تجربے کے پچر میں اسے نکل جانے دیا۔“

”جیہد صاحب! جنم میری جیب میں رنگے ہوئے ہیں۔ جس وقت چاہوں ہھکڑیاں

لیں۔ مگر میں فی الحال ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ بس دو چار دن اور ٹھہر جاؤ تاکہ جو کسر باقی رہ گئی۔

”آپ تو ایسا کہہ رہے ہیں گویا یہ کس مری شادی سے پوری ہو گی۔“

”وٹ آپ.....!“ فریدی نے کہا اور جانے کے لئے مڑا۔ لیکن جیہد فوراً ہی بول پڑا۔

”تو پھر آپ اس گول مٹول سائے کے متعلق بھی جانتے ہوں گے۔“

”نہیں میں نہیں جانتا کہ وہ کیا بلا ہے..... یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمارے ہی لئے آئی

لاد ہو سکتا ہے کہ وہ اُسی کے تھا۔“ کتابتی ہوئی یہاں آئی ہو۔ رہا کتا تو وہ ایک بار پہلے

کو عمل کر چکا ہے۔ ممکن ہے آج بھی اسے یہاں اسی نیت سے لایا گیا ہو۔“

”لیکن تم کوئی حماقت نہیں کرو گے۔“

”لیکا..... وہ سایہ اس کے تھا۔“

کر کے دوبارہ نمبر ڈائل کئے اور فوراً ہی پھر ڈس کلکٹ کر دیا۔ اس طرح اس نے لگاتار تقریباً پچیس بار وہی نمبر ڈائل کئے اور وہ نمبر حمید کے ذہن نشین ہو گئے۔ بہر حال اس کے بعد فریدی نے رسیور کر یہیل میں ڈال دیا۔

”آپ کس سے گفتگو کرنا چاہتے ہے۔“

”کسی سے بھی نہیں۔ میں تو صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا، جو سو نصیلی کامیاب رہا۔“

”کیا کامیاب رہا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی تک اپنا وقت بر باد کیا ہے۔ آپ کی جگہ اگر میں ہوتا تو دیوار کے اس طرف پہنچنے میں درینہ کرتا۔“

”تم پر کیا تھا۔“ فریدی بُرا سامنہ بنانا کر بولا۔ ”شیخ نھواں اور میر جن بھی ہیں کرتے۔“

”خیر..... خیر.....!“ حمید نے نیزاری سے کہا۔ آپ کے سب تجربات ختم ہو گئے یا انہیں کچھ باقی ہیں۔“

”اب تم سوکتے ہو۔ مجھے موقع ہے کہ باقی رات آرام سے گذرے گی۔“

فریدی کمرے سے چلا گیا اور حمید بڑی تیزی سے ٹیکی فون ڈائریکٹری پر چھپ پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اس نمبر کی تلاش میں اوراق الٹ رہا تھا، جو کچھ دیر قبلي بار بار ڈائل کیا گیا تھا۔

مگر نمبر سے پتہ معلوم کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جلا کر ہداہمی پوری ہو گئے۔

”آپ تو ایسا کہہ رہے ہیں گویا یہ کس مری شادی سے پوری ہو گی۔“ سر کمپانے کی کیا ضرورت تھی۔ نمبر کے ذریعہ پتہ تو انکو اڑی سے بھی معلوم کیا جا سکتا تھا۔ ٹیکی فون انکو اڑی میں کئی لڑکیاں اس کی شناسائی تھیں۔

اس نے انکو اڑی کو رنگ کیا۔ اتفاق سے لڑکی جان پیچاں والی ہی نکلی اور حمید کو جلد ہی مطلوبہ پہنچ گیا۔ لیکن جب وہ پتہ ایک کافند پرنوٹ کر کے رسیور کر یہیل میں رکھ رہا تھا اس نے فریدی کی آواز سنی۔

”لیکن تم کوئی حماقت نہیں کرو گے۔“

جیہد دروازے کی طرف مڑا۔ فریدی سامنے کھڑا سگار سلگار رہا تھا۔

”خدا جانے!“ فریدی نے آتائے ہوئے لبجھ میں کہا۔ ”کیا تمہیں نینڈ نہیں آری ہے؟“

حمد بھنا کروہاں سے اٹھ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ بزرگ جانے سے پہلے ایک پاسپ پینے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ مہم اسرار سایہ اب بھی اس کے ذہن مسلط تھا۔ وہ کوئی بھاری بھر کم گراں ایسی چیز تھی جو گیند کی طرح لڑک سکتی تھی اور نینڈ کی طرح اچھل بھی سکتی تھی۔ پہلے فائر پر تو وہ حقیقتاً کسی ایسی نینڈ بال عی کی طرح اچھل تھی جس پوری قوت سے زمین پر ٹھنڈا دیا گیا ہو۔ حمید دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا پھر ذہنی رواں خطرناک کتے کی طرف بہک گئی۔ اس نے بھی شاکنڈ زندگی میں پہلی بار اس قسم کا کوئی کارکردگا تھا۔ مگر کیا اسی خوفناک سائے نے اس کی ناٹکیں چیڑاں تھیں۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آگئی۔

اگر یہ سایہ وہی تھا جس کے پیروں کے نشانات سعید بابر کی کھڑکی کے نیچے مل تھے تو اس کے ہو جائے گی۔“

”آ..... ہاں..... تم نے مجھے راحله کے متعلق بتایا تھا۔ بس لڑا دو..... دونوں کو..... تمہاری سے اسکا کیا تعلق ہے۔ اسی کتے نے فریدی پر حملہ کیا تھا۔ مگر سائے کا حملہ سعید بابر کے لئے خالد۔“

”آ..... اپ ان دونوں کو کیوں لڑانا چاہتے ہیں۔“

”ایک تجربہ کر رہا ہوں۔“

حمد کو جلد ہی نینڈ نہ آسکی۔ وہ بستر پر پڑا جا گتا رہا۔ اُسے مجرموں سے زیادہ فریدی مہم اسرار معلوم ہو رہا تھا۔ اس وقت نہ تو اس نے کتے کی لاش کی پروادہ کی تھی اور نہ سہی معلوم (لریت ڈالنے میری)۔ وجہ پوچھوں تو فرمائے ایک تجربہ کر رہا ہوں۔“

”تم کی کوشش کی تھی کہ وہ مہم اسرار سایہ کہاں سے آیا تھا اور کہ ہرگیا تھا۔ اس کے برخلاف“

”فون پر تنوری کے نمبر ڈائیل کرتا رہا تھا۔“

اچاک اس کے فون کی گھنٹی بھی اور وہ بیساختہ اچھل پڑا۔ اس عمارت میں تین فون تھے۔

”تم اس کے نمبر ڈائل کرو۔۔۔ کوئی دوسرا بولے تو کوہ قاسم سے مٹا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک فریدی کی خواب گاہ میں رہتا تھا۔ دوسرا حمید کی خواب گاہ میں اور تیسرا الابریری میں۔“

”ہمیلو.....! کیا سو گئے۔“ اس نے فریدی کی آواز سنی۔

”آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔“ حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

”بستر سے۔“

”اور میں اہرام مصر پر ہوں۔“

”سنونما نہیں۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔“

”بستر پر پڑوں چھڑک کر آگ لگا دوں۔۔۔ نیبھی نا۔“ حمید جھلا گیا۔

”اچھا....!“ چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید کے ”بیلو“ کہنے پر قاسم پھٹ پڑا۔ ”ابے او  
بے کے بچے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے..... سالے....!“  
”زرانیز سے گفتگو کجھے۔“ حمید نے لمحے میں غصیلا پن پیدا کیا۔  
”تیری تینیز کی دم..... یہ راحله کیا تیری مہانی لگتی ہے۔“  
”قائم صاحب! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔“

”ابے میں تیری بیٹیاں اڑا دوں گا۔ بڑا افریقہ کا بچہ۔ خبردار جواب کبھی ادھر کارخ کیا۔

”بھیں بھر دوں گا۔“

”بیلو..... میں ہوں..... جی ہاں..... مگر سعید بابر کو تو آپ نے لکھن لین سے بھگا دیا ہے۔“  
”میں آپ کی دھیاں اڑا دوں گا۔ آپ ہیں میں خیال میں۔“ حمید نے کہا۔ ”راحله  
”بھی تو مصیبت ہے۔“ فریدی بولا۔ ”وہ بھی نک وہیں جما ہوا ہے۔ میرے کہنے کا  
پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے بعد کو مجھے فون کیا تھا۔ کہتا تھا کہ وہ قلمی کسی سے مرعوب یا خا  
نہیں ہے۔ اگر اس کا بھائی یہاں رکھ کر براہے تو میں بھی یہیں مر جاؤں گا۔ وہ کہتا  
”تیرے بآپ کی ہے راحله..... اچھا تھہرو..... سور کے بچے! میں وہیں تھاہرے گھر پر آتا  
بھر دیکھوں گا کہ راحله کس کی ہے۔“

”آپ میرے گھر پر آ کر اپنی موت کو دعوت دیں گے۔“  
”آپ..... اچھا....!“

”راحله کو ساتھ لیتے آئے گا۔“ حمید نے کہا۔

”خوش....!“ قاسم چلکھاڑا۔ ”سور کے بچے..... ابے میں بچ ج آ رہا ہوں۔ اسی  
بھر دیکھوں گا کہ تمھیں میں کتنا دام ہے۔“

”وسری طرف سے سلسلہ مقطوع ہو گیا۔ حمید پیٹ دبائے ہوئے بے تحاشہ قہقہے لگا رہا  
لائے پھر فریدی سے گفتگو کرنے کے لئے رسیور اٹھایا۔

”کیا بات ہے۔“ وسری طرف سے آواز آئی۔

”واہ بھی اور اسی وقت سعید بابر کی ہڈیاں توڑنے جا رہا ہے۔“

”قب.....!“

”تم بھی جا رہا ہوں۔“

”آیا کرو گے۔“

حمدی فون کا سلسلہ مقطوع کر کے سوچ میں پڑا۔ ضروری نہیں کہ فون خواب گاہ میں ہے  
قاسم کے نوکر یا گھر کے افراد شاید ہی اسے جگانے کی ہمت کر سکتیں۔ پھر اچاک اسے یادا کرنا  
اس نے ایک بار دو تین ٹیلی فون آپ شر لڑکوں کا تعارف قاسم سے کرایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ  
انہیں فون کرتا ہو۔ دن کو بیوی کی وجہ سے دشواری ہوتی ہو گی اس لئے وہ رات کو ضرور روز  
کرتا ہو گا۔ وہ دونوں الگ الگ کرنے میں سوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے آج کل  
فون خواب گاہ میں رکھ چھوڑا ہو۔

اس نے قاسم کو فون کرنے سے پہلے ایک بار پھر فریدی سے رابطہ قائم کیا۔

”بیلو..... میں ہوں..... جی ہاں..... مگر سعید بابر کو تو آپ نے لکھن لین سے بھگا دیا ہے۔“

”بھی تو مصیبت ہے۔“ فریدی بولا۔ ”وہ بھی نک وہیں جما ہوا ہے۔ میرے کہنے کا  
پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے بعد کو مجھے فون کیا تھا۔ کہتا تھا کہ وہ قلمی کسی سے مرعوب یا خا  
نہیں ہے۔ اگر اس کا بھائی یہاں رکھ کر براہے تو میں بھی یہیں مر جاؤں گا۔ وہ کہتا  
”بھر دیکھوں گا کہ راحله کس کی ہے۔“

”کوہ ایسے بڑا لوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا جو ایک اپاچ کی رقم ہضم کر کے اسے بھیگ مائے۔“

”آپ میرے گھر پر آ کر اپنی موت کو دعوت دیں گے۔“

”مجبوک رکتے رہے۔ اب میں تمہیں تباوں کہ قاسم کی وجہ سے اسے وہ کوئی چھوڑنی ہی پڑے گا۔“

”آخڑا آپ اس بیچارے کو دہاں سے کیوں نکلوانا چاہتے ہیں۔“

”یا بھی نہ پوچھو..... بس دیکھتے جاؤ۔“

فریدی نے سلسلہ مقطوع کر دیا۔ اب حمید قاسم کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ اسے تقریباً

چھ بار نمبر ڈائل کرنے پڑے۔ پھر دوسری طرف سے رسیور اٹھنے کی آواز آئی۔

”ہاں..... قون..... کون ہے۔“ قاسم کی دہاڑتائی دی۔

”قاسم صاحب.....!“ حمید نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش کی۔

”ہاں قاسم صاحب..... تم کون ہو..... یہ بھی قولی حرکت ہے۔“

”کیا راحله جاگ رہی ہیں۔“

”ابے تم کون ہو.....!“ قاسم دہاڑا۔

”سعید بابر.....!“ حمید نے بھی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

”واہ..... اصل تفریغ تو وہیں ہوگی..... اچھا میں چلا۔“  
”ٹھہرہو.....! سنو وہ دونوں تمہیں دیکھنے نہ پائیں۔“

”آپ مطمئن رہیں....!“ حمید نے کہا۔ رسیدور کریل میں ڈالا اور بڑی تحری  
لباس تبدیل کرنے لگا۔ کمرے سے باہر نکلتے وقت اس کے جسم پر سیاہ پتوں اور پھر سے  
جیکٹ تھی۔

اُسے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ اُس نے گھر سے سعید کی کوئی تک کارانتین کیے ہیں!  
کار ایک گلی میں کھڑی کر ک  
وہ کوئی کی پشت پر بیٹھ گیا۔ کوئی مکر دقد آدم چہار دیواری تھی۔ حمید بڑی اختیاط۔  
اس پر چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔

لیکن آج ایک حرمت انگیز بات اس نے مارک کی تھی۔ کوئی کی کپاڈ مٹ کا چاہنک کلا  
تھا اور عمارت کی بعض کھر کیوں میں روشنی بھی نظر آری تھی۔  
حمدی پام کے گلوکوں کی اوٹ میں رک گیا۔ یہاں سے چاہنک صاف نظر آتا تھا۔ اب  
ایخا اور کیا ہو گیا؟ فریدی نے اُس سے کہا تھا کہ وہاں اس کی موجودگی کا علم اُن دونوں کو نہ  
اُسے قاسم کی آواز سنائی دی، جو شاید چاہنک میں داخل ہونے سے پہلے ہی دہائی نے لگا۔  
”قاسم شور نہ چاؤ۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”تم اس وقت خطرے میں تھے۔ گولی میں  
اُبے اوسید بابر کے بچے..... میں آ گیا..... نکل تو باہر۔“

پھر چاہنک میں اس کے پہاڑ جیسے جسم کا دھنڈلا سا سایہ نظر آیا۔ وہ پورچ کی طرف  
نے چالی تھی۔  
”ارے واہ.....!“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”میں ہی خطرے میں تھا اور مجھ ہی پر تم نے  
کھڑے ہو گئے کیونکہ قاسم کے پچھے بھی ایک سایہ تھا۔ وہی گول مٹول سا سایہ جو تمہری  
کول چالائی..... تمہاری عقل میں کھوپڑی ہے یا نہیں۔“

فریدی کی کوئی میں نظر آیا تھا۔ وہی تھا.... سو فصدی وہی تھا۔  
حمدی اُسے محض وابہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ زمین پر کسی بڑی سی گیند کی طرح لڑک  
اور قاسم شاید اس کی موجودگی سے لام تھا۔ دونوں میں بمشکل تمام دس گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔  
حمدی بوکھلا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فائز کر دینے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا  
اس نے روپ اور ٹکال کر پے در پے تین فائز جھوک دیے۔  
”ہت تیرے کی.....!“ اُس نے قاسم کی چلکھلازی۔ ”سالے بزدل۔“

حمدی نے اس گول مٹول سائے پر فائز کئے تھے اور اُسے اچھل کر دوبارہ زمین پر گرتے  
بیکا تھا مگر پھر اُس کے بعد وہ نظر نہیں آیا اور قاسم بھی نہار دی۔  
”قائم.....!“ حمید نے اُسے آواز دی۔  
”دن..... توں.....!“ قریب ہی سے کچھا تھی ہوئی آواز آئی۔  
ساتھ ہی کی نے اپری منزل کی ایک کھڑکی سے آوازوں کی سوت تاریخ کی روشنی ڈالی۔  
”حمدی بھائی.....!“ قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شاندہ بھی تک زمین پر چٹ پڑا رہا تھا۔  
”اوپری منزل والی کھڑکی کی طرف ہاتھ ہلا کر چخا۔

”آؤ سالے..... نیچے آؤ۔ تم نے ایک پولیس آفیسر کی موجودگی میں مجھ پر گولیاں چالائی ہیں۔“  
”کون ہے.....!“ اوپر سے آواز آئی۔

”میں تمہارا باب..... نیچے آؤ.....!“ قاسم نے لکارا۔  
حمدی بوکھلا گیا۔ یہ نی مصیبت تھی۔ قاسم کو کٹھوڑا کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کیا سوچ کر  
ایخا اور کیا ہو گیا؟ فریدی نے اُس سے کہا تھا کہ وہاں اس کی موجودگی کا علم اُن دونوں کو نہ  
نے پائے۔ گروہ پر اسرار سایہ درمیان میں آ کو دا۔ اگر حمید اس پر فائز رہتا تو قاسم کہاں ہوتا۔  
”قاسم شور نہ چاؤ۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”تم اس وقت خطرے میں تھے۔ گولی میں  
اُبے اوسید بابر کے بچے..... میں آ گیا..... نکل تو باہر۔“

”ارے واہ.....!“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”میں ہی خطرے میں تھا اور مجھ ہی پر تم نے  
کول چالائی..... تمہاری عقل میں کھوپڑی ہے یا نہیں۔“

خدھا تھی منزل کا دروازہ کھلا اور بیر و فی برآمدے کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔  
سعید بابر شب خوابی کے لباس میں دروازے میں کھڑا تھا۔ قاسم بڑی تیزی سے اس کی  
لہجہ تھا۔ مگر حمید نے اس سے بھی زیادہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔  
”تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”اُس سالے کو بار بار بناؤ گا۔ مگر تم نے مجھ پر فائز کیوں کیا تھا۔“ وہ رک کر حمید کی  
لہجہ پڑا۔

”کون صاحبان.....؟“ سعید بارہنے برآمدے سے کہا۔ ”میں نے شاید فائزروں کی پانچت سرکاری طور پر کر رہا ہوں۔ اس وقت تمہارا دوست نہیں.....جاوے۔“ آوازیں سنی تھیں۔ میرے ہاتھ میں بھی رویالور ہے اور میں ایک ستون کی اوٹ میں ہوں۔“ سعید بارہ فرش پر بیٹھا بایاں گال دبائے خون تھوک رہا تھا۔

”کیپن حمید.....!“ حمید نے گر جدار آواز میں کہا۔

"اوہ.....کپتان صاحب.....فرمائیے۔" سعید بابر پھر وہی میں آگیا۔

”میں فرماؤ نگاہی.....!“ قاسم دہڑا۔ ”اور ایسا فرماؤ نگاہ کہ تم مہینوں چار پائی سے اٹھنے کو گے۔ یہاں .....!“ اور پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا تار کی میں گم ہو گیا۔

"کون صاحب بول رہے ہیں کپتان صاحب! آپ حضرات یہاں کیوں آباھا۔" "یہاں اس وقت کیوں آباھا۔" حمد نے سعد بابر سے بوجھا۔

”جہاں تم کھو۔“ قاسم نے پیچنے کرنے سے انداز میں کہا۔ ”میں ہر جگہ تاریخوں کا۔“ ”میرے نہیں خاتما۔ عجب و حیر آؤ دی کے۔“

”فَلَمْ يَرْجِعُوا إِلَيْنَا وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ بِهِمْ حِلٌّ“  
”وَمَنْ يَرْجِعُهُمْ إِلَيْنَا فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ“

”جیسا کہ میں اپنے اخبار تحریک شاندی کے نام پر“

”لے کر اگ اس کا چھوٹا سا بھائی تھا۔“ جس کا نام ”محمد“ تھا۔

او ہو..... فام صاحب..... عینید بابرے یہ رت کے چاپ پر میدلی سرف دیباں ہے۔ میدے ہے ہاں۔ یہ یہ اٹھاں اس

"میں بھی مجھ سلا رہا وہ اپنے وہ نظرات می موجودی کا لیا مطلب ہے۔

”موہری کا مطلب موجودی ہے۔“ قائم عرایا۔ ”ہاں اب ہو، جو کچھ کہہ رہے ہے۔“ ٹیکاں چباڑا لے۔

”میں کچھ بھی سمجھا جتاب۔“ آج یہاں دراصل میری ڈیوٹی تھی۔ ”حمد نے سعید بابر سے کہا۔ ”جس دن سے آپ

”جب سالا گیا جو لمبے میں..... میں شرافت سے بھیں پیش آؤں گا۔“  
پہلے ہوا ہے کوئی نہ کوئی یہاں ضرور موجود رہتا ہے۔“

”میں شکر گزار ہوں جتاب۔“ حمید نے سوچا کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو فریدی اچھی طرح اُسکی خبر۔

”ذرما راج مجھے دیجئے اور میرے ساتھ آئیے۔“ وہ دونوں برآمدے میں آئے۔  
ہندزا اس نے سعید بابر سے کہا۔ ”کیا آپ کو علم ہے کہ آج رات بھی آپ بال بال بچے ہیں۔“

"یہ تم نے کیے سمجھ لیا کہ یہ بال بال بیج ہیں۔" قاسم غرایا۔ "کیا تم میرا باتھ پکڑ لو گے

تی بہت..... ہاں باہر صاحب۔ اب تم راحله کا نام تاکہ زبان سے نکالو تو دیکھوں۔“ ناجیرت انگریز نشانات موجود تھے۔

”راحلہ کیا مطلب....؟“ سعید بار خفیہ آواز میں بھروسہ

قائمه کا تجھے جل اگا ہوئے، تجھے سعداء کو کھٹا ہوا فرش پر ڈھنے ہو گا۔

”تکمیل کرنے کا شکر میں اپنے ”جس دنیا میں ایسا بھائی تھا جو اپنے بھائی کو اپنے بھائی کے لئے کھلے کر کھلے کر پڑا۔“

فام.....میں ہوں میں ہوئے ہیں۔ مید دریاں میں ایسا یا۔ نیپے، ہو درہ رہے۔ پے۔ سعید بارہا ھچھر کرامدے ہجھر پچھا ہوا بولا۔ یہاں اب نہ ہمیرے۔

ارے..... ارے.....! قام چیپے ہنا ہو بولا۔

”قیا.....!“ قاسم دہڑا۔ ”قہی نہیں ہونے دوں گا۔“  
”بھلام کیسے روک سکو گے۔ راحله اپنی مرضی کی مالک ہے۔“

”میں دونوں کو گولی مار دوں گا۔“  
”آخر کیوں! تمہارا کیا بگرتا ہے۔“  
”میں اب دنیا میں کسی کی شادی نہیں ہونے دوں گا..... سامجھے۔“  
”کیوں برخوردار.....!“

”یونہی..... میرا دل چاہتا ہے اور اب تو میں سعید بابر کو شہری میں نہ رہنے دوں گا۔“  
قاسم نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ حمید نے جیسے ہی ریسیور کھلا۔ گھنٹی پھر بیجی۔  
”بیلو..... حمید۔ آواز آئی۔“ اواز فریدی کی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ ”عدنان والا کیس بھی  
میرے ہی پاس ہے۔ تم تو یہ سلیل کراؤں چاروں آدمیوں کے متعلق ضرور معلومات فراہم کرو،  
عدنان کے ساتھ ہی غائب ہو گئے تھے۔ اس کے لئے اپنی تماضر ہمدردیاں ظاہر کرنا محض اس  
لئے کہ ہم میں شناسائی تھی سمجھے۔“

”مجھ گیا..... جا رہا ہوں۔ لیکن نیند کی وجہ سے دماغ کچھ ماڈ سا ہو رہا ہے۔ اگر اسکی  
ذہنی حالت میں مجھے تو یہ سے عشق ہو گیا تو تمام ترمذہ داری آپ پر ہو گی۔ کیونکہ نیند ہی کے  
عالم میں ایک بار.....!“ حمید بکارہ اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اُسے بہت عرصہ سے تو یہ کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ اُس نے اس کی حرمت انگیز سخت کے  
تعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔

تو یہ سے اپنے خیال آفس میں ریسیو کیا۔ لیکن حمید اس کے چہرے سے قطعی اندازہ نہ  
لگا کہ وہ اپنے لڑکے کے لئے معموم ہے۔

آفس میں دو لڑکیاں رجڑوں پر جھکی ہوئی تھیں۔

”مجھے یہاں کی پولیس سے بڑی خشایت ہے۔“ تو یہ سے کہا۔  
”ٹھیک ہے۔“ حمید سرہلا کر بولا۔ ”لیکن آپ لوگ بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ کئی بار کے

”ایانت لوگوں کو آپ نے باڑی گارڈ بنار کھا تھا۔“

## خوفناک لمحات

حمد کو نہیں معلوم تھا کہ اب فریدی کا کیا پروگرام ہے۔ اُس نے اُسے وہ سارے واقعات  
 بتائے تھے جو سعید بابر کی کوشش میں پیش آئے تھے، جواب میں فریدی نے مسکرا کر صرف اتنا نظر  
 کہا۔ ”ضروری نہیں کہ ہماری ساری ایکسیں کامیاب رہی ہوں۔ میں نے دوسری طرح کام  
 نکالنا چاہتا تھا مگر نہیں ہو سکا۔“

حمد نے سوچا کہ نہیں ہو سکا تو جہنم میں جائے۔ اُسے کیا؟ مگر اُس نے فریدی کو راحله اور  
 سعید بابر کی ہونے والی شادی کی خوبخبری سنائی دی۔

”بہت دلچسپ.....!“ فریدی مسکرا یا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت آمیز چک تھی۔  
”ضرور دلچسپ.....!“ حمید دانت نکال کر بولا۔ ”دوسروں کی شادیوں کے متعلق من کر  
 آپ کو کافی مزہ آتا ہے۔“

فریدی باہر جانے کے لئے تیار تھا اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ حمید اپنے کمرے میں  
 آگیا، وہ پچھلے چوہیں گھنٹوں میں بخشش تمام تین گھنٹے سویا ہو گا۔

بستر پر جانے سے پہلے اُس نے قاسم کو فون کیا۔ فون سیلے نے ریسیور کیا تھا۔ پھر قاسم آگیا۔  
”میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ قاسم نے ناخن گوار لجھے میں کہا۔

”مت کرو بات.....! لیکن میں سرکاری طور پر وہاں سعید بابر کی ھفاظت کے لئے تھا۔“  
”سرکاری کی ایسی کی تیسی۔“ تم نے پہلے مجھ پر گولی چلائی پھر دوبارہ گولی مار دینے کی دلکشی  
 دی۔ ویسے اگر تم مجھ سے پہنچا ہو تو میں اب بھی تیار ہوں۔“

”میں نے تم پر گولی نہیں چلائی تھی۔ تمہارے پیچھے ایک آدمی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سعید کی  
 تاک میں آیا ہو۔ بہر حال میری ایک بھی گولی اس کے نہیں لگی۔ سعید بابر کی زندگی خطرے میں  
 ہے۔ ایک بار تمہاری موجودگی میں بھی اس پر فائر ہو چکا ہے۔“

”صرف زندگی خطرے میں ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ سالا مرے بھی تو کسی طرح۔“  
”اب میں ایک بڑی خبر سناؤں گا۔“ حمید نے کہا۔ ”راحله اور سعید کی شادی ہونیوالی ہے۔“

”یہ تو مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ وہ سرا یافتہ تھے۔“ تنویر بولی۔ ”آن مردوں نے مجھے اپنے سرٹیفیکیٹ دکھائے تھے۔“

”چوریوں، ڈکتیوں اور کشت و خون کے سرٹیفیکیٹ ..... !“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں..... انہوں نے کہا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی ہیں۔ ان کے پاس سرٹیفیکیٹ تھے۔“

”اوہ..... تو آپ ان کے متعلق دھوکے میں تھیں۔“

”قطیعی دھوکے میں رہی۔“

”وہ آپ کے پاس کب سے تھے۔“

”پانچ سال سے ..... لیکن اس دوران میں کبھی انہوں نے مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ عدنان کو کیوں لے گئے۔“

”اگر عدنان صاحب ہی انہیں کہیں لے گئے ہوں تو۔“

”نہیں..... وہ مجھے اطلاع دیے بغیر کہیں نہیں جا سکتا۔“ تنویر نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کچھ اور بھی کہے گی لیکن وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولی اور حمید دونوں لڑکوں کا جائزہ لیتا رہا۔

”ٹھہریے..... میں ابھی آتی ہوں۔“ تنویر نے کہا اور انھوں کو آفس سے نکل گئی۔

حمداب باقاعدہ طور پر لڑکیوں کو گھورنے لگا تھا۔ ایک لڑکی سے کئی بار نظریں میں۔ حمید کے دیکھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ لڑکی کو بولنا اعی پڑا۔

”کیا آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔“

”جی ہاں..... !“ حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکیوں کو کلکی کرتے دیکھ کر میرا لیکچر خون ہو جاتا ہے۔“

لڑکی نے اسامنے بنا کر پھر کافنڈات میں مشغول ہو گئی۔ حمید نے دوسرا لڑکی کی طرف دیکھا جو اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

”آپ کا لیکچر خون کیوں ہو جاتا ہے جناب۔“

”آپ اتنی ذرا سی بات نہیں سمجھ سکتیں۔ میں لڑکیوں کو اتنے کچھ مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”ذرا مجھے بھی تو آگاہ کیجئے اس مقام سے۔“ لڑکی اپنا اور پرپی ہونٹ بھیخت کر بولی۔

”رنگین مرغزاروں میں چاندی کی جھیلوں کے کنارے، صنوبر کے سائے تسلی اور ..... !“

”یعنی ہم ..... !“ لڑکی بات کاٹ کر بولی۔ ”مرغزاروں کی گھاس چریں اور جھیل سے

ٹھڈا پانی پی کر سور ہیں۔“

”اوہ..... آپ میں جمالیاتی حس بالکل نہیں معلوم ہوتی۔“

”جی ہاں..... اس وقت بالکل مردہ ہو گئی ہے جمالیاتی حس ..... کیونکہ صبح سے اب تک

رف دو سالیں اور ایک کپ چائے پر ہوں۔ لفظ کے بعد پھر جاگ اٹھے گی جمالیاتی حس۔“

”اوہو! مجھ سے غلطی ہوئی۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”لڑکیوں کا صحیح مقام دراصل باور پرچی

نانہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری نانی صاحبہ اپنے وقت کی سب سے بڑی مفکر تھیں۔“

”خدا غارت کرے ان نانیوں اور دادیوں کو انہیں کی بدولت عورتوں کی منی پلید ہوئی ہے۔“

حمدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ تنویر والبیں آگئی۔ لیکن اس کا چیڑہ اتر اہوا تھا

انکھوں سے بے چینی مترشح تھی۔

”ذرا میرے ساتھ آئیے۔“ اس نے کہا اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ حمید اٹھ کر

باہر نکل آیا۔

”کیا بات ہے..... آپ کچھ پریشان سی نظر آ رہی ہیں۔“

”ہاں..... میں پریشان ہوں۔ میں دراصل آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتی تھی لیکن اب وہ

ہاں نہیں ہے..... آئیے میرے ساتھ۔“

حمداب اپنے شانوں کو جنمیں دے کر اس کے ساتھ چلتے گا۔ وہ رہائشی عمارت میں آئے۔ یہ

ٹیلے کشست ہی کا کمرہ تھا۔ تنویر نے مغل پیس پر رکھے ایک آنبوی ڈبے کی طرف اشارہ کیا

جس پر نقش و نگار بننے ہوئے تھے۔

”آج کل میری کوشی میں کچھ نامعلوم آدی..... ٹھہریے۔“ وہ دروازے کی طرف چینی

”میداں ڈبے کی طرف دیکھنے لگا۔ تنویر کا جملہ اور اشارہ دونوں ہی ادھورے سے رہ گئے

ٹھہرے دروازے تک گئی اور پھر واپس آگئی۔

ہوش میں آئے ہوئے کافی وقت گزرنگیا لیکن حمید کی ذہنی اور جسمانی حالت درست نہ لی۔ اس کا ذہن اوث پٹاگ خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ کیفیت وہی تھی جو کسی بے ربط اب کی ہوتی ہے۔

پھر اس نے کسی کے قدموں کی آہست سنی اور دھنٹا چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ زینوں ہنے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ شاید وہ چاروں مجھ سے کوئی بڑی رقم وصول کرنا چاہتے ہیں۔

”ہمارا بھی یہی خیال تھا۔“ حمید نے کہا۔

”مگر اب..... پچھلی ہی رات کی بات ہے کہ پاؤٹ میں کچھ نامعلوم آدمی موجود تھے انہوں نے کئی کھڑکوں سے شیشے توڑ کر اندر گھنے کی کوشش بھی کی تھی۔“

”کامیاب نہیں ہو سکے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں کامیاب ہو سکے..... لیکن آج صبح میں نے ایک کھڑکی کے نیچے ایک لاکٹ پالیا تھا۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ پولیس کے کسی کام آسکے لہذا میں نے اسے اس سیاہ ڈبے میں رکھ دیا۔ آپ کی آمد پر میں نے ارادہ کیا کہ وہ لاکٹ آپ کو دکھاؤں..... مگر میرے خدا اس ڈبے میں لاکٹ کی بجائے.....!“

تو ٹویر پھر خاموش ہو گئی۔ اسکے ہونٹ کا نپ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی نرمی خبر سناتے ہوئے ڈر رہی ہو۔ آخر اس نے بدقت تمام کہا۔ ”اس ڈبے میں ایک کٹا ہوا تھا ہے۔“

”حید ڈبے کی طرف چھپنا اور اسے میٹھل پیس سے اتار کر کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔“

”کیا یہ مقلعہ ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”نہیں وہ سفید ٹلن دبائیے۔“ ٹویر بولی۔

پین پانگلی پڑتے ہی ڈھکلن اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن حمید..... لڑکڑا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ڈبے بھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ گردنظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آنکھوں اور ڈبے کے درمیان زرد رنگ کا گہرا غبار حائل ہو گیا تھا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ”اندھیرے میں ہو۔ گہرے اندھیرے میں۔“ پھر اسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ شے جانے کتنی دری بعد ہوش آیا۔ اسے وقت کا احساس نہیں ہوا۔ البتہ اب بھی وہ اندھیرے ہی میں تھا اور اس کی دہنی حالت اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ اس نے زمین سے اپنا وہ ہاتھ اٹھانا چاہا۔ جس پر یہ ڈائل کی گہڑی تھی لیکن یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ ویسے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے ہاتھ پر آزاد ہیں۔

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ہر وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی چھپر میری گھنگوں رہا ہو۔..... عدنان کا اس طرح غائب ہو جانا کسی گہری سازش کا پیش خیہہ ہے۔“

”مگر اب..... پچھلی ہی رات کی بات ہے کہ پاؤٹ میں کچھ نامعلوم آدمی موجود تھے انہوں نے کئی کھڑکوں سے شیشے توڑ کر اندر گھنے کی کوشش بھی کی تھی۔“

”کامیاب نہیں ہو سکے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں کامیاب ہو سکے..... لیکن آج صبح میں نے ایک کھڑکی کے نیچے ایک لاکٹ پالیا تھا۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ پولیس کے کسی کام آسکے لہذا میں نے اسے اس سیاہ ڈبے میں رکھ دیا۔ آپ کی آمد پر میں نے ارادہ کیا کہ وہ لاکٹ آپ کو دکھاؤں..... مگر میرے خدا اس ڈبے میں لاکٹ کی بجائے.....!“

تو ٹویر پھر خاموش ہو گئی۔ اسکے ہونٹ کا نپ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی نرمی خبر سناتے ہوئے ڈر رہی ہو۔ آخر اس نے بدقت تمام کہا۔ ”اس ڈبے میں ایک کٹا ہوا تھا ہے۔“

”حید ڈبے کی طرف چھپنا اور اسے میٹھل پیس سے اتار کر کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔“

”کیا یہ مقلعہ ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”نہیں وہ سفید ٹلن دبائیے۔“ ٹویر بولی۔

پین پانگلی پڑتے ہی ڈھکلن اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن حمید..... لڑکڑا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ڈبے بھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ گردنظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آنکھوں اور ڈبے کے درمیان زرد رنگ کا گہرا غبار حائل ہو گیا تھا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ”اندھیرے میں ہو۔ گہرے اندھیرے میں۔“ پھر اسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ شے جانے کتنی دری بعد ہوش آیا۔ اسے وقت کا احساس نہیں ہوا۔ البتہ اب بھی وہ اندھیرے ہی میں تھا اور اس کی دہنی حالت اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ اس نے زمین سے اپنا وہ ہاتھ اٹھانا چاہا۔ جس پر یہ ڈائل کی گہڑی تھی لیکن یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ ویسے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے ہاتھ پر آزاد ہیں۔

سائے کی لاش

”تمہیں زغالی کے پاس کس نے بھجا تھا۔“

”کرٹل فریدی نے۔“

”اُن سے کیا معلوم کر زغالی اُس کے متعلق کچھ بتا سکے گا۔“

”کرٹل فریدی آدمی نہیں جن ہیں۔“ حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

تویر تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموش ہو گئی اور حمید بولا۔ ”تم آخر یہ سب مجھ سے کیوں احساس نہیں ہو رہا تھا۔“

”کیا تم اُس جانور کے متعلق کچھ جانتی ہو۔“

”ہاں..... میں جانتی ہوں۔“ تویر کے ہونتوں پر ایک سفاکی مسکراہت نمودار ہوئی۔

”میں جانتی ہوں۔ وہ آدمی کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتا ہے۔ کل رات وہ کرٹل فریدی اور

لبپن حمید کا گوشت کھانے کیلئے گیا تھا مگر وہ دونوں ہوشیار تھے۔ پھر وہ سعید با بر کا گوشت کھانے لے گیا لیکن وہاں بھی کیپٹن حمید ہی آڑے آیا۔ لہذا اب تم خود ہونج لو کافی بھحدار ہو۔“

”تویر کچھ نہ ہوئی۔ وہ غور سے اُسے دیکھ رہی تھی۔“

”خدا کی قسم بس ذرا سامسکرا دو۔ ان پتی پتکی یا توئی کا شوں پر مسکراہت بڑی بھلی لگتی ہو گی۔“

”شٹ آپ.....!“

”کیا تم ایک رات زغالی کے گھر نہیں گئے تھے۔“ تویر نے پوچھا۔

”کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو۔“ تویر کی تیز قسم کی سرگوشی کر رہے ہیں گئے۔

”حید کچھ نہ ہوا۔“

”میں تمہیں دکھاؤں گی۔“ تویر دایمی طرف والی دیوار کی طرف جاتی ہوئی ہوئی۔ اچانک

اسے کی تیز روشنی دھنلاہت میں تبدیل ہو گئی..... اور حمید نے محosoں کیا جیسے سامنے والی

بائیں جگہ سے کھک کر ایک طرف دوڑتی چل گئی ہو۔ ساتھ ہی سڑتے ہوئے گوشت کی بدبو

سال کا داماغ پھنسنے لگا۔

”ئی ہو کی دیوار کی دوسری طرف گہری تار کی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ تار کی بھی

نلامہت میں تبدیل ہو گئی۔“

”پہنچن ہلا سکتا تھا۔ ذبے سے نکلنے والا زرد رنگ کا غبار شاہد اسی لمحے استعمال کیا گیا تھا کہ اس کی قوت ہی ختم ہو جائے۔ مگر حمید کی زبان کی قوت سلب کرنا کس کے بس کاروگ تھا۔“

”میں اس ٹریجڈی کے بعد ایک کہانی لکھوں گا جس کا عنوان ہو گا ”سگدل مجوبہ۔“

ہنڑ پھر پڑا۔

”مارڈا لو.....!“ حمید مسکرا کر بولا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ حمید کو جو چوت کا بھی کچھ ایسا زیاد احساس نہیں ہو رہا تھا۔

”تویر چند لمحے اُسے گھوڑتی رعنی پھر بولی۔“

”تمہیں بتانا پڑے گا کہ عدنان کہاں ہے۔“

”ہم اُسے طلاق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر یہ طریقہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ تویر کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ عدنان کو ہم نے اخواء کیا ہے۔“

”تویر کچھ نہ ہوئی۔ وہ غور سے اُسے دیکھ رہی تھی۔“

”خدا کی قسم بس ذرا سامسکرا دو۔ ان پتی پتکی یا توئی کا شوں پر مسکراہت بڑی بھلی لگتی ہو گی۔“

”کیا تم ایک رات زغالی کے گھر نہیں گئے تھے۔“

”عدنان کہاں ہے۔“

”کیا تم ایک رات زغالی کے گھر نہیں گئے تھے۔“ تویر نے پوچھا۔

”یقیناً گیا تھا.....!“

”تمہارے ساتھ کون کون تھا۔“

”سار جنث ریش اور پروفیسر دیال۔“

”کیوں گئے تھے۔“

”کسی عجیب و غریب جانور کے پیروں کے نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے۔“

”نشانات کہاں ملے تھے۔“

”افریقہ کے ایک تاجر سعید با بر کی کپاؤٹ میں۔“

فرش پر ایک بہت بڑی سی گیند لوٹکی پھر رہی تھی۔ حمید کچھ اس قسم کی آوازیں بھی سن رہا تھا جیسے کوئی ریلوے انجن اشیم چھوڑ رہا ہو۔  
”نمودنگا.....! میں وہاں روشنی کروں گی۔“ تنویر نے کہا۔

اور وہ گول مٹول سایہ لوٹکتا ہوا ایک طرف چلا گیا اور دوسرا کمرہ بھی روشنی میں نہا گیا۔  
مگر حمید نے دوسرے عی لمحے میں اپنی آنکھیں بند کر لیں کیونکہ سامنے عی اسی انسانی ہڈیوں کے تین پنج بھر نظر آگئے تھے۔ دو تو صرف ہڈیوں کے ڈھانچے تھے لیکن تیرے پر ابھی تھوڑا گوشت باقی تھا اور شاید یہ اسی کی بدبو تھی۔ اچانک ایک آدمی گھٹنوں کے مل چلتا ہوا اس کرے میں آگیا جہاں حمید فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ آنے والے کا شیو بڑھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر مردنی تھی۔ آنکھیں ہٹکوں میں سکھی ہوئی تھیں۔ حمید نے اسے پیچان لیا۔“  
انہیں چاروں میں ایک تھا جن کی تصویر پیس اس نے کوتولی میں دیکھی تھیں وہ آتے ہی تنویر کے قدموں پر ڈھیر ہو گیا۔

”معاف کر دیجئے محترم..... خدا کے لئے معاف کر دیجئے۔“ وہ روتا ہوا گزر گزا مگر تنویر نے بُرا اسمانہ بنا کر اسے ٹھوکر مار دی۔

حمدیکی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہوتی جا رہی تھی لیکن وہ فرش پر بے حس و حرکت پڑا رہا تھا۔  
اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ گول سایہ روشنی کا نام سن کر وہاں سے بہت کیوں گیا تھا۔

”نہیں تجھے معاف نہیں کیا جاسکتا۔“ تنویر تو میں اسے معاف کر سکتی ہوں۔  
”تو نہ ہوگا کی غذا بنے گا۔ اس کے لئے یہاں ایک شکار اور بھی ہے کیاں حمید وہ نہیں بتاتا کہ عذرناک کہاں ہے۔ اگر تو بتا دے تو میں اسے معاف کر سکتی ہوں۔“

حمدی نے دل میں کہا۔ ”تم مجھے ضرور معاف کرو گی میری الہڑ بڑھیا۔“  
اب بہت کچھ اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔ اس نے نجیف آواز میں کہا۔ ”میں بیادوں گا۔“

”بیاؤ.....! میں تمہیں معاف کر دوں گی۔“  
”پانی.....!“

”بیانے کے بعد پانی بھی مل جائے گا۔“

”میں مر رہا ہوں.....!“ حمید نے اس طرح اپنی آنکھوں کو گردش دی جیسے بچ ٹھیک اس پر ہماری ہو رہی ہو۔

”پانی.....!“ اس کے حلقو سے ایک ڈراؤنی کی آواز نکلی۔

”میں پانی لارہی ہوں۔“ تنویر نے کہا اور زینون کی طرف جھیٹی۔ حمید نے اس وقت تک ہنگ جاری رکھی جب تک کہ اس کے قدموں کی آہٹ سکوت میں نہیں ڈوب گئی۔

دوسراء بدنصیب آدمی اسے بڑی بے تلقی سے دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس قسم کے جذبات فتا ہو گئے ہوں حتیٰ کہ اس کے چہرے پر خوف کے آثار بھی نہیں تھے۔  
نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا اور وہ گھٹنوں کے مل جھپٹا جیسے کوئی کتاب اپنے مالک مل پڑ دیا تھا۔ وہ دوڑا چلا آئے۔

”یہ روشنی میں کیوں نہیں آتا۔“ حمید نے آہستہ سے پوچھا۔  
”روشنی میں اسے دکھائی نہیں دیتا۔“

”وہ ہے کیا بلا۔“

”خپیٹ..... نہ وہ آدمی ہے اور نہ جانور۔“

”کیوں نہ ہم اسے مار دیں۔“

”نہیں..... وہ ہزاروں پر بھاری ہے..... لیکن کیا آپ کے پاس ریو الور ہے۔“

”نہیں.....!“

”تلخی ہا نہیں.....!“

”پھر کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو۔“ حمید نے کہا۔

”مقدار.....!“ اس نے بے بھی سے کہا لیکن پھر جلدی سے بولا۔ ”تنویر کے بلا اوڑ کے بیان میں ہر وقت ایک پستول رہتا ہے۔“

”اوہ..... بس اب تم ہٹ جاؤ۔“ حمید نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ بادی گارڈ پھر کل کے مل چلتا ہوا وہیں پہنچ گیا۔ جہاں تنویر اسے چھوڑ کر گئی تھی۔

کی وجہ سے تم سال بھا سال سے اپنے گھر والوں اور قریبی حلقوں میں پُر اسرا ر مشہور رہی ہوا اور یہ  
خالی پتوں اب اپنے سر پر مارلو۔ کم از کم ایک کارتوں خود کشی کے لئے تو چھوڑا ہوتا۔“

## سائے کی لاش

فریدی سوچ بورڈ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے کمرے میں روشنی کر دی۔ دفتار توبیر کے  
ملے سے ایک سمجھی گھٹتی سی چیخ نکلی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ فریدی کے  
ہاتھ عدناں بھی تھا۔

وہ عجیب التلاقت آدمی یا جانور فرش پر چلتا ہوا تھا۔ انتہائی ڈراؤٹا۔ اس کی لاش بھی  
خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ اس کا قد بکشل تمام چار فٹ رہا ہوگا۔ پھیلاو بھی اس سے  
کم طرح کم نہ رہا ہوگا۔ چہرہ جھریلیا ہوا اور خوفناک تھا۔ بڑے بڑے دانت ہونتوں سے باہر  
نکلے ہوئے تھے۔ پلکیں تک سفید ہو گئی تھیں اور اس کے پیروں۔ وہ یقیناً عجیب تھے۔ خود اس کی  
دست سے بھی زیادہ عجیب۔

”مدونگا.....!“ اپاک توبیر چیخ مار کر اس کی لاش پر گر پڑی۔

”میرے پیارے.....!“ وہ اپنے بال نوچ رہی تھی۔ ”تو دس ہاتھیوں سے زیادہ طاقتور  
ناف.....!“ میرے پیارے چاٹتا تھا۔ مدونگا..... میں تجوہ پر ظلم کرتی تھی۔ تجھے کوڑے لگاتی تھی تو میرا  
بخار تھا۔ میں زندگی بھر تیرے لئے روئی رہوں گی۔ تیرے قاتل کو بھی معاف نہ کروں گی۔“

”میں..... کیا تم پاگل ہو گئی ہو۔“ عدناں چھینپے ہوئے انداز میں چینا۔ توبیر کچھ نہ بوئی۔

وہ آگے کی طرف بھیکی اور مردہ آدم خور کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا۔

”میں اسے گولی مازدوں گا۔“ عدناں فریدی سے ریو اور چھینپے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

فریدی نے اسے آہستہ سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت یہ تمہاری ماں نہیں  
بہ صرف ایک عورت ہے۔“

”نان سر جھکائے ہوئے زینوں کی طرف مڑ گیا۔“ فریدی نے اسے روکا نہیں۔ وہ اوپر  
بنے کے لئے زینے طے کر رہا تھا۔ حمید اور فریدی خاموش کھڑے رہے۔ باڑی گارڈ ایک

تحوڑی دیر بعد پھر زینوں پر قدموں کی آہت ہوئی۔ توبیر پانی کا گلاں لئے ہوئے نیچے  
آرہی تھی۔ اس نے قریب آ کر حمید کو آوازیں دیں۔ لیکن حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ توبیر شاید یہ  
سمجھی کہ اس پر دوبارہ غشی طاری ہو گئی ہے۔

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینپے مارنے لگی اور پھر حمید کے  
بیک اس پر ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس کے گریبان کی طرف بڑھا لیکن کامیابی نہ  
ہوئی اور حمید اس کی طاقت کا اندازہ کر کے ششدراہ گیا۔ وہ بھی کسی عورت میں اتنے پھر نیئے  
پن اور طاقت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ توبیر اس کی گرفت سے نکل گئی اور باڑی گارڈ چیخ۔  
”کتنا صاحب یہ سوچ بورڈ کی طرف نہ جانے پائے۔“

حمدید نے پھر اس پر چھلانگ لگائی مگر اس کا سر دیوار سے نکرا لیا لیکن وہ پھر سنجھل کر توبیر کی  
طرف چھپا۔ مگر اب وہ سوچ بورڈ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ دفتار روشنی دھندا ہست میں تبدیل  
ہو گئی۔ باڑی گارڈ کے حلق سے ایک خوفزدہ سی چیخ نکل گئی۔ دوسرا طرف توبیر چیخ کر بولی۔  
”مدونگا میں خطرے میں ہوں۔“

حمدید کو بس اتنا ہی یاد ہے وہ گیندی بلا اتنی تیزی سے وہاں پہنچی تھی جیسے کسی نے اس پر  
ہٹ لگائی ہو۔ توبیر نے ایک زہریلا ساقہ تھبہ لگا کر کہا۔ ”مدونگا۔“ لیکن وہ آگے نہ کہہ سکی کوں  
کہ زینوں کی طرف سے پے در پے تین چار فارے ہوئے۔ کمرے میں سیٹیاں اور سکاریاں  
گوئنے لگیں۔

”توی..... توی.....!“ سیٹیوں اور سکاریوں میں کوئی کہہ رہا تھا۔ ”میں تو چلا..... تبا  
وقت بھی قریب ہے۔“

توبیر دیوانہ دار زینوں کی طرف فائر کرنے لگی اور پھر شاید اس کا پتوں خالی عنا  
ہو گیا۔ سیٹیاں اور سکاریاں اب بھی کمرے میں گونج رہی تھیں اور وہ بڑی سی گیندا اپنی تباہی  
پر بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔ زینوں کی طرف ایک فائر پھر ہوا اور وہ آوازیں بھی فرم  
ہو گئیں۔

حمدید نے انہیں میں فریدی کا تھبہ سنا وہ کہہ رہا تھا۔ ”توبیر اب وہ چیختہ ہو گئی جس

کونے میں منڈالے کھڑا بڑی طرح کانپ رہا تھا۔

”بدبو سے میرا دماغ پھٹ رہا ہے۔“ حمید بڑا بڑا۔ ”یہ بخت آدم خور بھی تھا۔ تمہارے گارڈوں کو صاف کر گیا۔ ان کی لاشیں سڑ رہی ہیں اور چوتھا وہ ادھر ہے۔“

فریدی حمید کی بات کی طرف دھیان دیئے بغیر توری کی طرف بڑھا جواب بھی نہ دکھان لاش پر پڑی کسی چھوٹی سی پنجی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رورہی تھی۔

فریدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا نچلا ہزار دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہرہ ہے تھے۔

”جاوہا یہاں سے..... میں تم سے اجتا کرتی ہوں۔ اگر میں مجرم ہوں تو مجھے اسی تھہ خدا میں بند کر دو۔ میں ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤں گی۔“

”مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“ فریدی نے نرم لبجھ میں کہا۔ ”اسی لئے میں نے تمہارے خود کشی تجویز کی تھی کیونکہ تمہارے عدالت میں پیش ہونے سے عدنان کا سو شل ایشیں خدا میں پڑ جائے گا۔ ہاں سعید بابر اور داراب کی گرفتاری میں مجھے مدد ملے گی۔“

”سعید بابر..... داراب.....!“ توری نے حیرت سے کہا اور اپنے آنسو پوچھ ڈالے۔ چند لمحے فریدی کو گھوڑتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ”انہیں کیوں گرفتار کرو گے۔ ان کا پشت پناہی کر رہے تھے تم....!“

”ہاں..... میں کبھی کبھی مجرموں کو اس وقت پکوتا ہوں جب وہ میرے گلے میں با.....“

ڈالے مجھے اپنی محبت کا یقین دلارہے ہوں۔“

”اُس کے بھائی کا قصہ.....!“ توری نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔ ”اُس کا بھائی.....!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”اُس کا بھائی ابھی میری محافظت میں تھا اور شاید سوتیلی ماں اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے۔“

”تم کیا..... جانو..... تم کیا جانو.....!“ اس نے مضطربانہ انداز میں فریدی کا ہاتھ پکڑا۔ فریدی اسی طرح کھڑا رہا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

”میرے ذرائع لاحدہ وہ ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”مگر عدنان اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“

”یہ جانتا ہو گا..... میں نے ابھی تک اس سے اس کا نہ کرہ بھی نہیں کیا۔“  
”میں ضرور مدد دوں گی۔ تم جو کچھ بھی کہو، میں ان کتوں کی لاشیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے خواہ خواہ میری پرسکون زندگی میں زہر میلے کا نئے بوئے۔ میں سب کچھ بھول گئی تھی۔“  
”تمہیں براہ راست پولیس سے مدد طلب کرنی چاہئے تھی۔“

”میں اپنی پرانی تاریک زندگی پر سے پردہ نہیں ہٹانا چاہتی تھی۔ تمہیں پورے حالات کا علم نہیں ہے شاید۔“

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اپنی کلامی کی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”میرے ساتھ آؤ..... وقت کم ہے۔“ پھر اس نے باڑی گارڈ سے کہا۔ ”شکر تم یہیں ٹھہر دے گے۔“

”اچھا..... حضور..... والا.....!“  
وہ تینوں اوپر آئے اور حمید نے محبوس کیا کہ وہ ابھی تک ایک تہہ خانے میں رہے ہیں۔

”توری بڑا رہی تھی۔“ عدنان کو تہہ خانوں کا بھی علم نہیں تھا۔“

فریدی نے کہا۔ ”مجھے ان پر اسرار کروں کا علم عدنان سے ہوا تھا۔ تہہ خانے میں نے دریافت کئے تھے۔ میری ایکم دوسرا تھی۔ یہاں اس طرح آنے کا ارادہ نہیں تھا جس طرح پہنچا ہوں۔ مگر میرے پھر وہ نے خبر دی کہ کیپن حمید کو تمہاری کٹھی سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا کیا اور اس وقت شاید مجھے ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو.....!“

”مجھے اس پر افسوس نہیں ہے۔“ توری نے سرد لبجھ میں کہا۔ ”میں عدنان کو بچانا چاہتی تھی میں مذوونگا کی موت کے بعد مجھے اس کے نقچے جانے کی بھی خوشی نہیں ہے۔ میں شروع ہی سے کھجتی تھی کہ عدنان تمہارے قبضے میں ہے۔“

”چار خون تمہاری گردن پر..... زغالی کو بھی تم نے ہی گولی ماری تھی اور برقدع زیخوں پر پیچک گئی تھی۔“

”میری گردن پر سینکڑوں خون ہیں۔“ توری نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”زغالی کو اس لئے مار دیا تھا کہ کہیں مذوونگا کی کہانی تم تک نہ پہنچ جائے۔ وہ اس سے واقف تھا۔“

”سالنی.....!“ یک بیک فریدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔۔۔ سالنی..... سمندری اکو، جس کا صحیح حلیہ کہیں کے سرکاری ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔“

”ہاں..... میں سالنی ہوں۔“ تسویر غرائی۔ ”سالنی توںی۔۔۔ میں نے درجنوں سرکاری چاہز لولٹے ہیں۔ جب میں اپنے قرزاقوں سمیت کسی جہاز پر جا پڑتی تھی توہاں آگ خون اور چوپیں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ میں سالنی توںی ہوں جس نے سفید قام جہاز رانوں کی زندگی تھی کہ دی تھی۔ میری لاش کے لئے انگریزوں نے ایک لاکھ پوٹ کے انعام کا اعلان کیا۔ غلام تم آج بھی میری لاش انگریزوں کے حوالے کر کے ان سے یہ انعام حاصل کر سکتے ہو۔ یہیں اب شاید ہی الگینڈ والوں کو یہیں آئے کہ میں ہی سالنی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی ہم میں کام آگئی۔“

”تم یہاں بہت دنوں سے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”ہاں..... میں یہاں اس وقت آئی تھی جب عدنان صرف ایک سال کا تھا اور اُسی ذمیل کی بدولات آئی تھی جس کے بیٹے نے یہاں بھی میری زندگی تملک کر دی۔ افریقہ کے مشرق ساحل پر قرزاقوں کے کئی گروہ کام کرتے تھے۔ میرا گروہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اکثر یہ گروہ آپس میں مکرا جاتے اور اچھا خاصا کشت و خون ہوتا۔ ایک گروہ کا سردار بابر تھا۔ اسی سعید آپس ہی میں مکرا جاتے اور اچھا خاصا کشت و خون ہوتا۔ میرا گروہ کا سردار بابر تھا۔ اسی شہزاد اور عدنان کا باپ۔ ہم دنوں کے گروہ ایک بار آپس میں مکرا گئے۔ بابر کے گروہ کو خلکت ہوئی۔ وہ گرفتار ہو کر میرے سامنے آیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آگیا اور میں نے بابر سے باقاعدہ طور پر شادی کر لی۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے کچھ دن وہ ساحل پر رہتا تھا اور کچھ دنوں کے لئے اندر وون ملک میں چلا جایا کرتا۔ لیکن اس نے مجھے اپنا صحیح نام لایا بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ شہباز کے نام سے مشہور تھا۔ میں کچھ اس طرح اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ میں نے کبھی یہ جانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے؟ حالانکہ مودوگانے مجھے شادی ہی کے موقع پر آگاہ کر دیا تھا کہ شادی کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ میں نے الگی بات پر دیکھا۔ وہ ایک بہت بڑا جادوگر اور نستارہ شناس تھا۔ سینکڑوں میل دور سے ٹھنکان کی بو سونگھ لیتا تھا۔ وہ ہاتھیوں کی طرح طاقت ور تھا۔ میرا غلام تھا۔ مجھ سے ڈرتا تھا۔

حمدی اس کی گفتگو پر عشق کر رہا تھا۔ ایسی عورت آج تک اس کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ ابھی ابھی اُسے ایک عجیں ترین جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا لیکن اب وہ اتنے کوئاں اُپر لارپوائی سے باتمیں کر رہی تھی جیسے کسی ڈرائیور کی ریہسل میں حصہ لے کر لوٹی ہو۔ اوپر سارے کمرے دیران پڑے تھے۔ کہیں بھی کوئی نوکر نہیں دکھائی دیا۔ شاید تسویر اُنہیں چھٹی دے دی تھی۔

”میں نے یہی سمجھ کر عدنان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ تم لوگوں کے قبضے میں ہے۔“ تسویر نے کہا۔

فریدی ایک کمرے میں رک گیا اور ایک کری کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”بیٹھ جاؤ..... ابھی ہمیں آدمی گھنٹے تک انتظار کرنا پڑے گا۔“

”عدنان کہاں ہے..... میں اب اُس کے سامنے نہیں آتا چاہتی۔“

”میں خود نہیں چاہتا..... وہ تمہیں گوئی ماذدے گا۔“

”تسویر کچھ نہ بولی۔ فریدی نے کہا۔“ وہ میرے آدمیوں کے پاس محفوظ ہے۔“

”تم کیا کرتا چاہتے ہو۔“

”میں انہیں موقع پر گرفتار کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ان کے خلاف میرے پاس فی الحال ایک شہزاد ہے وہ بھی مکمل نہیں ہے۔“

”موقع سے کیا مراد ہے۔“

”ان کا خیال ہے کہ عدنان کا انوغاء مخفی افواہ ہے۔ وہ یہیں اسی کوٹھی میں کہیں موجود ہے۔ لہذا آج وہ تم دنوں کو ٹھیم کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تمہارے مذوہنگا کے لئے بھی وہ کافی انتظامات کے ساتھ آئیں گے ان کے ساتھ ایک بہت بڑا جاہ ہو گا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ویسے تمہیں عدالت میں حاضر کر دینے کے لئے وہ ایک باذی گارڈ ہی کافی ہو گا جوئے گیا ہے اور تمنی لاشیں۔“

”تم بار بار اُس کا تذکرہ نہ کرو۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میری گردن پر سینکڑوں کے خون ہیں۔ آج بھی افریقہ کے مشرقی ساحل کے لوگ سالنی کے نام سے کامپتے ہیں۔“

بھی سے میرا اور عدنان کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا کہ ہم دونوں اس کے لئے خطرناک بھی ثابت ہوئے ہیں۔ بہر حال جب اس کتے نے عدنان پر حملہ کیا تو میں سمجھ گئی کہ باہر کے خاندان کے سی فرد نے اس سرزین پر قدم رکھا ہے۔ کتے کی شکل و شباہت عدنان نے مجھے بتائی تھی اور اسی بناء پر میں نے یہ سوچا تھا۔ کیونکہ اس قسم کے کتے باہر کے علاوہ شاید ساری دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں تھے۔ باہر کو کتوں کا شوق تھا اور وہ ان کی نسلوں پر مختلف قسم کے تجربے کیا کرتا تھا۔ اسی نسلوں کے طالب سے اس نے یہ نسل پیدا کی تھی۔ یہ بڑے خطرناک اور انہائی درجہ زبردست تھے۔ اکثر وہ انہیں بھری جملوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔

”مگر یہ کتا تو داراب کے پاس تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں صدقیق کر چکا ہوں۔ وہی ائے ایے کاموں کے لئے استعمال بھی کرتا تھا۔“

”ہو سکتا ہے..... داراب اور باہر بہت پرانے دوست تھے۔ میجر داراب اب بھی بہت نوں تک افریقہ میں رہ چکا ہے اور شاہزاد بھی وہاں اس کی تجارت ہے۔ بہر حال سعید باہر اس کے مل بوتے پر یہاں آیا ہے..... اور داراب..... وہ ویسے بھی مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔ وہ بہت عرصہ سے مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا میں نے اسے دھکا دیا۔ ایک موقع پر اسکی بے عنقی بھی کی اور پھر وہ خاموش ہو رہا۔ لیکن.....!“

”آہا..... ٹھہرو.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”تو یہ! تم اپنی پوری قوت سے عدنان کو آواز دو۔ اسی طرح آواز دیتی ہوئی اوپری منزل پر چلو۔ کہیں کی روشنی نہ جلانا۔ چلو اٹھو۔ یہ آخری مرحلہ ہے اس کے بعد مجرم ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔“

”تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”بس دیکھتی رہو..... اٹھو..... دری نہ کرو.....!“ فریدی نے حمید کو بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تو یہ عدنان کو آوازیں دیتی ہوئی زینے لے کر رہی تھی۔ اچانک حمید نے عدنان کی بھی آواز کی ”میں یہاں ہوں مال.....!“ آواز کے ساتھ ہی ایک کمرہ روشن ہوا۔ پھر شاید اُسی کرے کی کسی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ

میرے ہمراہ چاٹا تھا۔ میں نے اس کا کہنا نہ سن۔ بہر حال شاذی ہو گئی۔ پھر عدنان پیدا ہوا۔..... اس مجھے شہباز کے بارے میں کچھ فکوک نے گھیر لیا۔ اکثر وہ تین ماه غائب رہتا۔ ایک بارہ مر نے چھپ کر اس کا تعاقب کیا اور پھر یہ حقیقت مجھ پر کھلی کہ وہ نیرو بی کا ایک باعزت ٹاچر ہے۔ بہت بڑا تاجر اور اس کا نام شہباز نہیں بلکہ باہر تھا اور یہی نہیں..... یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شانش شدہ ہے۔ ایک لڑکے اور تین لڑکوں کا باپ ہے۔ لڑکا اس وقت بارہ سال کا تھا۔ مجھ پر خرو سوار ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ باہر کو قتل کر دوں مگر اس پار ٹوونگا نے مجھے بہت بڑی دھمکی دی۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے باہر کے خون میں ہاتھ رکنے تو وہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس نے تھا کہ باہر کا خون میرے لئے تباہی لائے گا۔ میں نے باہر کے سلسلے میں ایک بار اس کی بات نہ مانی تھی اس کے لئے مجھے پچھتا تھا۔ لہذا اب مجھے اس کی بات کو اہمیت دینی پڑی۔ میں نیرو بی سے دل شکستہ واپس آئی۔ دل مردہ، ہو گیا تھا اس لئے قراقری ترک کر دی جو نکلے میرا جسجا سرکاری فائلوں میں موجود نہیں تھا اس لئے میں کچھ دونوں کے بعد یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی لیکن داخلہ باضابطہ طور پر نہیں ہوا۔ میں ٹوونگا کو بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ چونکہ وہ عیر اخلاق تھا اس لئے مجھے اس کو دوسروں کی نظریوں سے چھپائے رکھنا پڑتا تھا۔ ٹوونگا نے کبھی کوئی حال میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میرا دل زندگی کے آخری لمحات تک اس کیلئے روتا رہے گا۔“

تو یہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

”مگر سعید باہر کو کیسے علم ہوا کہ تم اس کی سوتیلی مال ہو۔ ظاہر ہے کہ باہر نے اس خاندان والوں سے یہ بات چھپائی ہو گئی کہ اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اگر یہ بات تو وہ تمہیں اپنی اصلیت سے کیوں نہ آگاہ کرتا۔“

”آج سے دس سال پہلے باہر یہاں آیا تھا۔ اتفاقاً ایک جگہ مجھ سے ملاقات ہو گئی۔ شکایات کا ذفتر لے بیٹھا۔ میں نے اس سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ وہ مجھے بھول جا اور سکون سے زندگی بس رکنے دے ورنہ اس کا انجام بڑا دردناک ہو گا۔ میں اب بھی دیکھوں جس کا نام مشرقی ساحل کی عورتیں اپنے بچوں کو ڈرانے کے لئے استعمال کرنی تھیں۔ بہر حال وہ مجھ سے متفق ہو گیا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے بہت ڈرتا تھا اس نے ا

کر چھپھنا تاہوا فرش پر آ رہا۔

”بہت عمدہ.....“ فریدی بڑ بڑایا۔ ”سب کچھ اندازے کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔ اس کا کیا بگاڑا تھا۔ اس نے اُسے فٹ پاٹھ پر کیوں پوچھے کہ میرے معلوم بھائی نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ اس نے اُسے فٹ پاٹھ پر کیوں پوچھئے تاہم.....!“

تو نور و اپس چلیں..... کام ہو گیا۔“

”کیا ہو گیا.....!“

”جس کمرے سے عدنان کی آواز آئی تھی وہاں کھڑکی کے قریب ایک مجرم رکھا ہوا جیسے نمی کمرے میں روشنی ہوئی مجھے کو عدنان سمجھ کر باہر سے کسی نے فائر کر دیا اور خاکہ ہے اب فائر کرنے والا ہاتھوں ہاتھ یہاں لایا جا رہا ہو گا۔“

”کیا تمہارے آدمی یہاں موجود ہیں۔“

”تقریباً پچاس آدمی تاریک کپاؤڈ میں بکھرے ہوئے ہیں۔“

”اوہ! تم واقعی بہت اوپنے آدمی ہو۔ بہت ذہین۔۔۔ مگر اس کے نے تم پر حملہ کیوں کیا تھا؟“ نتمہارے بھائی کو جنم دیا تھا۔ وہ اسی کی گود میں بیل کر جوان ہوا ہے اور تمہاری جائیداد میں ”سعید بابر میری طرف سے مطمئن نہیں تھا۔۔۔ وہ جانتا تھا کہ میں اس کی مخالفت عنیں تفتیش کرتا رہا ہوں۔“

”تم بیکار اپاڈ وقت برپا کر رہے ہو۔“ داراب نے سعید سے کہا۔ ”یوگ ہمیں کسی جال وہ تیوں پھر بخیج آ گئے۔

”اسنڈی میں چلو۔۔۔!“ فریدی نے تو نور سے کہا۔ ”میرے آدمی انہیں وہیں لا سیں گے۔“ ناچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ اسنڈی میں پہنچ کر وہ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ باہر روشن پر بہت سے قدموں کی اچانک حمید نے داراب کی پیٹ میں ایک گھونسہ رسید کر دیا اور جیسے ہی وہ جنگ مار کر دوڑ رہا اور انہوں کے گھونے اس کے شانوں پر پڑے اور وہ منہ کے مل فرش پر گر گیا۔ آوازیں سنائی دینے لگیں۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک جم غیر اندر گھس آیا۔ یہ سادہ لباس والے تھے اور انہوں نے ”ہائی۔۔۔ ہائی۔۔۔ کپتان صاحب۔“ سعید بابر بولا اور حمید کا الٹا ہاتھ اس کے گال پر مجرم داراب اور سعید بابر کو پکڑ رکھا تھا۔

”آہا۔۔۔ کرٹل صاحب۔“ دفعتاً سعید بابر نے خوشی کا انفراد لگایا۔

”ہاں۔۔۔!“ فریدی نے سرد لمحے میں کہا۔ ”تم شاید یہ سمجھے ہو گے کہ یہ تو نور کے آدمی ہیں۔“ ”جی ہاں۔۔۔ ہم اُس گول سائے کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ وہ اندا بلایا ہوا دوبارہ ڈھیر ہو گیا۔“

”سعید بابر۔۔۔!“ فریدی بولا۔ ”مسلسلی براؤن میری قید میں ہے اور اس نے اعتراف میرا دعویٰ ہے کہ وہ اسی عمارت میں رہتا ہے۔۔۔ یہیں۔۔۔ اور اگر وہ یہیں رہتا ہے تو اس عورت بنانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ تم دونوں کے پاسپورٹ جعلی تھے۔ تم بہت دنوں سے

مل ہے اور تمہیں خوف زدہ کرنے کے لئے تمہارے پیچھے لگ رہی ہے تاکہ تم ان حالات  
لہذا کریم یہاں سے بھاگ نکلو۔ آخر میں ہوتا یہ کہ ایک دن لسلی بھائی غائب ہو جاتی اور تم  
ایک روپرٹ میں ایک بھاری رقم درج کر دیتے۔ تمہارا کیس اور زیادہ تقویت پا جاتا اور  
اس نتیجے پر پہنچتا پڑتا کہ وہ فقیر حقیقتاً تمہارا بھائی تھا اور ہم اُس کی موت کی تصدیق  
بنتے۔

”کیا آپ مجھے کوئی جاسوسی ناول سن رہے ہیں۔“ سعید بابر مسکرا کر بولا۔ ”معنی میں یہ  
بھائی بنا تھا اور پھر مر بھی گیا..... اور اب یہاں کھڑا جاسوسی ناول سن رہا ہوں۔“

”ابھی راحلہ سے تمہاری شادی نہیں ہوئی۔“ فریدی نے سرد لمحہ میں کہا۔

”اس جملے اور اس داستان کا تعلق بھی واضح فرمادیجھے۔“ سعید بابر مسکرا کر بولا۔

”ابے بندر کے بچے.....!“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”اپنی یہ مسکراہٹ بند کر دو، ورنہ داراب  
اطرح جھیں بھی بیہوش کر دوں گا۔“

”تہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دیجھے۔“ سعید نے سرد لمحہ میں کہا۔ ”ابھی آپ میرے  
اف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکے۔“

”کیا راحلہ کو یہیں معلوم تھا۔“ فریدی نے سمجھی گی سے کہا۔ ”کہ تم جس دم کے ماہر ہو۔  
نے یہ ایک ہندو بیوی سے سیکھا تھا۔ تم نے راحلہ کو بھی اپنے جال میں پھانسی کی کوشش کی  
کہا تو تمہارے اس کمال کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔ تمہیں صرف تین چار گھنٹے کے لئے مردہ  
ہاڑا تھا۔ جس دم کے ماہر تو کئی کئی بفتح زمین میں دفن رہتے ہیں اور پھر زندہ نکل آتے ہیں۔  
میں اب اس پر کہہ دیتے کہ یہ آدمی یقیناً اس پا  
تمہارا کام بن جاتا۔ اگر عدنان کبھی یہ جھگڑا اٹھاتا بھی تو تم یہ کہہ دیتے کہ یہ آدمی یقیناً اس پا  
سے تعلق رکھتا ہے جو تمہارے بھائی کی موت کی ذمہ دار تھی۔ تم نے شروع ہی سے ہمیں یہ با  
کرانے کی کوشش کی تھی کہ کچھ لوگ تمہیں زبردستی یہاں سے واپس بھیجنा چاہتے ہیں۔ اُس  
جب تم کیپیٹن حمید کو اپنی رواد سنارہے تھے تم پر ایک فائر ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ فائر تمہارے  
کسی آدمی نے کیا ہوگا۔ پھر لسلی براؤن والا اسٹنٹ سامنے آیا اس کا مقصد بھی محض حالات  
میں اسرار بنا تھا۔ یعنی تمہاری پر اسرار داستان تمام میں پھیل جائے۔ دوسری طرف تم ہمیں  
بھانا چاہتے تھے کہ تمہارے بھائی کی موت کے ذمہ دار لوگوں کی حمایت سے لسلی براؤن

یہاں آگئے تھے۔ تم ہی فقیر بن کر سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے تھے پھر ایک دن تم مرگ کر  
نے پہلے ہی کسی رشید بابر کے نام یہاں کے بیکوں میں قیس منتقل کرنی شروع کر دی تھی  
مقصد یہ تھا کہ تم یہاں اپنے کسی بھائی کی موجودگی خاہر کرنا چاہتے تھے۔ پھر اس کا بھی اعلان  
چاہتے تھے کہ وہ بھائی مر گیا اور تم اب اپنے باب کی جائیداد کے تھا مالک ہو۔ تمہیں خدش تھا کہ  
بھی نہ کبھی تنویر یا عدنان تمہاری افریقہ والی جائیداد کے دعویدار بن جائیں گے۔ لیکن تم نے قیم  
کا ہبہ دپ اختیار کر لیا۔ کچھ اس قسم کی صدائیں لگاتے رہے کہ لوگ تم میں دلچسپی لینے لگے۔ یہ  
تم نے اس لئے کیا تھا کہ تمہاری مشکل و شباتہ اُن کے ذہن نشین ہو جائے۔ لہذا بھائی ہوں  
جب تمہاری تصویر اخبارات میں پھیپھی تو لوگوں میں حیرت پھیل گئی۔ جب تم نے اپنے بھائی کی  
کہانی چھیڑی تو کم از کم مجھے بھی یقین ہو گیا کہ وہ تمہارا بھائی ہی رہا ہوگا۔ تم جانتے تھے کہ تجوہ  
سب کچھ سمجھ جائے گی لیکن تمہارے غلاف کوئی قانونی کارروائی نہ کر سکے گی۔ کیونکہ اسکی صورت  
میں خود اس کی بھی پول کھل جائے گی۔ تم تو دراصل تنویر کے مرنے کے بعد عدنان کے کہاں  
اقدام کے امکانات پر غور کر رہے تھے۔ تمہاری دانست میں تنویر مرتبے وقت ہی عدنان کو اس  
راز سے آگاہ کر کے کاغذات اُس کے سپرد کرتی۔ تم نے ٹھیک سوچا تھا۔ تنویر حقیقتاً اس کھیڑی  
کو اپنی زندگی میں نہ اٹھنے دیتی۔ ہاں تو تم ایک فائر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ عدنان کو  
موت..... اور تمہارے بھائی کی موت کی سرکاری طور پر تصدیق..... اگر ان میں سے ایک کا  
بھی ہو جاتا تو تمہاری دولت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی اور عدنان کو تم قتل نہ کر سکتے، جب  
تمہارا کام بن جاتا۔ اگر عدنان کبھی یہ جھگڑا اٹھاتا بھی تو تم یہ کہہ دیتے کہ یہ آدمی یقیناً اس پا  
سے تعلق رکھتا ہے جو تمہارے بھائی کی موت کی ذمہ دار تھی۔ تم نے شروع ہی سے ہمیں یہ با  
کرانے کی کوشش کی تھی کہ کچھ لوگ تمہیں زبردستی یہاں سے واپس بھیجنा چاہتے ہیں۔ اُس  
جب تم کیپیٹن حمید کو اپنی رواد سنارہے تھے تم پر ایک فائر ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ فائر تمہارے  
کسی آدمی نے کیا ہوگا۔ پھر لسلی براؤن والا اسٹنٹ سامنے آیا اس کا مقصد بھی محض حالات  
میں اسرار بنا تھا۔ یعنی تمہاری پر اسرار داستان تمام میں پھیل جائے۔ دوسری طرف تم ہمیں  
بھانا چاہتے تھے کہ تمہارے بھائی کی موت کے ذمہ دار لوگوں کی حمایت سے لسلی براؤن

نے تفتیش شروع کی تو انہیں اگلنا ہی پڑا اور پھر میں نے نیروں سے بھی تحقیق کی ہے جو  
کی کہانی وہاں کا سارا غرساں بھی سناتا ہے۔ ویسے وہ تمہارے کسی دوسرے بھائی کے وجود  
متعلق خاموش ہے۔ اس کی دانست میں تمہارا کوئی سوتیلا بھائی ہو بھی سکتا ہے اور انہیں بھی یہ کہ  
کیونکہ تمہارا باپ ایک عیاش آدمی تھا۔ بہر حال میں تمہیں اس سارے فرماز کے اور انہیں  
حراست میں لیتا ہوں اور تم نے یاد راب نے اس وقت عدنان پر گولی چلانی تھی۔“

پھر اس نے سادہ لباس والوں میں سے ایک کو مناطب کر کے کہا۔ ”اسکے ہھڑیاں لاوے  
سعید بابر خاموش تھا۔

فریدی نے بیہوش داراب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”میں اسے اس لئے حراست  
لیتا ہوں کہ اس نے ایک رات اُسی زہر لیلے کتے کے ذریعہ میری زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش  
کی تھی۔“

اچانک کمرے میں فائر کی آواز گوئی اور انہوں نے تنوری کو زمین پر گرتے دیکھا۔ اس  
ہاتھ میں چھوٹا سا پستول تھا۔ فریدی اس کی طرف چھپتا۔

”فریدی بیٹھ!“ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ”میں نے تمہارے ..... کہنے کے مطا  
خود کشی کر لی ..... میں نے اپنے پستول میں اوف ..... یہ گولی ..... اسی لئے بچائی تھی ..... میر  
گولی ..... کسی وقت ..... تم پر بھی ..... اوف ..... اس ..... استعمال کر سکتی تھی۔ مگر ..... بیٹھ  
تمہیں عدنان کا سر پر سست بھختی ہوں ..... وہ تمہیں بہت پسند کر رہا ..... ہاف ..... !“

اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ باہمیں طرف جا پڑی۔

”تم بھی بھول گئے تھے کہ پستول اسی کے پاس ہے۔“ فریدی نے حید سے کہا۔

حید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں چھاڑے تنوری کی لاش کو گھور رہا تھا۔

کمرے کی فضاب جھلی ہو گئی تھی اور قریب ہی کہیں ایک کتارو رہا تھا۔

# ختم شد